بسم اللہ الرحمن الرحیم
سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف بہ

جلد سوئم

واذا سمعوا ۷ — ولو اننا ۸ — قال الملا ۹

شیخ الاسلام والمسلمین

لاهور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد سوم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

(۱)۔محترمی حفیظ البرکات شاہ صاحب، مینیجنگ ڈائرکٹر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان کے علاوہ کوئی اور فرد یا ادارہ اس تفسیر کو شائع کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۲)۔محترمی حفیظ البرکات شاہ صاحب ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تحت صرف پاکستان میں اور پاکستان کی ضرورت کے لیے ہی اس تفسیر قرآن کو شائع کرنے کے مجاز ہوں گے، باہر کسی اور ملک میں ایکسپورٹ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ وہ خود یا کسی اور فرد یا ادارے کو تفسیر اشرفی شائع کرنے کی اجازت دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔

(۳)۔۔اس تفسیر قرآن کو جو کہ اردو زبان میں تصنیف کی گئی ہے کسی اور زبان میں ترجمہ کرنے، کرانے اور اسے شائع کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرماتا رہے۔

فقط

سجادہ نشین و متولی درگاہ مخدوم اہلسنت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ
کچھوچھا شریف، ضلع امبیڈکر نگر، یو پی، انڈیا

فہرست

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

پروردگارِ عالم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اسکے احسانات اور کرم نوازیاں بہت اور ہماری حیثیت بہت ہی کم، مگر غلامیٔ رسول ﷺ پر ناز ہے، کہ آپ ہی کے وسیلے سے اللہ رب العزت نے اس تفسیری خدمت کی توفیق بخشی اور اسی کے کرم سے ہم اس کام کو بڑی ہی خوش اسلوبی سے لیکر آگے بڑھ رہے ہیں۔

ایک طرف مفسر محترم، حضور شیخ الاسلام والمسلمین اپنی جگہ اپنے قلم مبارک سے تفسیری گوہر بیش بہا حوالۂ قرطاس فرمارہے ہیں، جبکہ پر اخلاص محنت کرنے والے حضور قبلہ گاہی کے مسودے کو ایک خوبصورت کتاب میں ڈھال کر قارئین کی خدمت میں پیش کرنے میں مصروف ہیں اور دوسری طرف 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی'، علماءِ کرام، طلباءِ اسلام اور دیگر قارئین کی مرکزِ نگاہ بنی ہوئی ہے۔ دعاؤں، تجزیوں اور مشوروں کا ایک دفتر جمع ہوتا جارہا ہے، اور یوں تفسیر اشرفی مقبولیت کا سفر بھی تیزی سے طے کررہی ہے۔

جوں جوں تفسیر ھذا کی جلدیں قارئین تک پہنچ رہی ہیں، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ کے اردو ترجمۂ قرآن، بنام 'معارف القرآن' کی ڈیمانڈ بھی بڑھ رہی ہے۔۔لہٰذا۔۔ادارے نے ۲۰۰۱ء میں اپنی معارف القرآن کی پہلی اشاعت کے بعد، اب اسے مزید خوبصورت انداز میں شائع کرنے کا کام بھی مکمل کرلیا ہے۔ اس اشاعت میں نہایت ہی عرق ریزی سے 'رموزِ اوقافِ ترجمہ' کا ایک منفرد اضافہ کیا ہے، جس سے محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے ہی سے آسان اردو ترجمۂ قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے مزید آسان اور دلچسپ بنانے کا اہتمام بھی ہوگیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائیگا۔ تفسیر اشرفی کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کیلئے بھی انتظامات مکمل کرلئے گئے ہیں، بلکہ ایک پارے کا کام پایۂ تکمیل تک بھی پہنچ گیا ہے۔

گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، یوایس اے﴾ کے علاوہ انڈیا میں شیخ الاسلام ٹرسٹ بھی 'معارف القرآن' اور 'تفسیر اشرفی' کی نہایت شاندار اشاعت وترسیل میں کوشاں ہیں۔ ساتھ ہی شیخ

الاسلام کے مریدین، معتقدین و دیگر محبان اہلسنّت انگلینڈ میں بھی انکی ترسیل میں دن و رات ایک کیئے ہوئے ہیں۔

یہ تمام کام توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ شیخ الاسلام کی برکت، علمائے اہلسنّت کی دعائیں، مخلصین کی انتھک محنت، اس ادارے کا یہی کچھ سرمایہ ہے، جو دین متین کی خدمت میں معاون ثابت ہورہا ہے جسکے نتیجے میں اب ہم 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد سوئم﴾ یعنی ساتویں، آٹھویں اور نویں پارے کی تفسیر کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، جبکہ مفسر محترم کی جانب سے ۲۱ویں پارے تک تفسیری کام مکمل ہوچکا ہے جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔

ادارہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے، کہ آپ اپنے معمولات میں سے اس اہم کام کیلیئے وقت نکالے ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم اللہ رب العزت سے دعا گو ہیں، کہ وہ حضور مفسر محترم کی صحت وعمر میں برکت عطا فرمائے اور اس تفسیری کام کو اپنی توفیق رفیق سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ حضور مفسر محترم کا سایہ تادیر ہم پر قائم ودائم رکھے۔

ہم ہندوستان اور پاکستان کے مقتدر علماء کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کوشش کو تحریری اور زبانی طور پر سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔۔۔ خاص طور سے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) کے منصور احمد اشرفی جو اس کتاب کو خوبصورت شکل میں ڈھالتے ہیں، جناب علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی (بولٹن، انگلینڈ)، جناب علامہ سراج صاحب (جامعہ غوثیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان)، جناب علامہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب مدظلہ العالی (جامعہ نصرۃ العلوم، کراچی، پاکستان) جو اپنی مصروفیات سے قیمتی وقت نکال کر نہایت ہی عرق ریزی سے کمپیوٹرائزڈ متنِ تفسیر کی پروف ریڈنگ فرماتے ہیں۔۔۔ جناب علامہ مفتی محمد فخر الدین علوی اشرفی (نیوجرسی، امریکہ) جو کتاب کی تیاری میں اہم معاملات میں مشن کی معاونت فرماتے ہیں۔

۔۔مزید برآں۔۔ ہم نہایت مشکور وممنون ہیں، شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام جیلانی خان اشرفی صاحب، جناب حاجی حنیف طیب صاحب اور دیگر مقتدر علماءِ اہلسنّت وجماعت کے، جنھوں نے ہماری کوششوں کو سراہتے ہوئے، اس کتاب کا تعارف کرانے اور ڈسٹری بیوشن میں ہماری مدد فرمائی۔۔۔ جن اصحاب وافراد کے بغیر گلوبل اسلامک مشن کے کاموں کا خاصہ حصہ کراچی، پاکستان میں تکمیل کے مراحل

طے نہیں کر سکتا، انکے ذکر کے بغیر ہماری بات مکمل نہیں ہو سکتی۔ہم جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب بمعہ اہل خانہ، جناب مسرور علی قریشی صاحب اور جناب عزیز علی خان صاحب کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔ساتھ ہی ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے جناب حاجی حفیظ البرکات شاہ صاحب کے بھی ہم ممنون ہیں کہ یہ کتاب اُن کے مطبع خانے میں چھپ کراُن کے ادارے سے بھی دستیاب ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اصحاب جنکا ذکراوپر کیا گیااور جنکا ذکر باعث طوالت زیر تحریر نہ آسکا، ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔حضور مفسر محترم اور اہلسنّت وجماعت کی تمام مقتدر ہستیوں اور علماءِ کرام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے، اوران سب کا سایہ تادیر دنیائے سنیت پر قائم ودائم رکھے۔اسکے ساتھ ہی حضور ﷺ کے سچے ماننے والوں کی زمانے کی گردشوں سے حفاظت فرمائے۔۔نیز۔۔گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، امریکہ﴾ کو دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ اٰمین! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یوایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

۱۲ربیع اول ۱۴۳۳ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۵رفروری، ۲۰۱۲ء

حسبِ سابق:

متن تفسیر کے چند مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کیلئے کتاب کے آخیر میں 'تشریح لغات' کے عنوان سے درج کردیا گیا ہے۔ ﴿ادارہ﴾

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد سوئم کے متن تفسیر میں ۱۰،۸۸،۳۷۰ (دس لاکھ، اٹھاسی ہزار، تین سوستر) حروف۔۔۔ ۱،۱۷،۷۴۵ (ایک لاکھ، سترہ ہزار، سات سو پینتالیس) الفاظ۔۔۔ ۸،۷۷۹ (آٹھ ہزار، سات سواناسی) سطریں۔۔۔اور ۳،۵۰۵ (تین ہزار، پانچ سو پانچ) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دیکر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

واذا سمعوا

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۲ رجب ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶ جولائی ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ ساتویں پارہ کی تفسیر شروع کردی۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿امین﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جن عالموں اور عابدوں کا سابقہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے، وہ کچھ ایسی روحِ سعادت رکھنے والے رقیق القلب ہیں، کہ جب حضرت نجاشی کے دربار میں انکے سامنے حضرت جعفر طیار نے سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کی بعض آیتیں سنائیں۔۔یونہی۔۔جب شاہ حبشہ موصوف کے فرستادہ ستر علماء بارگاہِ رسولِ کریم میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انکے سامنے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت فرمائی، تو سب کے سب کی آنکھیں بے تحاشہ چھلک پڑیں۔سبھی نے برملا اعتراف کیا کہ آپ پر نازل شدہ کتاب میں جو باتیں ہیں، وہ سب ہماری کتاب انجیل کے فرمودات کے بالکل مطابق ہیں۔۔الختصر۔۔شاہِ حبشہ حضرت نجاشی اور انکے سارے اصحاب اور درباری مشرف باسلام ہوگئے۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے اپنے کو غرور وتکبر سے بچایا۔

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰٓى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ

اور جہاں سن پایا وہ، جو نازل کیا گیا ہے رسولِ اسلام کی طرف، تو دیکھ لو ان کی آنکھیں، کہ آنسو بہا رہی ہیں،

مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَـقِّ‌ۚ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۳﴾

کیونکہ انھوں نے حق پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں! اے ہمارے پروردگار ہم نے مان لیا، تو ہم کو لکھ لے گواہوں میں ●

(اور جہاں سن پایا) خواہ حضرت جعفر طیار کی زبان سے۔۔یا۔۔سید مختار ﷺ کے لب ہائے پاک سے (وہ، جو نازل کیا گیا رسولِ اسلام کی طرف، تو دیکھ لو) اپنی نگاہِ علم وادراک سے ان حبشہ والوں کی۔۔نیز۔۔اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے دربار میں (ان) حاضر ہونے والوں (کی آنکھیں) جو (کہ آنسو بہا رہی ہیں)۔ان سے اس رقتِ قلبی اور اشکباری کا ظہور ہونا ہی تھا، (کیونکہ انہوں نے حق پہچان لیا)۔انکا یہ رونا حق وصداقت کی معرفت ہی کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب 'بعض حق' کی معرفت نے انھوں رُلا دیا، تو پھر انکی کیا حالت ہوتی اگر وہ 'کل حق' کی معرفت والے ہوجاتے اور پورے قرآن کریم کی سماعت فرمالیتے۔۔نیز۔۔رسولِ کریم کی سنت کا مکمل احاطہ کرلیتے جبکہ انکی مختصر سی معرفت نے انھیں مجبور کردیا کہ ایمان لائیں اور اسلام میں داخل ہوجائیں۔۔چنانچہ۔۔

(وہ کہتے ہیں) کہ (اے ہمارے پروردگار! ہم نے) اس رسولِ اسلام اور اس پر نازل شدہ کلام کو (مان لیا، تو ہم کو لکھ لے) اُن (گواہوں میں) جنھوں نے رسولِ کریم اور قرآنِ حکیم کی صداقت

وحقانیت کی گواہی دی ہے۔۔یا۔۔ہمیں امتِ محمدی میں شامل فرمادے، جن کی شان انجیل میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن ساری امتوں پر گواہ ہوں گے۔۔۔

جب حضرت جعفر کے رفقاء مدینے پہنچے، تو وہاں کے یہودیوں نے انکی ملامت کی کہ تم لوگ کیا جھٹ پٹ ایمان لائے، ہمیں دیکھو کہ مدت گزری ہمیں دعوتِ اسلام کرتے ہیں اور ہم نہیں مانتے۔۔یونہی۔۔اہلِ حبشہ نے نجاشی سے کہا کہ حیرت ہے، کہ تو اس شخص پر ایمان لایا جسے تو نے دیکھا تک نہیں۔تو ان ملامت کرنے والوں کو ان سب نے یہی جواب دیا، کہ ہم دینِ اسلام کے حضور سرِ تسلیم خم کیوں نہ کریں۔۔۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

اور اللہ کو، اور جو ہمارے پاس حق آیا۔کیوں نہ مانیں جب کہ ہم اسکے لالچی ہیں کہ داخل کردے

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ہم کو ہمارا پروردگار نیکوں کے ساتھ ● تو اللہ نے ان کو ثواب بخشا جو انہوں نے کہا اس کا، جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

نیچے نہریں، ہمیشہ اس میں رہنے والے۔ اور یہ مخلصوں کی جزا ہے ●

(اور اللہ) تعالیٰ (کو اور جو ہمارے پاس) رسول کریم اور قرآن حکیم کی صورت میں (حق آیا، کیوں نہ مانیں، جبکہ ہم اسکے لالچی) اور حریص (ہیں) اور اس بات کی آرزو رکھتے ہیں (کہ داخل کردے ہم کو ہمارا پروردگار) رسول واصحابِ رسول، بالخصوص مہاجرینِ اولین اور امتِ محمدی کے (نیکوں کے ساتھ)۔

(تو اللہ) تعالیٰ (نے ان کو ثواب بخشا) اور بہ سبب اس قول کے (جو انہوں نے) اخلاص و اعتقاد کی راہ سے (کہا اسکا) اجر عطا فرمایا اور وہ بھی معمولی نہیں بلکہ (جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اور حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (ہمیشہ اس میں رہنے والے) ہیں۔(اور یہ) کیا ہی اچھی (مخلصوں کی جزاء ہے) جو سراپا اخلاص ہو کر نیک کام انجام دیتے رہتے ہیں۔

خدائے کریم کے اس فضل وکرم کو سننے کے ساتھ اس قادرِ مطلق کے عدل کو بھی دیکھتے چلو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

اور جنھوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو وہ جہنم والے ہیں●

(اور) اچھی طرح سے سن لو، کہ (جنھوں نے انکار کیا اور) اسکی یہ شکل اختیار کری کہ (جھٹلایا ہماری آیتوں کو) اور اسی پر انھیں موت آگئی، (تو وہ جہنم والے ہیں) جس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔جن عیسائیوں نے دینِ حق کو پہچان لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انکو انکے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے صلے میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اسکی وحدانیت اور اسکے انبیاء کے صدق کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ انکو اپنے عدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دیگا۔۔المختصر۔۔ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ دینِ حق پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماننے والا افراط وتفریط کا شکار ہوجائے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ حرام قرار دو پاکیزہ چیزوں کو، جو اللہ نے حلال کردیا تمہارے لئے، اور قانون نہ توڑو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا قانون شکنوں کو●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) نبی کریم کی زبانِ فیض ترجمان سے قیامت اور اس دن کی سختیوں کو سن کر بالکلیہ ترک دنیا کے رہبانیت زدہ غیر فطری اعمال کا اپنے کو پابند بنانے کے عزم وارادہ سے بعض آؤ۔

اسلام نے اسطرح کے غیر فطری ضابطوں کی حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی۔۔چنانچہ۔۔عہد رسالت میں جب حضرت عثمان ابن مظعون کے مکان پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت مقداد اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اکٹھا ہوکر اس بات پر متفق ہوگئے کہ جتنی عمر باقی ہے، اس میں دن کو روزہ رکھیں اور رات عبادت میں بسر کریں اور بچھونے پر نہ سوئیں اور گوشت اور چربی نہ کھائیں، اور عورتوں کے پاس نہ جائیں اور دنیا کو چھوڑ کر کملی اوڑھ کر سیاحی کریں اور اِدھر اُدھر گھومتے رہیں۔

انکے ارادے کی خبر جیسے ہی رسولِ کریم کو ہوئی، تو آپ نے ان صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو فکر کی ہے، میں اس بات پر مامور نہیں ہوں۔ بیشک تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ مجھے دیکھو، میں عبادت کے واسطے اٹھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت و چربی بھی کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، تو سن لو! جو کوئی میری سنت سے باز رہیگا اور اس سے اعراض کریگا، وہ مجھ سے نہیں ہے اور میرے پیش کردہ دین فطرت سے دور ہے۔

تو اے ایمان والو! (**نہ حرام قرار دو پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ**) **تعالیٰ** (**نے حلال کر دیا تمہارے لئے**)۔

یعنی وہ چیزیں جو اچھی ہیں اور ان سے تمہارے نفوس لذت پاتے ہیں حرام اشیاء سے رک جانے کی طرح حرام نہ کرو، کہ جس طرح حرام اشیاء سے مکمل اجتناب لازم ہے، اسی طرح کا اجتناب تم ان حلال اشیاء سے بھی کرنے لگو۔۔۔یا۔۔ بطورِ تقشف و تزہد دنیاوی حلال لذتوں کے ترک کے عزم و ارادہ کو مبالغۃً اسطرح ظاہر کرو کہ 'ہم نے ان لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے'۔

۔۔الحختصر۔۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جن جن چیزوں کو حلال فرما دیا ہے، انکے ترک و اجتناب کو اپنے اوپر لازم نہ کرو (**اور**) **خدا کے بنائے ہوئے** (**قانون نہ توڑو**)۔ حلال کردہ اشیاء کی حدود سے متجاوز ہو کر ان اشیاء کی طرف نہ جاؤ جن کو تم پر حرام کیا گیا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔نہ تو خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دو، اور نہ ہی اسکے حرام کردہ کو حلال سمجھو۔۔۔بلکہ۔۔۔طیبات کو کھاتے وقت بھی اسراف سے کام نہ لو، اسلئے کہ اسراف بھی حرام کھانے کی طرح حرام کی طرف متجاوز کرتا ہے اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ (**بیشک اللہ**) **تعالیٰ** (**نہیں پسند فرماتا قانون شکنوں کو**)، جو اپنی خواہش کے مطابق خدا کے حرام کردہ کو حلال اور اسکے حلال کردہ کو حرام قرار دیکر خدائی قانون کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسطرح کے حدود سے تجاوز کرنے والوں کے عمل سے خوش نہیں ہوتا۔۔الحختصر۔۔قانون شکنی سے اپنے کو باز رکھو۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور کھاؤ جو روزی فرمادیا تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ۔ اور ڈرو اللہ کو جس کو تم لوگ مانتے ہو●

(**اور کھاؤ جو روزی فرمادیا تم کو اللہ**) **تعالیٰ** (**نے حلال**) یعنی جو جائز طریقے سے حاصل ہو کر

(پاکیزہ) یعنی جو غذا کے طور پر مستعمل ہو اور اس سے نشو ونما حاصل ہو۔۔الغرض۔۔حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ (اور) اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے میں (ڈرو) اس (اللہ) تعالیٰ (کو، جس کو تم لوگ مانتے ہو)۔اس نے جس جس کو حلال فرما دیا وہ حلال ہی ہے، خواہ وہ کھائی جاتی ہو۔۔یا۔۔نہ کھائی جاتی ہو۔لہٰذا صرف کھانے کی اشیاء کو حلال نہ سمجھے، اسلئے کہ اسکے سوا اور دوسری اشیاء بھی حلال ہیں، اگرچہ وہ کھائی نہیں جاتیں۔

۔۔الحاصل۔۔ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان تقویٰ پیدا کرے، یعنی ان امور سے کنارہ کشی اختیار کرلے جن سے اسے روکا گیا ہے اور مقرر کردہ حد سے متجاوز نہ ہو۔۔۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے جو قسم کھائی ہے، اسے کیا کریں؟ تو ارشاد ہوا کہ۔۔۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْ

نہیں گرفت کرتا تمہاری اللہ تمہاری بے خبری کی قسموں میں، لیکن پکڑے گا تم کو جو تم نے مضبوط عہد

تُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

بنا دیا قسموں کو، تو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مسکینوں کو، درمیانی درجہ کا، جو اپنے گھر والوں کو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ

کھلاتے رہتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنانا، یا ایک بردہ کو آزاد کرنا۔ تو جس نے نہ پایا، تو تین دن کا روزہ۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا کر رہ جاؤ۔ اور اپنی قسموں کا خیال رکھو۔اس طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تمہارے لئے اپنی آیتوں کو، کہ کہیں تم شکر گزار ہو جاؤ●

(نہیں گرفت کرتا تمہاری اللہ) تعالیٰ (تمہاری بے خبری کی قسموں میں)۔

۔۔مثلاً: دور سے کسی شے کو دیکھ کر کہے کہ یہ فلاں شے ہے اور پھر قسم کھا کے کہے کہ واقعی یہ وہی شے ہے حالانکہ وہ شے اسطرح نہ ہو جیسے وہ کہتا ہے، تو یہ قسم 'یمین لغو' ہے۔اس قسم پر اس شخص پر کوئی مواخذہ نہیں، نہ گناہ، نہ کفارہ۔اور اگر کوئی زمانۂ ماضی یا حال کے متعلق جھوٹی

قسم کھائے۔۔مثلاً: قسم کھا کر کہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، حالانکہ وہ کام نہ کیا ہو۔۔یا۔۔مثلاً: قسم کھا کر کہے کہ وہ مقروض ہے، حالانکہ اس پر کسی قسم کا قرض نہیں۔اس قسم کو 'یمین غموس' کہتے ہیں۔اسکا حکم یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ ہے، کفارہ نہیں۔اور گناہ بھی کبیرہ، جس سے توبہ کرنا اسپر لازم ہے۔

۔۔الغرض۔۔یمین لغو پر اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت نہیں فرمائیگا (لیکن پکڑیگا تم کو جو تم نے مضبوط عہد بنادیا قسموں کو) یعنی نیت اور ارادے سے تم نے ان قسموں کو زیادہ مضبوط اور پختہ کیا ہے۔اب اگر تم نے انکو توڑا، تو انکا مواخذہ ہوگا، اسلیئے کہ تم نے جسکا معاہدہ کر کے اسے توڑا، تو اسکی سزا مقرر ہوئی۔

ذہن نشین رہے کہ زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے۔۔یا۔۔نہ کرنے سے متعلق قسم کو 'یمین منعقدہ' کہتے ہیں۔

تو اگر اُس قسم کو توڑ دیا گیا (تو اسکا کفارہ ہے) جس سے اسکی غلطی اور گناہ کا ازالہ ہوسکے (کھانا کھلانا دس مسکینوں کو)، خواہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کے کھلائے۔۔یا۔۔کسی مسکین کو دس دن کھلائے ۔۔یا۔۔کسی مسکین کو دس دن کا کھانا یکدم دیدے۔ان تمام صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائیگا۔خیال رہے کہ کھانا (درمیانی درجہ کا) ہونا چاہئے (جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے رہتے ہو) یعنی نہ بہت اعلیٰ درجہ کا اور نہ ہی بہت ادنیٰ درجہ کا۔نوع میں بھی درمیانی ہے اور مقدار میں بھی۔مقدار میں درمیانی کی شکل یہ ہے کہ ایک صدقہ ءفطر کے مطابق ہو۔

کفارہ ادا کرنے کیلیئے مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق کھانا کھلانا ہے (یا ان) دس مسکینوں (کو کپڑا پہنانا) ہے۔

وہ لباس پہنائے جو انکے عام بدن کو ڈھانپتا ہو۔تو اگر کسی کو صرف شلوار دیدے، تو یہ پوشاک کے حکم میں نہ ہوگا۔کم از کم اتنا تو دے جس سے سترِ عورت ہو جائے اور اسکو پہن کر وہ نماز پڑھ سکیں۔

(یا ایک بردہ) یعنی شرعی غلام (کو آزاد کرنا) ہے۔

خواہ وہ غلام مومن ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، لیکن سالم اور بے عیب ہو، نابینا اور بہرا نہ ہو۔ایسا بھی نہ ہو جس سے کسی قسم کا نفع نہ اٹھایا جاسکے۔۔چنانچہ۔۔وہ دائمی پاگل نہ ہو، کیونکہ نفع یابی عقل سے ہوتی ہے اور اسکی عقل مفقود ہے۔اور جس کے دونوں

ہاتھ یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں نہ ہوں۔۔یا۔۔ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا ہو، تو ان سب کو بھی کفارہ میں دینا جائز نہیں۔

اسی غلام کو کفارہ میں دیا جاسکتا ہے جس میں مملوکیت کامل ہو، ناقص نہ ہو، اسی لئے 'مدبر' اور 'ام ولد' کو کفارہ میں نہیں دیا جاسکتا، اسلئے کہ یہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہیں۔۔بنا بریں۔۔ان میں مملوکیت ناقص ہے۔اسی طرح وہ 'مکاتب' کہ جس نے کچھ حصہ رقم کا ادا کردیا اسے بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے، اسلئے کہ اسے عوض کے بدلے آزاد کیا جارہا ہے اور عوض کے بدلے آزادی ایک تجارت ہے اور کفارہ ایک عبادت ہے، اور عبادت میں تجارت کیسی؟ عبادت میں تو صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے، اور وہ اس میں مفقود ہے۔

۔۔الحاصل۔۔کفارہ ادا کرنے کیلئے ان تینوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ کفارہ دینے والے کی مرضی پر ہے، نہ تو اسپر یہ تینوں واجب ہیں اور نہ ہی بالکل ترک۔جب ان میں سے کسی ایک کو ادا کریگا، تو اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائیگا۔اب اگر کوئی ان مذکورہ بالا تینوں کی ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو، تو اسے اختیار ہے کہ ان میں کوئی ایک ادا کردے۔

(تو جس نے نہ پایا) ان تینوں کفارہ میں سے ایک بھی، یعنی وہ شخص ان تینوں مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا، (تو) اسکا کفارہ، (تین دن کا روزہ) ہے، جو تین دن مسلسل طور پر رکھے جائیں۔(یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا کر رہ جاؤ) اور پھر اسکو توڑ ڈالو۔۔۔

اے ایمان والو! اپنی فراست ایمانی سے کام لو (اور اپنی قسموں کا خیال رکھو) ہر ہر بات میں قسم نہ کھاؤ بلکہ جہاں تک ہوسکے اس سے بچتے رہو، بشرطیکہ اس میں تمہارا نقصان نہ ہو۔اگر نقصان ہوتا دیکھو۔۔یا۔۔قسم کھا کر پھر پچھتاتے ہو کہ قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی، تو اب 'حانث' ہو کر کفارہ ادا کردو، جیسے 'یمین منعقدہ' کا کفارہ ہوتا ہے۔

۔۔مثلاً: کسی نے ترک فرائض کی قسم کھائی۔۔یا۔۔کسی گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی، تو اس میں لازم ہے کہ ایسے امور کیلئے 'حانث' ہو کر کفارہ ادا کرے، یعنی گناہ نہ کرے اور کفارہ ادا کردے وغیرہ وغیرہ۔ذہن نشین رہے کہ بعض صورتیں ایسی ہیں ان میں 'حانث' ہونا ہی افضل ہے۔۔مثلاً: کسی مسلمان سے گفتگو ترک کرنے کی قسم کھائے، تو اسے چاہئے کہ اس سے گفتگو کر کے کفارہ ادا کردے۔ان کے علاوہ باقی صورتوں یعنی 'مباحات' میں قسم کھالے، تو 'حانث' نہ ہو اور اپنی قسم کو محفوظ رکھے۔

ایمان والو! رب کریم کی کرم فرمائی تو دیکھو کہ جس طرح اس نے قسم کا کفارہ عجیب و دل نشین انداز میں صاف صاف بیان فرمادیا (اسطرح) یعنی بالکل اسی طرح (بیان کرتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لئے اپنی آیتوں) یعنی اپنے دین کی نشانیوں اور اسکے احکام و مسائل (کو)، تا (کہ) اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کو آسان کرنے پر (کہیں تم شکر گزار ہو جاؤ) اور اسکی نعمت کا شکر کرو۔

اے ایمان والو! نبی کریم کی زبان مبارک سے قیامت کے دن کی سختیوں اور اس روز کی قہر سامانیوں کا حال سن کر اخروی عذاب و عتاب سے محفوظ رہنے کے خیال سے از خود اپنے اوپر غیر فطری پابندیاں نہ عائد کرلو، یہاں تک کہ اسکے لئے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے۔ غور کرو کہ اللہ تعالیٰ خود تم پر بے حد رحیم و کریم ہے، اسی لئے اخروی نجات اور دارین کی صلاح و فلاح کیلئے جن جن باتوں کی انجام دہی ضروری ہے۔۔یوں۔۔ ہر جن جن باتوں سے اپنے کو بچانا لازمی ہے اس رحیم و کریم نے خود ہی اپنے رسول کریم کے ذریعے ان تمام امور کو ظاہر فرمادیا ہے، بندوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنی مرضی سے جسکو چاہیں حرام گمان کر کے اس سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کرلیں، اور جسے چاہیں حلال سمجھ کر اسکو اپناتے رہیں۔

۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے حلال فرمودہ کو حرام سمجھنا۔۔یا۔۔ حرام کردہ کو حلال قرار دینا، بندوں کو ان باتوں کا اختیار نہیں۔ اللہ، قادر مطلق، مختارِ حقیقی، عالم الغیب والشہادہ، اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ بندوں کیلئے آسانی پسند فرماتا ہے، اسی لئے بہت سارے ایسے امور جن کو وہ حرام فرمانا چاہتا ہے یکبارگی حرام نہیں فرماتا، بلکہ بتدریج مرحلہ وار بندوں کی ذہن سازی فرماتے ہوئے ایسے وقت میں اسکی حرمت کا اعلان فرماتا ہے جو اس اعلان کا مناسب ترین وقت ہوتا ہے ایسا کہ اس پر عمل کرنا بندوں کیلئے دشوار نہیں رہ جاتا۔۔ چنانچہ۔۔ اعلان سنتے ہی بندے بلا کسی دشواری و دقت کے اس پر عمل کرنے کیلئے مستعد اور تیار ہو جاتے ہیں۔

شراب ہی کے تعلق سے جو احکام نازل فرمائے گئے ہیں، وہ بھی تدریجی اور مرحلہ وار ہی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ نے شراب کے بارے میں چار آیتیں نازل فرمائیں:

☆۔۔ پہلی تو مکہ معظمہ میں:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور میوہ سے کھجوروں کے اور انگوروں کے لیتے ہو تم اس سے نشہ کرنے والی چیزیں اور اچھا رزق۔

۔۔۔اور اس زمانے میں شراب حلال تھی۔

☆ ۔۔دوسری اس وقت جب حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے شراب اور جوا کے باب میں رسول مقبول ﷺ سے پوچھا، تو جواب نازل ہوا:

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ

اے محبوب! فرما دو کہ شراب و جوئے میں گناہ بڑا ہے اور کچھ منفعتیں ہیں لوگوں کے واسطے۔

۔۔۔یہ سن کر کچھ لوگوں نے بڑا گناہ ہونے کے خیال سے شراب خوری ترک کر دی اور بعضے منفعت کے لحاظ سے شراب پینے میں مشغول رہے۔

☆ ۔۔تیسری اس وقت جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے یہاں ضیافت ہوئی اور بعض مسلمانوں نے شراب پی کر مغرب کی نماز شروع کی، تو امام نے نشے کی حالت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھی اور تمام سورت میں لفظ لَا نہ پڑھا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

نہ قریب جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشے میں ہو۔

۔۔۔اکثر صحابہ بولے، کہ جس چیز کا پینا نماز اور ہمارے درمیان میں حائل ہو، اُسے پینا مناسب نہیں اور دفعۃً بالکل ترک کر دی۔

☆ ۔۔چوتھی اس زمانے میں جب عتبان بن مالک نے ضیافت کی اور بعضے مسلمانوں کو، کہ سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے مہمان بلایا، کھانے کے بعد شراب کا دور ہوا اور مستی کی حالت میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شعر جس میں انصار کی ہجو تھی پڑھا، اہل مجلس میں سے ایک نے حضرت سعد کو اونٹ کی ہڈی مار کر زخمی کر دیا۔ حضرت سعد کی اس بات کی شکایت رسول مقبول ﷺ کی مجلس عالی میں بیان کی، اس پر حضرت فاروق اعظم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا

'اے اللہ بیان فرما دے ہمارے واسطے شراب کے باب میں بیان شافی'

۔۔۔تو یہ آیت تحریم نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں،

عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

شیطان کے کام، تو ان سے بچو کہ فلاح پاؤ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے) یہی حقیقت ہے اور اسکے سوا نہیں، کہ (شراب) یعنی انگور کا وہ کچا شیرہ جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔۔نیز۔۔اسکے علاوہ ہر نشہ آور مشروب (اور جوا)، یعنی وہ سارے کھیل اور اعمال جن میں ہار جیت ہو (اور بت) جو عبادت کیلئے نصب کئے جاتے ہوں (اور پانسے) جسکے ذریعہ خیر و شر کیلئے قسمت آزمائی کی جاتی ہو۔۔الغرض۔۔یہ سب (ناپاک ہی ہیں)۔اور دراصل یہ سب کے سب (شیطان کے کام) ہیں۔

یعنی یہ جملہ امور ان گندگیوں میں سے ہیں شیطان جنہیں سنوار کر ظاہر کرتا ہے۔چونکہ شیطان انہی امور کا داعی، رغبت دہندہ، اور انکے ارتکاب کنندگان کے دلوں کے آگے مزین کر کے دکھانے والا ہے، تو بنیادی طور پر یہ اسی کا عمل قرار پایا۔۔۔

(تو ان سے بچو) یعنی ان پلید چیزوں سے لازمی طور پر پرہیز کرو اور اس رجس سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کر لو (تا) کہ اس پرہیز کے سبب دنیا و آخرت میں (فلاح پا) جا(ؤ)، اور جان لو کہ۔۔۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ کو، شراب پینے و

الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

جوا کھیلنے میں، اور روک دے تم کو ذکر الٰہی سے، اور نماز سے۔ تو اب کیا تم باز آئے؟●

(شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے) شراب و جوا کا مرتکب بنا کر (تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ کو شراب پینے و جوا کھیلنے میں)۔

شراب پینے سے عداوت یوں اٹھتی ہے کہ شرابی لوگ جب شراب پی کر مخمور ہوتے ہیں تو آپس میں خوب جھگڑتے اور پھر لڑ مرتے ہیں، جیسے ایک انصاری نے شراب کے نشے میں حضرت سعد بن وقاص کو اونٹ کی ہڈی ماری تو وہ زخمی ہو گئے تھے۔۔یونہی۔۔قمار بازی میں

عداوت یوں پیدا ہوتی ہے، کہ ایسے مال، اہل وعیال کی بھی شرط لگادیتے ہیں اور جب ان میں ایک کامیاب ہوگیا، تو دوسرا اسپر کڑھتا رہا اور اپنے حریف کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دشمن بن گیا۔

چونکہ شراب نوشی عرب کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔۔۔تو رب کریم نے کرم فرمایا اور یکبارگی شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں فرمادیا، بلکہ پہلے پہل مختلف انداز سے شراب نوشی کی قباحت وشناعت انکے دل ودماغ میں راسخ فرمادی۔۔۔کہیں شراب کا ذکر جوئے کے ساتھ ملا کر کیا۔۔۔کہیں اسے بت پرستی کے ساتھ بیان فرمایا۔۔۔کہیں اسے پلید قرار دیا ۔۔۔کہیں اسے شیطان کے کاموں سے قرار دیا۔۔۔کہیں اس سے کنارہ کشی کو بہتر فرمایا ۔۔۔کہیں مفاسد ومصائب سے چھٹکارے کو اس سے پرہیز پر موقوف ومتعلق رکھا۔۔۔ کہیں اسے دشمنی وخصومت کا سبب قرار دیا۔۔۔کہیں اسے یادِالٰہی سے باز رکھنے والی چیز بتایا۔۔۔کہیں اسے نماز سے مانع فرمایا۔

نبی کریم کی حکیمانہ دعوت اور آپ کی بابرکت صحبت کا اثر یہ ہوا کہ فاروقِ اعظم نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمادیا، کہ کاش کہ مولیٰ تعالیٰ اسکی حرمت کا حکم فرمادے، پھر کہیں جاکر رب کریم نے صاف صاف لفظوں میں شراب نوشی سے اجتناب کو فرض قرار دیکر اسکی حرمت کا اعلان فرمادیا۔ نبی کریم نے تو یہاں تک ارشاد فرمادیا کہ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ۔ ہمیشہ شراب پینے والا بت پرست کے مانند ہے۔

۔۔المختصر۔۔شراب وقمار کے استعمال سے دنیا کے بڑے بڑے فسادات برپا ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا ارشاد میں صرف شراب وقمار سے 'نہی' مقصود ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 'ازلام و انصاب'، جس سے اہل ایمان پہلے ہی سے دور تھے، کا ذکر صرف یہ ظاہر کرنے کیلئے کردیا گیا، کہ شراب وجوا بھی خرابیوں کے لحاظ سے 'ازلام وانصاب' سے کچھ کم نہیں۔ پس اے ایمان والو، جیسے تم 'ازلام وانصاب' کو برا سمجھتے ہو، ایسے ہی یہ شراب وقمار بھی ہیں۔ یہ شراب و قمار دینی امور میں بھی بہت خلل ڈالتے ہیں، اسلئے کہ شراب سے طرب ومستی پیدا ہوتی ہے اور لذت جسمانیہ اور شہوت نفسانیہ شراب سے نشو ونما پاتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ذکر، یہاں تک کہ افضل الذکر نماز سے روکتے ہیں۔

اسی طرح قمار بھی، کہ اسکا انہماک بھی عبادت سے غفلت کا سبب بنتا ہے، جبکہ اپنے حریف پر غلبہ پا جائے تو بھی اسے حرص ہوتی ہے کہ کام بن رہا ہے، اسے مکمل کرنا ضروری

ہے۔ اس طرح سے غفلت چھاجائیگی، تو عبادت و ذکر وفکر اور نماز چلی جائیگی۔ اور اگر مغلوب ہورہا ہے، تو بھی چاہے گا کہ نماز وعبادت وغیرہ جاتی ہے تو جانے دو، میں اپنے حریف سے بدلہ لونگا۔ اسطرح سے نماز اور ذکر الٰہی سے محروم ہوجائیگا۔

(اور) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ (روک دے تم کو ذکر الٰہی سے، اور) خصوصیت کے ساتھ سب سے زیادہ عظیم ذکر (نماز سے)۔ (تو) ایمان والو! ان بری باتوں کے عیبوں سے مطلع ہوچکنے، بلکہ اسکے مفاسد کو بچشم خود دیکھ لینے کے بعد، (اب کیا تم باز آئے)؟

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب شراب وقمار کے جملہ عیوب تم پر ظاہر ہوچکے، تو تم انکے قریب نہ ہوجاؤ اور انکو انجام دینے سے مکمل طور پر اپنے کو روک لو۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا

اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا، اور ڈرا کرو۔ تو اگر تم نے منھ پھیرا، تو جان رکھو

اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾

کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف تبلیغ ہے ●

(اور) شراب وقمار سے پرہیز کرنے میں اور اُن جملہ امور میں جن کے تم مامور ہو (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا، اور کہا مانو رسول کا، اور) خدا اور سول کے حکم کی مخالفت کرنے میں (ڈرا کرو)۔ یعنی ہر حال میں خدا ورسول کے احکام کی خلاف ورزی سے اپنے کو بچاتے رہو۔۔ الختصر۔۔ خدا ورسول کے 'اوامر ونواہی' کا ہر حال میں پاس ولحاظ رکھو۔۔۔

(تو) اچھی طرح سے سن لو کہ اب (اگر تم نے منھ پھیرا) اور خدا ورسول کی فرمانبرداری واطاعت سے اعراض کیا، (تو جان رکھو) اسکا ضرر تمہیں کو پہنچنے والا ہے، اس سے خود ہمارے رسول کا نقصان ہونے والا نہیں ہے۔ اسلئے کہ کسی حکم کو [illegible] کیوں (کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف تبلیغ ہے) اور وہ اُسے سرانجام دے چکے۔ اب وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہیں اور تمہارے اوپر حجت قائم ہوگئی اور تمہاری عذر داریاں بیکار ہوگئیں، اب تمہارے لئے عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔۔۔ اے محبوب! تم اپنے ان صحابہ کو باخبر فرمادو، جو اپنے ان ایمان والے بھائیوں کا حال جاننا چاہتے ہیں، جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہوگئے، کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا

نہیں ہے ان پر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کوئی گناہ، جو انھوں نے چکھ لیا تھا جب کہ وہ

اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا

ڈرے، اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر کانپے، اور خوب مان گئے، پھر تھرائے

وَّأَحْسَنُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

اور نیک کردار ہوگئے۔ اور اللہ محبوب رکھتا ہے مخلص نیکوکاروں کو●

(نہیں ہے ان پر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کوئی گناہ جو انھوں نے چکھ لیا تھا)۔یعنی اس چکھنے کی وجہ سے ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔۔۔**(جبکہ وہ ڈرے)** یعنی کفر و شرک سے پرہیز کرتے رہے **(اور ایمان لائے)** اور اسپر ثابت قدم رہے **(اور نیک کام کیے)**، اچھے اعمال انجام دیتے رہے **(پھر)** خوف خدا سے **(کانپے)** اور تمام محرمات شرعیہ سے خود کو بچاتے رہے، **(اور خوب)** **(مان گئے)** یعنی ان حرام کردہ امور کے حرام ہونے پر ایمان لائے **(پھر تھرائے)** شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے، اور ثابت رہے ہمیشہ اپنی پرہیزگاری پر **(اور نیک کردار ہوگئے)**۔ یہاں تک کہ دوسروں پر بھی احسان کرنے لگے۔۔۔ایسے صالحین و مخلصین سے کسی عمل کی تحریم سے پہلے اسکو انجام دے لینے پر کسی باز پرس کا سوال ہی کیا ہے؟ **(اور)** ایسے لوگ مذکورہ باز پرس سے محفوظ کیوں نہ رہیں، اسلئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(محبوب رکھتا ہے مخلص نیکوکاروں کو)**۔

۔۔الختصر۔۔شراب و قمار کی تحریم کی آیت نازل ہونے سے پہلے جن لوگوں نے شراب نوشی اور قمار بازی کی اور پھر وفات پا گئے، یہ لوگ بھی باز پرس نہ ہونے میں بالکل انھیں لوگوں کی طرح ہیں، جنہوں نے آیت تحریم نازل ہونے کے بعد ان سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کرلی۔

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے انکو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستثنیٰ فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کو 'محرم' یعنی احرام والوں پر حرام فرمایا، اور شکار کرنے پر اسکی تلافی اور تدارک کیلئے تاوان بیان فرمایا۔۔۔

یہ بھی [illegible] آزمائش فرماتا ہے تاکہ ان

بندوں کیلئے انکا مقام ومرتبہ خود انکا اپنا چشم دید ہو جائے اور دوسروں کو بھی انکے جذبات و احساسات کا علم ہو جائے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! ضرور جانچے گا تمہیں اللہ کچھ شکار سے، کہ پہنچ جائیں تمہارے ہاتھ

وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

اور نیزے ان تک، تاکہ معلوم کرا دے اللہ، کہ کون ڈرتا ہے اس کو بے دیکھے۔ تو جو حد سے آگے ہوا

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اس کے بعد، تو اس کے لئے عذاب ہے دکھ دینے والا●

(اے وہ جو ایمان لا چکے، ضرور جانچے گا تمہیں اللہ) تعالیٰ اور تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والوں کا معاملہ فرمائیگا اور وہ بھی اس وقت کہ تم حالت احرام میں ہو (کچھ شکار سے)۔اور وہ بھی ایسے (کہ) بآسانی (پہنچ جائیں تمہارے ہاتھ) جبکہ وہ شکار چھوٹے ہوں اور ہاتھ سے پکڑے جا سکتے ہوں (اور نیزے ان تک) جبکہ وہ شکار بڑے ہوں اور ہاتھ سے نہ پکڑے جا سکتے ہوں۔

اگرچہ یہ آزمائش اتنی سنگین نہیں جسے سن کر تم گھبرا جاؤ۔۔یا۔۔اسکی تعمیل میں کوئی تکلیف ہو، جیسے بنی اسرائیل کی قتل نفس اور اتلاف مال سے آزمائش ہوئی، وہ بڑی آزمائش تھی۔اور تمہاری آزمائش تو 'اہل ایلہ' کی آزمائش کی طرح ہلکی ہے، جنھیں سنیچر کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا۔۔۔اس میں اشارہ ہے کہ اگر تم اس چھوٹی سی آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتے، تو پھر تم اس سے سخت تر آزمائش میں کس طرح کامیاب ہو سکو گے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور صحابہء کرام کو لیکر مدینہ طیبہ سے چل پڑے، اس وقت صحابہ کی جماعت ایک ہزار پانچ سو پینتالیس ۱۵۴۵ افراد پر مشتمل تھی، جب مکہ شریف کے قریب ایک جگہ حدیبیہ میں اترے، تو انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار سے آزمایا، اسلئے کہ وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے۔وحشی جانوروں کی حالت یہ تھی، کہ وہ انکے سامان کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے۔ان جانوروں کا ان سے اس قدر مانوس ہو جانا اسلئے تھا کہ انہیں آزمایا جائے۔۔چنانچہ۔۔صحابہء کرام کیلئے انکا پکڑنا آسان ہو گیا۔اگر انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔۔یا۔۔نیزہ مار کر شکار کر لیتے، تو انکے

لئے مشکل نہ تھا۔۔چنانچہ۔۔بعض حضرات نے اسکا ارادہ بھی کرلیا، تو یہ آیت اتری۔

خیال رہے کہ اس مقام پر شکار سے جنگل کے شکار مراد ہیں، خواہ وہ ماکول ہوں۔۔یا۔۔ غیر ماکول۔اُنکے ماسوا جنھیں شرعاً مستثنیٰ کیا گیا ہو جیسے: (۱)۔سانپ، (۲)۔بچھو، (۳)۔کوا، (۴)۔بھیڑیا، (۵)۔چوہا۔حدیث شریف میں ان پانچوں کو، حل و حرم، ہر جگہ مارنے کی اجازت ہے۔۔۔مومنین کی مذکورہ بالا آزمائش کس لئے؟

۔۔۔(تاکہ معلوم کرادے اللہ) تعالیٰ اپنے سارے احباب کو (کہ کون ڈرتا ہے اس) کے عذاب آخرت (کو بے دیکھے) غائبانہ۔

ظاہر ہے کہ یہ اسکی قوت ایمان کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ وہ شکار کو آسانی سے پکڑ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے شکار نہیں کرتا۔بخلاف اسکے کہ اُسے خوف خداوندی نہیں ۔۔چنانچہ۔۔وہ شکار کو پکڑتا ہے یہ اسکے ضعف ایمانی کی دلیل ہے۔

(تو جو حد سے آگے ہوا اس) جانکاری (کے بعد)، کہ شکار کو آسانی اور سہل الحصول صرف اسکی آزمائش کیلئے کیا گیا ہے، ورنہ شکار عموماً ڈر سے بھاگ جاتے ہیں اور کسی کے قریب نہیں آتے۔۔۔ تو پھر جب یہی بھاگ جانے کی عادت رکھنے والے وحشی ساتھ ساتھ پھرنے لگیں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوئی حکمت ہے، اور وہ وہی کہ اس سے انکا امتحان لینا مطلوب ہے۔اسکے باوجود پھر بھی کوئی شکار کر لیتا ہے، تو سمجھو کہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔۔۔(تو اس) حد سے بڑھنے والے (کیلئے عذاب ہے دکھ دینے والا)، اسلئے کہ یہ شخص عمداً بغاوت کر رہا ہے۔اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی اور اُسے معمولی شئی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل گیا۔

یہاں عذاب سے مراد عذابِ آخرت ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکو دنیا میں بھی سزا دی جائیگی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا۔دنیا کی سزا میں اسکی پشت برہنہ کر کے اسپر کوڑے لگائے جائینگے۔۔تو۔۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ مارو شکار جب کہ تم احرام باندھے ہو۔ اور جس نے مارا اس کو

مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ

تم میں سے عمداً، تو اس کی پاداش جو مارا ہے، اسکے برابر کا چوپایہ ہے، فیصلہ کریں اس کا دو منصف تم میں سے،

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ

قربانی کعبہ کو پہنچنے والی، یا کفارہ ہے مسکینوں کی غذا، یا اس کے برابر روزے، تاکہ چکھے

وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ

اپنے کئے کا مزہ۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا جو پہلے ہو چکا۔ اور جس نے اب کیا، تو بدلہ لے گا اللہ

مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اس سے۔ اور اللہ غلبہ والا انتقام والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے، نہ مارو شکار) یعنی اس جانور کا شکار نہ کرو جو خلقی طور پر وحشی ہو، خواہ اسکا گوشت کھایا جاتا ہو۔۔یا۔۔نہ کھایا جاتا ہو، مذکورہ بالا ان جانوروں کے سوا جنکا استثناء کیا جاچکا ہے۔۔۔کب؟ (جبکہ تم احرام باندھے ہو) حج۔۔یا۔۔عمرہ کا۔ (اور) پوری توجہ کے ساتھ سن لو کہ (جس نے مارا اسکو تم میں سے عمداً)۔۔۔اصل حکم تو قتل عمد کیلئے ہے، لیکن اسی حکم میں قتل خطاء کو بھی زجراً اور توبیخاً شامل کردیا گیا ہے، تاکہ آئندہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہوجائے۔۔الحتصر۔۔عمداً قتل کرے۔۔یا۔۔خطاءً۔۔۔(تو اسکی پاداش) یعنی جزاء وفدیہ کی پہلی شکل (جو مارا ہے اسکے برابر کا چوپایہ ہے)۔۔۔خلقت وجثہ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ باعتبار قیمت کے۔۔۔

جس شکار کو قتل کیا گیا ہے اسکی قیمت کا اعتبار اُسی علاقے کے مطابق ہوگا جہاں وہ شکار قتل کیا گیا ہے کہ اس حیثیت کا جانور کتنے میں بیچتے اور خریدتے ہیں۔ اگر شکار کردہ مقتول جانور کی قیمت، مکمل قربانی کی قیمت کے برابر ہوجائے، تو اب شکار کے قتل کرنے والے کو اختیار ہے، چاہے تو قربانی کا جانور خرید کر کے اس جانور کو حرم میں ذبح کرے، چاہے تو اسکی گندم۔۔یا۔۔جو۔۔یا کھجوریں خرید کر کے ہر ایک مسکین کو فطرانہ کے مطابق نصف صاع ۔۔یا۔۔صاع کے برابر دیدے، اور اگر چاہے تو ہر مسکین کے طعام کے بجائے ایک ایک روزہ رکھے، لیکن جو طعام مسکین کے نصاب کو پورا نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑا ہے، تب بھی اسکے لئے کامل روزہ رکھنا ہوگا۔

یعنی مثال کے طور پر اگر قیمت میں اتنا گیہوں حاصل ہوا کہ پانچ مسکینوں کو تو بالکل فطرہ کے مقدار میں مل سکتا ہے، مگر ایک مسکین کو اس مقدار سے کم مل رہا ہو، ایسی صورت میں بطور کفارہ چھ مکمل روزے رکھنے ہونگے۔۔۔یہ خیال رہے کہ قربانی تو صرف حرم ہی میں

کرنی ہوگی۔رہ گیا صدقہ،تو وہ کہیں بھی دیا جاسکتا ہے۔۔یونہی۔۔روزہ بھی کسی بھی مقام پر رکھا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ (فیصلہ کریں اسکا) کہ جو شکار مارا گیا ہے چوپایوں میں کون اسکے مثل ہوسکتا ہے (دو منصف تم میں سے)۔یعنی تمہارے صاحب فہم وفراست،ارباب عدل وانصاف دینی بھائی ہوں۔۔چنانچہ۔۔یہ منصفین اس تعلق سے جو فیصلہ کردینگے تو تسلیم کیا جائیگا۔منصفین کے فیصلے کے بعد جو قیمت بنتی ہو اس سے قربانی کا جانور لے سکنے کی صورت میں شکار کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ اس سے جانور خرید کر اسے (قربانی) قرار دے جو (کعبہ) کے آس پاس حرم (کو پہنچنے والی) اور وہیں ذبح ہونے والی ہو۔(یا) اس شکار کرنے والے پر (کفارہ ہے) اس قتل کا (مسکینوں کی غذا،یا) اسکا کفارہ ہے (اس) کھانے (کے برابر) جو دینا ہے (روزے) رکھنا۔

مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق اسپر جزاء اسلئے ہے (تا کہ) قاتل (چکھے اپنے کئے کا مزہ) اور اسے وہ تکلیف وضرر پہنچے جو اپنے نفس کی شامت اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے فضل وکرم سے (اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا جو) 'نہی' کے نزول سے (پہلے ہو چکا)،خواہ زمانہء جاہلیت میں حالت احرام میں کسی نے شکار کرلیا ہو۔۔یا۔۔شکار حرام ہونے کے قبل کسی 'محرم' نے شکار کیا ہو (اور جس نے) حالت احرام میں شکار کی ممانعت آجانے کے بعد (اب) اس حالت میں شکار (کیا،تو بدلہ لے گا اللہ) تعالیٰ (اس سے) یعنی اُسے آخرت کے عذاب میں مبتلا فرمائیگا اور دنیا میں رسوا فرمادیگا۔

اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کیلئے بہت سخت وعید ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔بندہ کو چاہئے کہ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے،اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے،اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے،مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہوجائے۔

ایک قول کے مطابق اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا،تو اسکو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائیگا۔۔مگر بعض کے نزدیک اس فعل میں اعادہ سے کفارہ واجب ہے۔۔۔آیت کریمہ ایسوں کیلئے صرف انتقام خداوندی کے تعلق سے زیادہ صاف اور واضح ہے۔

۔۔الختصر۔۔ایسوں کو اچھی طرح سے جان لینا چاہئے (اور) یاد رکھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ اپنے حکم میں (غلبہ والا) ہے۔اسکے حکم اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔۔نیز۔۔وہ گناہ پر اصرار کرنے

والوں سے (انتقام) لینے (والا ہے)۔۔۔اور سن لو کہ۔۔۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال کر دیا گیا تم کو دریائی شکار اور اس کو غذا بنانا، تمہارے فائدہ کے لئے اور مسافروں کیلئے۔ اور حرام کیا گیا تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور ڈرو اللہ سے جس کی طرف حشر کئے جاؤ گے●

(حلال کر دیا گیا تم کو دریائی شکار) وہ دریا میں ہو۔۔یا۔۔نہر۔۔یا۔۔چشمہ۔۔یا۔۔کنویں میں ہو۔ ہر وہ شے جو صرف پانی ہی میں رہ سکتی ہو، وہ ماکول ہو۔۔یا۔۔غیر ماکول۔۔المختصر۔۔دریا کا شکار تمہارے لئے حلال ہے، خواہ تم حالت احرام میں ہو۔۔یا۔۔نہ ہو۔ (اور) ایسے ہی وہ چیزیں جنھیں دریا کی موجیں باہر پھینک دیں۔۔یا۔۔دریا کے خشک ہو جانے کے بعد جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وہ سب تمہارے لئے حلال ہیں۔۔چنانچہ۔۔دریا وغیرہ سے حاصل شدہ (اس) چیز (کو) اپنی (غذا بنانا) تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

جسکی قدرے تفصیل یہ ہے، کہ پانی کے جملہ حیوانات کی دو قسم ہیں، ا۔مچھلی، ۲۔اسکے ماسوا۔مچھلی مختلف اقسام کے باوجود حلال ہے، خواہ مری ہوئی ہو۔مگر۔۔یہ اس وقت جبکہ بلا سبب مری ہو۔اگر کسی سبب سے مرے، جیسے پتھر پر گر کر مرے۔۔یا۔۔پانی بند ہو جانے سے مر جائے وغیرہ، وغیرہ، تو ایسی صورت میں حرام ہے۔مچھلی کے علاوہ باقی چیزیں دو قسم کی ہیں۔ ا۔جو جنگل میں گزارتی ہیں جیسے مینڈک اور سرطان۔انکے جمیع اقسام حرام ہیں۔۲۔وہ جو صرف پانی میں گزارتی ہیں جنگل میں نہیں جاتیں، ان میں مچھلی کے سوا سب حرام ہیں۔

دریائی شکار کو حلال فرما دینا، رب کریم کا کرم ہے جو (تمہارے فائدے کیلئے) ہے (اور مسافروں) کی منفعت (کیلئے) ہے، تا کہ اسے شکار کر کے جہاں چاہیں لیجائیں۔اے حالت احرام میں رہنے والو! سنو (اور) یاد رکھو، کہ (حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار) یعنی ان پرندوں کا شکار جو انڈے دیتے ہیں، اگر چہ بعض اوقات وہ پانی میں بھی بسر کرتے ہیں، جیسے دریائی پرندے۔۔یونہی۔۔جنگل کا ہر شکار (جب تک کہ تم احرام میں ہو)۔

اور جب یہ خطاب احرام والوں سے ہو گیا، تو اس حکم سے 'غیر محرم' کا شکار وغیرہ خارج ہے۔اب اگر کوئی 'غیر محرم' شکار کرے، جسکا محرم نے اشارۃً اور کنایۃً بھی حکم نہ دیا ہو اور نہ

اسکی رہبری کی ہو، نہ ہی اسکی طرف اشارہ کیا ہو، ایسا شکار 'محرم' کو بھی کھانا حلال ہے۔۔

یونہی۔۔احرام باندھنے سے پہلے جس شکار کو ذبح کیا ہو، بعد احرام اُسے کھانا جائز ہے۔۔

المختصر۔۔حالت احرام میں شکار کرنے سے بچو۔

(اور ڈرو اللہ) تعالیٰ کے عذاب وعتاب (سے) اور اللہ تعالیٰ کے تمام منع کردہ حرام ومعاصی سے بچو، من جملہ انکے احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ وہ رب ذوالجلال (جسکی طرف حشر کیئے جاؤگے) یعنی جسکی طرف تم جمع کیئے جاؤگے، اسکے غیر کی طرف نہیں کہ جس سے تمہیں پناہ مل سکے۔ تمہارا مرجع اور منتہی اسی کی طرف ہے، کہ جہاں اسکا حکم ہوگا فرشتے تمہیں ہانک کر لیجائینگے۔ اگر بہشت کی طرف فرمان ہوگا، تو بہشت کی طرف، ورنہ جہنم کی طرف۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

بنادیا اللہ نے کعبہ حرمت والے گھر کو لوگوں کے قیام کا سبب، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور حرم جانے والی قربانی اور پٹے والے جانوروں کو، یہ اسلئے کہ تم لوگ باور کرلو، کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے،

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے●

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا، اب اس آیت میں بیان فرمارہا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کیلیئے باعثِ امن ہے، اسی طرح وہ انسانوں کیلیئے بھی باعث امن ہے، اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔ عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف ومظلوم کا حق، قوی اور ظالم سے دلا سکے اور جو کوئی کسی بدکار کو سزا اور نکوکار کو جزاء دے سکے، تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کی معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنادیا۔

چونکہ بیت اللہ کی تعظیم انکے دل ودماغ میں مستحکم ہوچکی تھی اور انکے رگ وپے میں سرایت کرچکی تھی۔۔ چنانچہ۔۔وہ اس شہر میں جنگ وجدال سے اجتناب کرتے تھے۔ سال کے چار حرمت والے مہینوں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں بھی لڑائی جھگڑے

سے پرہیز کرتے تھے اور زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مامون اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے، جن کو **الھدی** اور **القلآئد** کہا جاتا تھا، انکی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے۔

مناسک حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب وگیاہ اور بنجر زمین میں تمام دنیا کے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سامان، پھل اور غلہ پہنچتا ہے اور اس بیت کی وجہ سے ساکنانِ حرم کیلئے اسباب زیست فراہم ہوتے ہیں۔ دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں، دنیا کی زیب وزینت سے اجتناب کرتے ہیں۔ حرم میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ حج کا اجتماع دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں۔ انکے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر یہیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

۔۔المختصر۔۔ (بنادیا اللہ) تعالیٰ (نے) اس چوکور مخصوص بلند گھر، جسکو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا، یعنی (**کعبہ حرمت والے گھر کو لوگوں کے قیام کا سبب**)، جس چیز کے سبب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں۔

کعبہ کی زیارت کر کے اور اسکا طواف کر کے لوگ حج وعمرہ کی عبادات کو انجام دیتے ہیں، جس سے انکی آخرت درست ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سامان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین پر چلا آتا ہے، اس سے انکی دنیا درست ہوتی ہے۔

(اور) کیا (**حرمت والے مہینہ کو**) بھی لوگوں کے امور قائم رہنے کا سبب۔۔۔ یعنی اس مہینے فریضہء حج کی ادائیگی کریں۔۔یا۔۔ سب ماہِ حرام مراد ہیں، کہ لوگ اس میں لوٹ مار سے بے خوف رہتے ہیں۔۔۔ (**اور حرم جانے والی قربانی اور پٹے والے جانوروں کو**) بھی کاموں کے قیام کا سبب کیا ہے۔۔۔ یعنی انکے سبب سے چور وغیرہ کے تعرض سے لوگ محفوظ ومامون ہیں۔۔۔ اور (یہ) یعنی جو کیا گیا، وہ (اسلئے) ہے (**کہ تم باور کرلو کہ بیشک اللہ**) تعالیٰ (**جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے**) کہ مذکورہ بالا تمام امور مشروعہ دینی ودنیوی ضرروں کے دفیعہ اور انکے منافع

کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں، ان باتوں کو اللہ تعالیٰ ان امور مذکورہ کے وقوع سے پہلے ہی جانتا ہے ۔۔۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا شارع کتنی بڑی حکمتوں کا مالک ہے اور یہ اشیاء اسکے علم سے باہر نہیں ۔۔الغرض۔۔اسکا علم جمیع اشیاء کو محیط ہے۔یعنی صرف آسمان وزمین (اور) اس میں موجود اشیاء ہی نہیں، بلکہ کوئی معلوم ہو، یعنی جس میں کسی کے علم سے وابستہ ہونے کی صلاحیت ہو۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (سب کچھ جانتا ہے)۔۔تخصیص کے بعد، تعمیم محض تاکید کیلئے ہے۔۔۔ اس مقام پر اچھی طرح سے۔۔۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یقین مانو کہ بے شک اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے، اور بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(یقین مانو، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ 'محارمِ ربانیہ' کی ہتک اور پھر اسپر اصرار کرنے والے کو (عذاب دینے میں بڑا سخت ہے) اسکے برعکس جو محارم کی محافظت کرتا ہے۔۔یا۔۔اسکے محارم کی ہتک کرکے پھر تائب ہو جاتا ہے، تو وہ مغفرت ورحمت کے سائے میں آجاتا ہے (اور بیشک) اسکے لئے (اللہ) تعالیٰ (غفور رحیم ہے) اور یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمانہ ہے۔اچھی طرح سے جان لو کہ۔۔۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

رسول پر صرف تبلیغ ہے۔اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاؤ●

(رسول پر صرف تبلیغ ہے) کہ وہ بتادیں، کہ ان امور کو بجالانے میں ثواب ہے اور ان امور کے ارتکاب پر عذاب۔ان پر جو واجب تھا، انہوں نے پہنچادیا۔وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اب تمہارے اوپر حجت قائم ہوگئی کہ اگر کوئی سرمو انحراف کریگا، سزا پائیگا۔اور پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ (اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاؤ)۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ظاہر اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔یعنی جو قول وفعل ظاہر کرو اسے بھی جانتا ہے اور جو چھپا کر کرتے ہو، اسکو بھی جانتا ہے، جس پر تمہارا مواخذہ ہوگا، خواہ وہ تمہارا عمل تھوڑا اور نہایت قلیل ہی کیوں نہ ہو۔یہ تو ظاہر ہے کہ تمہارے اقوال و افعال میں بعض طیب ہیں اور بعض خبیث۔۔یونہی۔۔تمہارے افراد اور اموال وغیرہ میں بھی بعض طیب ہیں اور بعض خبیث، تو کہیں قول طیب کو قول خبیث کی طرح، فعل طیب کو

فعل خبیث کی طرح، مال طیب کو مالِ خبیث کی طرح اور فرد طیب کو فرد خبیث کی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔۔اسلئے۔۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

کہہ دو کہ برابر نہیں ہے گندہ اور پاکیزہ، گو تمہیں اچھی لگے گندے کا دَل۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

تو اللہ سے ڈرو اے عقل مندو، کہ فلاح تو پاؤ●

اے محبوب! واضح لفظوں میں (کہہ دو کہ برابر نہیں ہے گندہ اور پاکیزہ، گو تمہیں اچھی لگے گندے کا دَل) خبیث خبیث ہی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ اور طیب طیب ہی ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔۔ الختصر۔۔ گندگی کی کمیت وکیفیت کچھ بھی ہو، وہ گندگی ہی ہے۔۔ یوں۔۔ پاکیزگی کی مقدار اور اسکی شکل و ہیئت کیسی بھی ہو وہ پاکیزگی ہی ہے۔طیب وخبیث کے پہچاننے کی آسان شکل یہ ہے۔

﴿۱﴾۔۔شریعت جسے مامور فرمائے وہ طیب، اور جسکو حرام قرار دے وہ خبیث۔

﴿۲﴾۔۔ہر مومن طیب۔۔۔ ہر کافر خبیث۔

﴿۳﴾۔۔ہر متقی طیب۔۔۔ ہر فاسق خبیث۔

﴿۴﴾۔۔ہر رزقِ حلال طیب۔۔۔ ہر رزق حرام خبیث۔

﴿۵﴾۔۔جملہ صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ طیب، اسکے مقابلے میں جملہ اعمال رذیلہ اور افعال قبیحہ خبیث، وغیرہ وغیرہ۔۔الختصر۔۔اچھائی اور برائی معتبر ہے، کمی اور زیادتی نہیں۔

(تو) حرام چیزوں کو حلال کر لینے میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو اے عقل مندو)! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خبیث وطیب سمجھ لینے کی عقل عطا فرمائی ہے، تو اس عقل سے کام لو۔نہ خود خبیث بنو اور نہ ہی کسی خبیث کو اپنے قریب آنے دو، تم خود بھی طیب بنے رہو اور اپنے اعمال واقوال واحوال کو بھی طیب بنا کے رکھو، تا (کہ) دنیا میں تکلیف ہی سہی، آخرت کی (فلاح تو پاؤ) اور وہاں کی رسوائی سے اپنے کو بچالو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ پوچھا کرو ایسی چیزیں، کہ اگر صاف بتادی جائیں تم سے، تو بُرا لگے تم کو، اور اگر پوچھ پڑے تم

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

ایسی بات جس وقت قرآن اتارا جارہا ہے، تو صاف ظاہر کردیا جائیگا۔ اللہ اس سے معافی دے اور اللہ غفور حلیم ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) غیر ضروری سوالات کرنا بھی کوئی اچھی چیز نہیں، تو اللہ تعالیٰ کے رسول سے غیر ضروری سوالات کرنے سے اپنے کو بچاؤ اور اس واقعہ کو یاد کرو، کہ جب فریضۂ حج کے تعلق سے آیت نازل ہوئی، تو رسولِ کریم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا، اسپر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی، تو ارشاد فرمایا کہ جو میں نہ بیان کروں اسکے درپے نہ ہو۔۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا، تو ہر سال حج فرض ہوجاتا اور تم نہ کرسکتے۔ مجھے اس وقت تک کچھ نہ کہا کرو، جب تک میں تمہیں خود نہ کہوں۔ پہلے لوگ بھی اسلئے ہلاک ہوئے، کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوال کی کثرت اور ہر بات میں خواہ مخواہ کا اختلاف رکھتے۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو اسپر فوراً عمل کرو جس قدر تم میں استطاعت ہے، اور جن باتوں سے میں تمہیں روکوں اُن سے رک جاؤ۔

تو اے ایمان والو! **(نہ پوچھا کرو ایسی چیزیں، کہ اگر)** جواباً **(صاف بتادی جائیں تم سے، تو برا لگے تم کو)**، جن پر عمل کرنا تمہارے لئے گراں بار ہو **(اور)** یاد رکھو کہ جن چیزوں کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا انکے تعلق سے **(اگر پوچھ پڑے تم)** مشقت و دشواری میں مبتلا کردینے والی **(ایسی بات)** کے تعلق سے حکم خداوندی، اور وہ بھی کس وقت؟ **(جس وقت قرآن اتارا جارہا ہے)** اور نزول قرآن کا سلسلہ جاری ہے، **(تو)** تمہارے پوچھنے کی وجہ سے صاف **(صاف ظاہر کردیا جائیگا)** اور اسکے تعلق سے جو حکم خداوندی ہے، اسکا تمہیں مکلف بنادیا جائیگا۔ اب خواہ اسپر عملدرآمد تمہارے لئے کتنا ہی گراں بار کیوں نہ ہو۔

غور کرو جس نے حج کے متعلق سوال کیا تھا، اس پر ہر سال اگر حج فرض ہوجاتا، تو وہ خود اپنے سوال سے کس قدر شرمسار ہوتا۔ اپنے فضل وکرم سے **(اللہ)** تعالیٰ **(اس سے معافی دے)** اور سوال کرنے والے سے کوئی مواخذہ نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اُسے معاف کر بھی دیا اور اسپر ہر سال حج فرض نہیں کیا، ورنہ اسے ہر سال اپنے سوال کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ دنیوی معافی کے علاوہ آخرت کی سزا بھی اُسے معاف فرمادی، ورنہ اسکے عبث

سوالات کا تقاضا یہ تھا، کہ کم سے کم اُسے آخرت میں تو سزا ملتی، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی معاف ہوئی۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے۔ یعنی بخشنے والا اور معاف فرمادینے والا ہے۔۔نیز۔۔وہ (حلیم ہے) تحمل والا ہے، عقوبت اور عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ ایمان والو! غیر ضروری اور عبث سوالات صرف تم میں سے بعض افراد نے نہیں کئے۔۔بلکہ۔۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ایسے ہی سوالات کئے تھے تم سے پہلے لوگوں نے، پھر وہی اس کے منکر ہو گئے ●

(ایسے ہی) عبث اور لایعنی (سوالات کئے تھے تم سے پہلے لوگوں نے)۔ گو انھوں نے بعینہٖ یہی سوال نہیں کیا تھا، بلکہ اسکی مانند تھا جس سے وہ مستحق سزا ہوئے، اسلئے کہ انھیں ایسے سوالات سے ممانعت بھی تھی (پھر وہی اسکے منکر ہوگئے)۔

پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکے سوالات کو پورا کردیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرمادیئے، تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہوگئے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا۔ اور جب وہ اونٹنی آگئی، تو انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ دیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا، کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے۔ اور جب ان پر دسترخوان نازل کردیا گیا، تو وہ کفر میں مبتلا ہوگئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انکے نبی کی وساطت اور انکی زبان سے تنبیہ کی، کہ وہ سوالات کرنے کے معاملے میں پہلی امتوں کے راستے پر نہ چل پڑیں۔ اسلئے فرمایا کہ تم فرمائشی معجزات کا سوال نہ کرو، نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو، اور جو چیز تم پر فرض۔۔یا۔۔حرام نہیں کی گئی، اسکا سوال نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکا بیان کیا جائے، تو تم کو ناگوار ہو۔۔یا۔۔تم کسی دشواری میں پڑجاؤ۔ ایسے ہی نبی کریم کا امتحان لینے۔۔یا۔۔آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے اپنے کو بچاؤ۔۔ہاں۔۔اثناءِ وحی میں جو حکم مجمل ہو اسکی وضاحت کیلئے سوال کرنا، جو چیز سمجھ میں نہ آئے اسکو پوچھنا، کسی [illegible] جائز ہیں۔ اور اب بہرحال حصول علم کیلئے شرعی سوالات کرنا بالکل جائز ہے۔ اب یہ خوف نہیں، کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہوجائیگی۔

حلال وحرام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے اور نبی کریم کے پردہ فرمانے کے بعد، سلسلۂ وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں۔۔یا۔۔کسی نئے حادثہ میں۔۔یا۔۔کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں، کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کیلئے علماء سے سوال کرتا ہے، تو اسکا یہ سوال کرنا جائز ہے۔۔۔حکم قرآنی ہے:

فَسْـَٔلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔۔'اگر تم کو علم نہیں تو علم والوں سے سوال کرو'

۔۔یونہی۔۔فرمانِ نبوی ہے: فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالِ ۔۔'جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے'۔

۔۔۔اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کیلئے سوال کرے، تا کہ اسکا جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے۔۔یا۔۔جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کیلئے سوال کرے۔۔یا۔۔جو شخص عناداً سوال کرے سو ایسے سوال ناجائز ہیں، خواہ کم ہوں۔۔یا۔۔زیادہ۔ البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کیلئے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں وہ جائز ہیں۔ اسی طرح کسی دلیل پر نقض وارد کرنا اور 'مسلمات بین الفریقین' سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیلئے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں کثرتِ سوال سے منع فرمایا تھا، کہ مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کر دی جائے، اور اب اگلی آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ مشرکوں نے ازخود بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے حرام نہیں کیا، وہ بدستور حلال ہیں۔ سو جس چیز کو اللہ اور اسکے رسول نے نہ حرام کیا ہو، اسکو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔ اور ذہن نشین کر لو کہ۔۔۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ نے نہیں ٹھہرایا کان چرے ہوئے جانور اور نہ سانڈ کو، اور نہ وصیلہ بکری کو، اور نہ حامی اونٹ کو، لیکن جنھوں نے

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

کفر کیا وہ بہتان رکھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا۔ اور ان کی اکثریت بے عقل ہے●

(اللہ) تعالیٰ (نے نہیں ٹھہرایا) اور مشروع نہیں فرمایا، اور نہ ہی اسکی اجازت دی، اور نہ یہ طریقہ بتایا کہ (کان چرے ہوئے جانور)۔۔مثلاً: وہ اونٹنی جو پانچ بچے جن چکی ہوتی اور اسکا آخری

بچہ نر ہوتا، تو اہل جاہلیت اسکے کان کو چیر کر چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر سوار ہوتے، نہ اسکا دودھ دوہتے، نہ اسے پانی سے روکتے اور نہ ہی چراگاہ سے۔ اسکو **بَحِیْرَۃ** کہتے (اور نہ سانڈ کو) جسکے تعلق سے اہل جاہلیت منت مانتے، کہ اگر میں سفر سے بسلامت لوٹا۔۔یا۔۔اپنی بیماری سے چھٹکارا پا کر تندرست ہوگیا، تو یہ میری اونٹنی **سَآئِبَۃ** ہوگی، یعنی بتوں کیلئے مفت چھوڑ دی جائیگی، اور **بَحِیْرَۃ** کی طرح اس سے بھی کسی طرح کا فائدہ حاصل کرنا حرام ہوگا۔

(اور نہ وصیلہ بکری کو)، جسکے تعلق سے زمانۂ جاہلیت کی رسم تھی، کہ اگر بکری سات بار جنتی اور ساتویں بار مادہ جنتی، تو اس سے خود نفع اٹھاتے اور اگر نر جنتی، تو وہ بتوں کیلئے ہوتا۔ اور اگر نر و مادہ ہر دونوں کو بیک وقت جنتی تو کہتے 'وَصَلَتْ اَخَاهَا' مادہ اپنے بھائی سے مل گئی۔ اسی وجہ سے اس نر کو بھی اس مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ دیتے اور ذبح نہیں کرتے، اور اس مادہ کو **وَصِیْلَۃ** کہتے۔ (اور نہ حامی اونٹ کو)، جسکے تعلق سے زمانۂ جاہلیت کی عادت تھی جب اونٹ، اونٹنی کو دس بار گابھن کر دیتا، تو کہتے:

قَدْ حَمِیَ ظَهْرَهٗ۔۔۔'اسکی پیٹھ محفوظ ہوگئی'

۔۔۔پھر اسپر سواری نہ کرتے اور نہ اسپر بوجھ لادتے اور نہ ہی اُسے پانی اور چارے سے روکتے اور اس اونٹ کو **حَام** کہتے۔

۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا تمام جانور دین الٰہی میں حلال تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں حرام نہیں قرار دیا۔ (لیکن جنہوں نے کفر کیا) اور عمرو بن الحی خزاعی کی پیروی کی، جو ان تمام باتوں کا سب سے بڑا مفتری تھا، اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بگاڑا اور اُسی نے ہی بہت بت گڑھے اور اوثان کھڑے کئے۔ اسی نے ہی **بَحِیْرَۃ**، **سَآئِبَۃ**، **وَصِیْلَۃ** اور **حَام** کے رسوم جاری کئے، تو وہ اور اسکے سارے پیروکار (وہ) ہیں جو (بہتان رکھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا)۔ اپنی خودساختہ روش کو خدائی دین باور کرانا، یہ خدا کی ذات پر ایک کھلا ہوا افتراء ہے، جسکا سچ سے کوئی تعلق نہیں۔

سن لو (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر اکسانے والے (ان) ذلیل ترین لوگوں (کی اکثریت بے عقل ہے)۔۔چنانچہ۔۔وہ نہیں سمجھتے کہ واقعی یہ فعل افتراء اور باطل ہے، اسی لئے وہ انکی مخالفت نہیں کرسکتے کہ اس باطل کو چھوڑ کر اپنے کو حق کی طرف لاسکیں، بلکہ مرتے دم تک وہ اس تقلید بد کی قید میں پھنسے رہتے ہیں۔ انکی بے عقلی کا عالم یہ ہے کہ ازروئے ہدایت۔۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

اور جب انھیں کہا گیا کہ آجاؤ اسکی طرف جو نازل فرمایا اللہ نے اور رسول کی طرف، تو جواب دیا، کہ "ہمیں کافی ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا" کیا گو ان کے باپ دادے نہ کچھ جانتے ہوں نہ راہ پائی ہو؟ ●

(اور) رہبری، (جب انھیں)، یعنی انکے اکثر کو (کہا گیا کہ) اے سرگشتہ لوگو! (آجاؤ اسکی طرف) حرام وحلال کے تعلق سے (جو نازل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) کتاب مبین میں، (اور) آجاؤ اسکے (رسول کی طرف) جس پر یہ احکام نازل ہوئے، تاکہ تمہیں حقیقتِ حال معلوم ہو اور حلال وحرام کی تمیز کرسکو، (تو جواب دیا کہ ہمیں کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو انکے باپ دادے نہ کچھ جانتے ہوں، نہ راہ پائی ہو)۔ یعنی وہ سب کے سب جہالت کے شکار اور راہِ صواب سے دور ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقتداء اسکی ہونی چاہئے جس کے متعلق معلوم ہو، کہ وہ اہل علم ہے اور ہدایت پر ہے اور یہ حجت اور دلیل کے بغیر معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

صراط مستقیم ودین حق، بلفظ دیگر اللہ تعالیٰ ورسول کی اطاعت کی طرف دعوت دینے کے باوجود کافروں کا اس دعوت کو قبول نہ کرنا اور ایمان نہ لانا، اسکا مسلمانوں کو بڑا صدمہ تھا جو حسرت کرتے تھے کافروں پر اور انکے ایمان کی تمنا رکھتے تھے۔ ایسوں کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا گیا۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے وہ جو ایمان لائے! اپنا اپنا خیال رکھو۔ نہ بگاڑے گا تمہارا وہ، جو گمراہ ہوگیا جب کہ تم نے ہدایت پالی۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اللہ کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں بتادے گا جو کرتے تھے ●

(اے وہ جو ایمان لائے اپنا اپنا خیال رکھو)۔ تم پر اولاً اپنی اور ثانیاً اپنوں کی اصلاح لازم ہے ۔۔ الختصر۔۔ اپنے اور اپنوں کی ہدایت کرتے رہو اور گمراہی سے بچانے کی کوشش کرتے رہو۔ دوسروں کی ہدایت کی نیک خواہش بری چیز نہیں، مگر اگر وہ ہدایت پر نہیں آتا، تو اس کیلئے بہت زیادہ فکرمند اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ (نہ بگاڑیگا تمہارا وہ، جو گمراہ ہوگیا)۔ یعنی اسکی گمراہی تمہارے لئے نقصان

دہ نہیں (جبکہ تم نے ہدایت پالی)۔اور ہدایت پالینے میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بری بات سے آدمی دوسرے کوحتی المقدور منع کرے،اور یہ نہ کہے کہ دوسرے کی گمراہی سے میرا کچھ نقصان نہیں۔

۔۔الغرض۔۔ہدایت پر رہنے والے کیلئے یہ بھی لازم ہے، کہ وہ دوسرے کی گمراہی سے راضی نہ ہو، تو اے ایمان والو! تم اپنی اصلاح کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔اسکے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں، تو تم فکر نہ کرو۔جب تم ہدایت پر ہو، نیکی کررہے ہو اور نیکی کا حکم دے رہے ہو، تو کسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

اس مقام پر وہ لوگ بھی سن لیں جو خداوندی عنایات بے پایاں سے راہِ حق پر ہیں اور وہ بھی سن لیں، جو مکر وفریب کی راہ پر قہر وعصیان کے سلاسل سے پابجولاں ہوکر گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں بتادیگا جو کرتے تھے) یعنی تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دیگا۔۔بایں طور۔۔اعمال کے ثواب کی لذتیں تمہیں چکھائے گا اور برے اعمال والوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کریگا۔

اے ایمان والو! اس مقام پر یہ ذہن نشین کرلو کہ دنیا میں بھی اگر رب کریم کسی حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے اور سچائی کو ظاہر فرمادینا چاہتا ہے، تو اسکے اسباب فراہم فرمادیتا ہے، تاکہ کبھی جھوٹ کی حوصلہ افزائی نہ ہوسکے اور جھوٹے کے ہاتھ رسوائی کے سوا کچھ نہ لگ سکے۔اس تعلق سے ایک واقعہ ذہن میں رکھتے ہوئے اسکے تعلق سے قرآنی ارشادات وہدایات کو غور سے سنو۔۔۔

عاص بن وائل سہمی کے قبیلے میں ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا۔تمیم اور عدی یہ دونوں نصرانی تھے۔اور سہمی مسلمان تھا، جو حضرت عمرو ابن العاص کا غلام تھا، اسکا نام بدیل تھا۔جب یہ سب ملک شام میں پہنچے، تو بدیل بیمار ہوگیا۔اس نے جو کچھ نقد وجنس اسکے پاس تھا، ایک کاغذ پر لکھ کر اسباب میں پوشیدہ رکھ دیا۔جب اسکا مرض بڑھا اور موت کے آثار اسپر ظاہر ہوگئے، تو اس نے تمیم اور عدی کو وصیت کی، کہ اسکا ترکہ اسکے وارثوں تک پہنچادیں۔

ان دونوں نے اسکے مرنے کے بعد اسکے مال واسباب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔اس میں ایک چاندی کا برتن تھا جس پر سونے کے نقش ونگار تھے اور جسکا وزن وہاں کے تول سے تین

سومثقال چاندی کا تھا، تو مذکورہ دونوں افراد نے اس چاندی کے برتن کو اسکے مال میں سے نکال لیا اور باقی مال مدینے میں لائے اور اسکے وارثوں کے سپرد کر دیا۔

وارثوں نے اس اسباب میں بُدیل کی لکھی ہوئی فہرست پائی، اسباب کو اُس سے مطابق کیا، تو چاندی کا وہ ایک برتن کم تھا۔ جب برتن اس اسباب میں نہیں پایا، تو تمیم اور عدی کے پاس آئے، تو ان دونوں نے انکار کیا، تو انکا مقدمہ بارگاہِ نبوی میں پیش کیا گیا، تو اس آیت کا نزول ہوا۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ

اے وہ جو ایمان لاچکے! تمہاری آپس کی پوری گواہی، جب آگئی تم میں سے کسی کی موت، وصیت کے وقت، دو

ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ

معتبر ہیں۔ تمہارے یا دوسروں سے دو ہیں۔ اگر تم نے سفر کر رکھا ہے،

فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ

پھر پہنچی تمہیں موت کی مصیبت، کہ روکو دونوں کو نماز کے بعد، تو قسم کھائیں

بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ

اللہ کی۔ اگر تم کو شبہ ہوا، کہ ہم نہ لیں گے حلف کے بدلے کوئی دام، گو قرابت مند ہو۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾

اور نہ ہم چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو، کہ بیشک ہم ایسا کریں تو گناہ گاروں سے ہوں●

(اے وہ جو ایمان لاچکے! تمہاری آپس کی پوری گواہی، جب آگئی تم میں سے کسی کی موت وصیت کے وقت) یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو، تو تمہاری شہادت کا نصاب **(دو معتبر ہیں تمہارے)** صاحب عدل و انصاف، تمہارے قرابت داروں میں سے ۔۔یا۔۔ مسلمانوں میں سے گواہ ہوں **(یا دوسروں سے دو ہیں، اگر تم نے سفر کر رکھا ہے، پھر)** اس حالت سفر میں **(پہنچی تمہیں موت کی مصیبت)**۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سفر میں تمہیں معلوم ہو، کہ تمہاری موت قریب ہے، تو اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ کرلو مسلمانوں میں ۔۔یا۔۔ انکے سوا ذمیوں میں سے، اگر تم سفر میں

ہواور گواہ کی ضرورت ہو۔اب یہ حکم منسوخ ہے اور مسلمانوں کے حق میں ذمی کی گواہی بالاجماع مسموع نہیں ہے۔جب ذمیوں کی گواہی شرعاًلی جاسکتی تھی اس دور کے مسلمانوں کیلئے تھا اور انکو یہ ہدایت تھی کہ مسلمانو! گواہی کے تعلق سے انکو طلب کرو۔

تا(کہ روکو دونوں کو) یعنی ان دونوں کو روک رکھو جو تمہارے غیر ہیں (نماز) عصر (کے بعد، تو قسم کھائیں اللہ) تعالیٰ (کی، اگر تم کو شبہ ہوا)۔

نماز عصر کے بعد ہی قسم کیوں لی جائے؟ اسلئے کہ تمام ادیان میں اس وقت کو عظیم گردانا جاتا ہے اور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جارہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اعمال لکھنے کیلئے آرہے ہوتے ہیں، اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے اور اس وقت جو عمل کیا جائے، انکو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں۔اس وقت بندوں کے اعمال قبول کئے جانے کیلئے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں، اسلئے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے۔خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

اگر چہ قسم دلانے کیلئے ہر ہر جگہ کے عرف ورواج میں بعض مقامات اور بعض اوقات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، لیکن بنیادی طور پر قسم دلانے کیلئے کسی خاص مقام اور کسی خاص وقت کی ضرورت نہیں۔یہی بات زیادہ معقول اور ہر دور کیلئے قابل عمل ہے اور اگر قسم کھانے والا سچا پکا مسلمان ہے، تو اس کا ایمان ہی اسکو جھوٹی قسم کھانے نہیں دیگا۔

قسم کھانے والا ان لفظوں میں قسم کھائے (کہ ہم نہ لینگے حلف کے بدلے کوئی دام، گو قرابت مند ہو) یعنی قریبی رشتہ دار ہو، ہم ان کی رعایت نہ کرینگے (اور نہ ہم چھپائینگے اللہ) تعالیٰ (کی گواہی کو) جسکے حفظ و تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے، کیوں (کہ بیشک) اگر (ہم ایسا کریں) گے (تو گناہ گاروں سے ہوں) گے اور ہمارا شمار سخت گنہگاروں میں ہوگا۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ

پھر اگر پتا لگ گیا کہ دونوں نے جرم کا ارتکاب کیا، تو دو دوسرے ان کی جگہ کھڑے ہوں، ان میں سے

اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا

جن پر پہلے والے حق دار بنے تھے، تو یہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی، کہ ہماری گواہی زیادہ درست ہے ان دونوں کی گواہی سے،

وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے زیادتی نہیں کی۔ بے شک ایسا کریں تو ظالموں سے ہوں●

(پھر اگر پتا لگ گیا کہ دونوں نے جرم کا ارتکاب کیا) اور وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، (تو دو دوسرے) بحیثیت گواہ (انکی جگہ کھڑے ہوں ان میں سے، جن پر پہلے والے حقدار بنے تھے)، یعنی جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے انکی طرف سے دو گواہ انکی جگہ کھڑے کئے جائیں (تو یہ دونوں قسم کھائیں اللہ) تعالیٰ (کی، کہ ہماری گواہی زیادہ درست ہے ان دونوں کی گواہی سے، اور ہم نے زیادتی نہیں کی)، (بیشک) اگر ہم (ایسا کریں) گے (تو ظالموں سے ہوں) گے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان وصیوں کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا اور نہ ہمارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔ آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد ممبر کے قریب تمیم اور عدی سے قسم لی اور انھوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم نے بدیل کا مال لینے کا ارادہ نہیں کیا اور ہم یہ قسم سچ کھاتے ہیں، پس حضرت کے حکم کے موافق انھیں چھوڑ دیا گیا۔ پھر وہ برتن جو گم ہوا تھا وہ انھیں کے پاس ملا، پھر تو ان میں اور بدیل کے وارثوں میں حد سے زیادہ جھگڑا پڑا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے یہ برتن بدیل سے مول لیا تھا چونکہ ہمارے پاس وجہ ثبوت نہ تھی، اس واسطے ہم نے اقرار نہ کیا اور انکار کیا تھا۔ بارگاہِ رسالت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا، تو آپ کے حکم سے عمرو بن عاص بن مطلب بن وداعہ کھڑے ہوئے اور نماز عصر کے بعد انھوں نے خدا کی قسم کھائی کہ برتن بدیل کا حق تھا اور ان دونوں نے خیانت کی ہے۔ اسکے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم سے وہ برتن بدیل کے وارثوں کو دے دیا گیا۔

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ

یہ طریقہ قریب تر ہے کہ گواہی دیا کریں واقعہ کے مطابق، یا ڈرتے رہیں کہ مردود کردی جاتی ہیں کچھ قسمیں

اَيۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

انکی کچھ قسموں کے بعد۔ اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان قوم کو●

(یہ طریقہ قریب تر ہے کہ گواہی دیا کریں) وصی (واقعہ کے مطابق، یا ڈرتے رہیں کہ مردود کردی جاتی ہیں کچھ قسمیں ان کی کچھ قسموں کے بعد) یعنی یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ وصی اسطرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے۔۔یا۔۔وہ اس بات سے ڈریں کہ ورثاء کی قسموں کے بعد انکی قسمیں مسترد کردی جائینگی۔تو گواہی دینے والو! سمجھ سے کام لو (اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اللہ تعالیٰ سے جھوٹی قسم کھانے میں، (اور سنو) اللہ تعالیٰ کے احکام کو اور انھیں قبول کرو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا)، یعنی ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا (نافرمان قوم کو)، یعنی ان فاسقوں کو جو خیانت کرنے والے اور جھوٹے گواہ ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے، تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور۔۔یا۔۔احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔اس آنے والی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے، تو اب اسکے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اسکے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور اپنے کسی فائدہ کی بنا پر ردوبدل نہ کرے اور نہ ہی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے، اسلئے اُس آیت کے بعد اِس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے اور اس میں خیانت نہ کرے۔۔تو۔۔یاد رکھو! کہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔۔۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو، پھر کہے گا کہ کیا جواب دیئے گئے تم، سب کا جواب ہے کہ ہمارا علم کوئی چیز نہیں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

بیشک تو ہی علام الغیوب ہے●

(جس دن جمع کریگا اللہ) تعالیٰ اپنے (رسولوں کو) اور انھیں کے تابع ہونے کی حیثیت سے

نکے امتیوں کو، (پھر کہے گا) اپنے رسولوں سے، (کہ کیا جواب دیئے گئے تم)؟ یعنی جب تم نے توحید کی دعوت دی، تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ اقرار و تصدیق کی۔۔یا۔۔انکار و تکذیب۔

اس سوال ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ سارے انبیاء کو انکے امتیوں کے جوابات کا علم ہے۔ اسلئے کہ اس علم کے بعد، کہ میرے سوال کا جواب مخاطب کے پاس نہیں ہے، سوال کرنا ایک جہالت ہے، جو ذات باری تعالیٰ سے ناممکن ہے۔ تو یہ سوال مبنی بر حکمت ہے، خواہ یہ منکروں کو ذلیل و رسوا کرنے کے واسطے ہو۔۔یا۔۔اسواسطے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے مسلمانوں کے اسلام پر گواہی دیں۔ تو جب یہ سوال مبنی بر حکمت ہوا۔۔۔

تو اسکے تعلق سے (سب)، یعنی سارے انبیاء کرام (کا) جو (جواب ہے کہ ہمارا علم کوئی چیز نہیں ہے، بیشک تو ہی علام الغیوب ہے)، تو یہ جواب بھی مبنی بر حکمت ہے۔

اسلئے کہ انبیاء کرام نے جان لیا تھا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی نقصان دور ہوگا، اور ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکے سامنے سکوت کیا جائے اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے 'جو حی و قیوم' اور 'لا یموت' ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان فرمائی تھی، کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کریگا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اب اگلی آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرما رہا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائیگا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائیگا اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور انکی فرمائشیں پوری کیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس کا شریک بنالیا۔

دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا اور انکی شان میں نازیبا باتیں کہی تھیں، یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور انکی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں، تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے، اس میں یہودیوں اور

عیسائیوں کیلئے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں۔۔الختصر۔۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ

جب کہ کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم، یاد کرو میری نعمت کو اپنے اوپر، اور اپنی ماں کے اوپر۔۔۔

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

جبکہ تیرے ہاتھوں کو مضبوط کیا روح القدس سے۔۔کہ باتیں کرو لوگوں سے ماں کی گود میں، اور بڑھاپے میں بھی، اور جبکہ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

سکھا دیا میں نے تم کو کتاب اور حکمت اور توریت وانجیل۔ اور جبکہ بنا دیتے تم مٹی سے، جیسے چڑیا کی مورت میرے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ

حکم سے، پھر پھونکتے اس میں، تو وہ چڑیا ہو جاتی میرے حکم سے، اور تندرست کر دیتے تم پیدائشی اندھے کو اور سفید داغ والے کو، میرے حکم سے،

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور جب زندہ نکال دیتے تم مُردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ روک ڈال دی میں نے بنی اسرائیل کیلئے تم سے، جب کہ لائے تم انکے

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

پاس معجزے، تو بولے وہ جو کافر تھے ان میں، کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے●

اے محبوب! اپنی قوتِ علم وادراک سے اُس آنے والے وقت کو یاد کرو حضرت عیسیٰ کو مخاطب بنا کر (جبکہ کہے گا اللہ) تعالیٰ (اے عیسیٰ ابن مریم یاد کرو میری نعمت کو اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر) اور ظاہر ہے کہ ماں اور بیٹے کا جو تعلق ہے اسکے پیش نظر جو بیٹے کیلئے بلا واسطہ نعمت ہے وہ اسکی ماں کیلئے بالواسطہ نعمت ہے، اے عیسیٰ ابن مریم خاص کر کے اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی نعمت کو تو یاد کرو (جبکہ تیرے ہاتھوں کو مضبوط کیا) اور تجھے تقویت مرحمت فرمائی (روح القدس) حضرت جبرائیل (سے) جو ہر وقت تیری تائید پر مامور تھے۔ اور یہی نہیں بلکہ تمہیں یہ معجزانہ شان بھی عطا فرمائی (کہ باتیں کرو لوگوں سے ماں کی گود میں) اور وہ ایسی عاقلانہ اور حکیمانہ باتیں جو کسی نبی ہی کی شایانِ شان ہے۔ (اور) پھر ویسا ہی کلام (بڑھاپے میں بھی) کرو۔

۔۔الختصر۔۔فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے آپ کے بچپنے اور بڑھاپے کے کلام میں کوئی

فرق نہیں۔ آپ کے بڑھاپے میں کلام کرنے میں معجزانہ شان اسلئے ہے کہ آپ کا بڑھاپا لوگوں پر عام طور سے عادتاً طاری ہونے والے بڑھاپے کی طرح نہیں، بلکہ آپ جوانی ہی میں آسمان پر اٹھالئے گئے اور پھر ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود، جب زمین پر اتارے جائینگے، تو آپکی عمر وہی ہوگی جس عمر میں آپ اٹھائے گئے تھے۔ یعنی آپ کڑیل جوان اور سن رسیدگی کی جملہ علامات سے پاک ہونگے۔۔ پھر۔۔ یہاں پر رائج فطری دستور کے مطابق وہ بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ تو یہ بڑھاپا وہ ہے، جوایک نوجوان انسان پر ہزاروں سال کے بعد طاری ہوا، تو یہ بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہی ہے۔

اس میں یہ واضح اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آج بھی باحیات ہیں۔ نہ انھیں شہید کیا گیا اور نہ ہی انھیں سولی دی گئی۔۔ چنانچہ۔۔ قرب قیامت تک وہی حیات ان سے وابستہ رہے گی اور ان پر وفات طاری نہیں کی جائے گی۔ جب اسی حیات کے ساتھ وہ زمین پر تشریف لے آئینگے اور زمین پر اپنی طبعی عمر شریف گزار لینگے، تو پھر ان پر وفات طاری کی جائیگی اور پھر گنبد خضریٰ میں انکی آخری آرام گاہ ہوگی۔۔ تو۔۔

اے عیسیٰ ابن مریم! مذکورہ بالا نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان نعمتوں کو بھی یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو **(جبکہ سکھادیا میں نے تم کو کتاب)** یعنی خط و کتابت **(اور حکمت)**، یعنی چیزوں کی سمجھ **(اور توریت و انجیل)** کے معانی اور حقائق۔ **(اور جبکہ)** میری عطا فرمودہ قدرت و اختیار سے **(بنادیتے تم مٹی سے جیسے چڑیا کی مورت میرے حکم سے، پھر پھونکتے اس میں، تو وہ چڑیا ہوجاتی میرے حکم سے)**۔ اس سلسلے میں گو اسباب کو استعمال کرنا تمہارا فعل تھا، لیکن اسکا پرندہ بنکر اڑ جانا، یہ سب میری ہی قدرت سے ہوا۔

اسکی وجہ یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے از راہِ بغاوت وتعنت سوال کیا کہ ایک چمگادڑ بناکر اس میں روح پھونک دیجئے، تاکہ معلوم کریں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سوال پر گارا اٹھایا اور اسے چمگادڑ کی طرح بناکر اس میں روح پھونکی، تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان اڑنے لگا۔

غالباً بنی اسرائیل نے آپ سے چمگادڑ اور پھر اس میں روح پھونکنے کا اسلئے سوال کیا تھا کہ چمگادڑ ایک عجیب الخلقت پرندہ ہے۔۔ مثلاً: وہ از سرتاپا، صرف گوشت یا خون ہے، اس میں ہڈیاں نہیں۔ اُڑتا ہے تو پروں کے بغیر۔ حیوانوں کی طرح بچے جنتا ہے، پرندوں کی طرح

انڈے نہیں دیتا۔ اُسکی مادہ کا پستان ہوتا ہے، جس سے دودھ نکلتا ہے۔ نہ وہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں۔ صرف دو وقت دیکھتا ہے: ﴿۱﴾۔۔غروب آفتاب کے بعد ایک گھنٹہ۔ ﴿۲﴾۔۔طلوع فجر کے بعد صبح کی سفیدی تیز ہونے تک۔ وہ انسان کی طرح ہنستا ہے اور اسے عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چمگادڑ اڑتا ہوا دیکھا، تو ہنسنے لگے اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔

مذکورہ بالا اس اعجاز (اور) قدرت کے مظاہرہ کے ساتھ (**تندرست کردیتے**) تھے (**تم پیدائشی اندھے کو اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے**)۔ اس دور کے اطباء ان بیماریوں کے علاج سے عاجز تھے۔ (**اور جب زندہ نکال دیتے تم مردوں کو**) ان کی قبروں سے (**میرے حکم سے**) میری عطا کردہ قدرت سے۔

۔۔چنانچہ۔۔آپ نے سام بن نوح اور انکے سوا دو مرد ایک خاتون اور ایک لونڈی کو انکی قبروں سے باہر نکالنے کا اعجاز دکھایا۔

(**اور جبکہ روک ڈالدی میں نے بنی اسرائیل کیلئے تم سے**) جبکہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے تھے اور تمہیں مار ڈالنے کا ارادہ رکھتے تھے، تو ان کے ارادے اور تمہاری ذات کے درمیان میرا ارادہ حائل ہو گیا اور وہ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے اور نہ ہی قتل کر سکے۔ بنی اسرائیل میں تمہیں نقصان پہنچانے کی سوچ اس وقت پیدا ہوئی تھی (**جبکہ لائے تم ان کے پاس معجزے**) جن کے بعض کا ذکر اوپر ہوا، (**تو بولے وہ جو کافر تھے ان**) بنی اسرائیلیوں (**میں، کہ یہ بس کھلا ہوا جادو ہے**) یعنی یہ ایسا جادو ہے جسکا جادو ہونا ہم سب پر ظاہر ہو گیا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ

اور جبکہ میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے، کہ مجھ کو مانو اور میرے رسول کو،

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سب بولے کہ ہم نے مانا، اور تو گواہ رہ، کہ ہم بیشک مسلمان ہیں ●

(**اور جبکہ میں نے دل میں ڈالدیا حواریوں کے**) یعنی حضرت عیسیٰ کے روشن جبیں اور پاکیزہ قلب ونظر رکھنے والے خاص مصاحبین کے اپنے پیغمبر کی زبانی، (**کہ مجھ کو مانو اور میرے رسول**) عیسیٰ

(کو)۔(سب بولے کہ ہم نے مانا) اور دل سے تصدیق کی، (اور تو گواہ رہ کہ ہم بیشک مسلمان ہیں) اور تیرے ہر ہر حکم کو ماننے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا

جبکہ حواریوں نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تمہارا پروردگار یہ کرسکتا ہے کہ اتار دے ہم پر

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ایک خوان آسمان سے؟ جواب دیا کہ اللہ سے ڈرو، اگر اس کو مانتے ہو●

اے محبوب! اس مقام پر اپنے علم وادراک میں اس واقعہ کو حاضر کرلو اور یاد کرو (جبکہ حواریوں نے کہا تھا) اور نیک نیتی سے سوال کیا تھا (کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تمہارا پروردگار) تمہاری دعا کو قبول فرما کر (یہ کرسکتا ہے کہ اتار دے ہم پر ایک خوان آسمان سے)۔۔۔یعنی کیا آپ اتنے مستجاب الدعوات ہیں، کہ آپکا رب آپ کی ہر ہر بات قبول فرمالے اور آپ اس سے جو طلب فرمائیں وہ عطا فرمادے؟۔۔۔(جواب دیا کہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو، اگر اس کو مانتے ہو)۔۔۔یعنی جب تم اس پر ایمان لاچکے ہو، تو سمجھ لو کہ ایمان کا لازمی ثمرہ تقویٰ ہے اور تقویٰ کا یہ تقاضا ہے کہ تم ایسے سوال نہ کرو جس سے یہ پتا چلے، کہ تمہیں اللہ کی قدرت اور اسکے رسول کی محبوبیت پر ویسا یقین نہیں ہے، جیسا یقین کمالِ ایمان رکھنے والوں کو ہونا چاہیئے۔

اسکے جواب میں انہوں نے واضح کردیا کہ انھیں اس سوال پر کس بات نے اُکسایا۔۔ چنانچہ۔۔انہوں نے کہا کہ ہم نے اسلیئے سوال نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر شک وشبہ ہے۔۔یا۔۔ہم آپ کی نبوت سے بدگمان ہیں، بلکہ ہم اس آسمانی خوان کے جو خواہشمند ہیں، تو اسکی وجہ اس خوان سے صرف تبرک حاصل کرنا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ وہ مائدہ نصیب ہو، جس سے ہمارے بیمار شفایاب ہوجائیں اور ہمارے تندرستوں کو قوت حاصل ہوجائے اور ہمارے فقراء کو استغناء نصیب ہو۔۔الختصر۔۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

سب نے کہا "کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوجائیں اور یقین کرلیں کہ آپ نے ہم کو سچ بتایا،

وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (۱۱۳)

اور ہم اُس پر گواہ ہو جائیں"●

(سب نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں) ہمارا علم الیقین، عین الیقین میں تبدیل ہو جائے۔ (اور) ہم (یقین کرلیں کہ آپ نے ہم کو سچ بتایا) کہ آپ اپنی نبوت میں سچے ہیں اور یقین کریں کہ ہمارا رب ہماری بات مانتا ہے۔ اگرچہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کی بات مانتا ہے، تو ہم چاہتے یہ ہیں (اور) ہماری یہ خواہش ہے، کہ (ہم اس پر) چشم دید (گواہ ہو جائیں) تاکہ ان لوگوں کو بتاسکیں جو اس وقت موجود نہیں، تاکہ ہماری گواہی سے دوسرے اہل ایمان کے دل مضبوط ہو جائیں اور ہماری طرح وہ بھی یقین کرلیں، پھر کفار بھی ایمان لائیں۔ اور ظاہر ہے دیکھنے سے جو یقین حاصل ہوتا ہے، وہ صرف سننے سے کہاں حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ 'شنیدہ کے بود مانند دیدہ' جب دیکھ لیا کہ انکی نیت صحیح ہے اور یہ اعتراض اور استہزاء کے طور پر ایسا نہیں کہہ رہے ہیں۔۔تو۔۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ

کہا عیسیٰ ابن مریم نے، "اے معبود ہمارے پروردگار، اُتار دے ہم پر خوان آسمان سے، کہ ہمارے لئے عید ہو جائے،

لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۱۱۴)

ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کیلئے، اور ایک نشانی تیری طرف سے۔ اور ہمیں روزی دے اور تو سب سے بڑھ کر روزی دینے والا ہے"●

(کہا عیسیٰ ابن مریم نے) اور دعا فرمائی کہ (اے معبود ہمارے پروردگار، اتار دے ہم پر خوان آسمان سے، کہ ہمارے لئے عید ہو جائے، ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کیلئے) یعنی اس خوانِ نعمت کے نزول کا دن ہمارے متقدمین ومتاخرین کیلئے خوشیوں کا دن قرار پائے جس میں ہم اس نعمت خداداد کا شکر ادا کرتے رہیں اور اپنے اوپر اس فضل ربانی کے نزول کی خوشیاں مناتے رہیں اور یہ دن ہمارے لئے عید کا دن ہو، جو بار بار خوشیاں لاتا رہے (اور) اسکے سوا یہ تیری قدرت کے کمال اور میری نبوت کی (ایک) عظیم (نشانی) اور وہ بھی (تیری طرف سے) ہو۔

۔۔الختصر۔۔ ہم پر کرم فرما (اور) اپنے اس خوانِ نعمت کے ذریعے (ہمیں روزی دے) یا

اسکے شکر کی توفیق نصیب فرما۔۔۔یا۔۔تیری بارگاہ میں ہماری یہ عرض (اور) التجاء اسلئے ہے، کہ یہ حقیقت ہے (تو سب سے بڑھ کر روزی دینے والا ہے) یعنی تو دیگر تمام دینے والوں سے افضل و برتر ہے، کیونکہ ہرایک کا رزق پیدا کرتا ہے اور ہرایک کو بلاعوض عطا فرماتا ہے۔اس گزارش پر۔۔۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

فرمایااللہ نے، کہ "بیشک میں اتارتا ہوں اسے تم لوگوں پر، تو جس نے کفر کیا تم میں سے اس کے بعد، تو بلاشبہ اس کو

عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

وہ عذاب دوں گا کہ جہاں میں کسی کو وہ عذاب نہ دوں گا" ●

(فرمایااللہ) تعالیٰ (نے، کہ بیشک میں اتارتا ہوں اسے تم لوگوں پر)۔۔۔یعنی تمہارے سوال پر تمہارے لئے مائدہ نازل فرماتا ہوں۔۔۔اور کیا شان تھی اس خوانِ نعمت کی کہ جس فقیر نے کھایا، تو زندگی بھر دولت مند رہا، جس مریض نے کھایا تازیست تندرست رہا (تو) اچھی طرح سن لو کہ (جس نے کفر کیا) اور ناشکری کی (تم میں سے اسکے بعد، تو بلاشبہ اسکو) اسکے کفر کی وجہ سے (وہ عذاب دونگا) اسکے عہد کے لوگوں میں سے کسی اور کو، بل (کہ) سارے (جہاں میں کسی کو وہ عذاب نہ دونگا)۔

اور ہوا بھی ایسا ہی کہ بنی اسرائیلوں کے منکرین وناشکرے خنزیر بنادیئے گئے اور اس جیسا عذاب تمام جہانوں میں بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو نہ ہوا۔اور یہ اس عذاب کے مستحق اسلئے ہوئے، کہ انکو حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے نہ چھپائیں، نہ خیانت کریں اور نہ ذخیرہ کریں، لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی، چھپایا بھی، اور ذخیرہ بھی کیا۔اور پھر بعض لوگوں نے نبی کے معجزے پر شک کیا اور اسے جادو قرار دیا، تو ایسے ناشکرے کفر کرنے والے تقریباً تین سو تیس آدمی مسخ ہوگئے خنزیر کی صورت میں، اور تین دن کے بعد وہ سب کے سب مر گئے۔ان سے توالد وتناسل کا سلسلہ نہ چلا۔کیونکہ مسخ شدہ سے توالد وتناسل کا سلسلہ قادرِ مطلق نے کبھی نہیں چلایا۔۔۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ

اور جب کہے گا اللہ، "اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو کہ بنالو مجھ کو اور میری ماں کو معبود

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ

اللہ کو چھوڑ کر؟" کہیں گے "سبحان اللہ! مجھے حق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھ کو حق نہیں ۔۔۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

اگر میں نے کہا ہوتا، تو بیشک اس کو تو جانتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

بیشک تو ہی علام الغیوب ہے●

(اور) اے محبوب! لوگوں کو حضرت عیسیٰ کا وہ وقت یاد دلا دو (جب کہے گا) ان سے (اللہ) تعالیٰ قیامت کے دن، تا کہ ان کی امت کو زجر و توبیخ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو، کہ ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا جرم تھا (اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو، کہ بنا لو مجھ کو اور میری ماں کو معبود اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)؟

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں معبود ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے، کہ اسکے سوا کسی کو بھی معبود نہ مانا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور جب کسی نے اسکے سوا کسی کو بھی معبود مان لیا، تو اس نے حقیقی طور پر خدا کو معبود مانا ہی نہیں۔ اور یہی ہے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنالینا۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، اگر چہ بظاہر عیسائی حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے تھے، مگر حضرت عیسیٰ کو خدا کہہ کر انھوں نے حضرت مریم کو بھی خدا قرار دے دیا، اسلئے کہ بیٹا ماں ہی کا جزء اور اسی کی جنس سے ہوتا ہے، تو جب صراحتاً بیٹے کو خدا قرار دیدیا تو التزاماً ماں کو بھی خدا مان لیا۔۔ نیز۔۔ یہ بھی خیال رہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو کافروں سے کلام فرمائیگا اور نہ ہی انھیں نظر رحمت سے دیکھے گا۔ تو اگر چہ یہ کلام کافروں کو لرزہ براندام کردینے اور ان کی زجر و توبیخ کیلئے ہوگا، مگر خطاب کا رخ پیغمبر کی طرف ہوگا اور پھر پیغمبر کا جواب ان کافروں کو اور بھی ذلیل و رسوا کردینے کیلئے ہوگا۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اس سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ (کہیں گے سبحان اللہ)! یعنی اے اللہ تعالیٰ میں تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور میں اس سے کوسوں دور ہوں کہ ایسا کہوں۔ (مجھے حق نہیں کہ وہ بات کہوں جسکا مجھ کو حق نہیں) میں صرف حق بولتا ہوں جو ایک نبی کی شان ہے۔ تو جو بات حق نہیں

اُسے میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟۔۔الحتصر۔۔راہ حق سے انحراف مجھ سے کیسے ہوسکتا ہے؟اس سلسلے میں مجھے کسی عذر کی ضرورت اور نہ ہی اپنی صداقت کو ظاہر کرنے کی حاجت ہے، اسلئے کہ (اگر میں نے کہا ہوتا،تو بیشک اس کو تو جانتا) کیونکہ (تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے)۔۔۔یعنی تیری مخفی معلومات میں ہے۔

۔۔الحتصر۔۔تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا۔۔یا۔۔تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے۔۔یا۔۔تجھے میرے اقوال وافعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال وافعال کا علم نہیں۔(بیشک تو ہی علام الغیوب ہے) تیری معلومات تک کسی کے علم کی رسائی نہیں۔

اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوپر دلالۃً جس بات کو فرما چکے ہیں، اب صراحتاً اسکا ذکر فرما رہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں، کہ۔۔۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ

میں نے نہیں کہا انھیں مگر جس کا حکم دیا تو نے، کہ پوجو اللہ کو، میرا پروردگار اور تم لوگوں کا پالنہار، اور میں انھیں

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ

دیکھتا رہا، جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے پوری کردی ان میں میری مدت قیام کو، تو تو ہی نگہبان رہا۔

عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾

اور تو ہر ایک کا نگہبان ہے●

(میں نے نہیں کہا انھیں مگر جسکا حکم دیا تو نے، کہ پوجو) صرف (اللہ) تعالیٰ (کو) جو (میرا پروردگار اور تم لوگوں کا پالنہار) ہے۔۔الحتصر۔۔میں انھیں توحید کا درس دیتا رہا اور شرک سے باز رہنے کی ہدایت کرتا رہا (اور میں انھیں دیکھتا رہا) اور انکی نگرانی کرتا رہا (جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے پوری کردی ان میں میری مدت قیام کو، تو تو ہی نگہبان رہا اور تو ہر ایک کا نگہبان ہے) یعنی انکے اعمال کی نگہبانی اور محافظت صرف تیرے سپرد ہوئی۔ جسکے لئے تو چاہتا اسے اپنی نافرمانی سے بچالیتا اور اسے ان دلائل کی رہبری فرماتا جن سے اُسے تیری نافرمانی سے بچاؤ نصیب ہوجاتا۔ رہ گیا وہ جو اپنی بدقسمتی سے گمراہ رہ گیا اور غلط باتیں کیں، اس میں اسکی شومئی قسمت کا دخل رہا۔۔الغرض۔۔ہدایت

پانے والوں سے ہدایت کے اسباب قریب ہو گئے اور گمراہی اپنانے والوں سے گمراہی کے اسباب متعلق ہو گئے۔۔ الختصر۔۔ مومنین اور کافرین میں وہ بٹ گئے۔تو اب۔۔۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾

اگر عذاب دے ان میں سے جسکو، تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر ان میں کسی کو تو بخش دے، تو بیشک تو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے"●

(اگر عذاب دے) تو (ان) کافرین (میں سے جس) جس (کو، تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں) تجھ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں، اسلیئے کہ تو ہی مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح کا چاہے تصرف کرے۔۔۔ کفر پر مرنے والے عذاب کے مستحق کو عذاب ملنا ہی چاہیئے، یہی عدل خداوندی کا تقاضا ہے۔۔۔ (اور اگر) جو مومنین ہیں (ان میں سے کسی کو تو بخش دے) صرف اپنے فضل وکرم سے، نہ کہ اسلیئے کہ وہ اس کے حقدار ہیں، (تو بیشک تو ہی غلبہ والا) ہے، یعنی ثواب وعقاب کی قدرت رکھنے والا ہے۔ نہ تیرے جیسا کوئی ثواب دینے والا ہے اور نہ ہی عذاب دینے والا ہے اور (حکمت والا ہے) تیرا ثواب وعذاب دونوں ہی مبنی برحکمت ہیں۔

جب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا معروضہ پیش کرینگے، تو اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد میں مذکور الصّٰدِقِيۡنَ کے لفظ میں انکو شامل فرما کر انکی صداقت کی گواہی دیگا۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ

فرمائے گا اللہ، "یہ دن ہے کہ فائدہ دے سچوں کو ان کی سچائی"۔ انکے لئے جنتیں ہیں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ

نیچے نہریں۔ ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

ذٰ لِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾

یہ بڑی کامیابی ہے●

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾

اللہ ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی، اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(فرمائیگا اللہ) تعالیٰ، کہ (یہ) قیامت کا دن وہ (دن ہے، کہ فائدہ دے) گی (سچوں کو انکی

سچائی)۔ انھیں سچوں میں حضرت عیسیٰ بھی ہیں، تو (انکے لئے) اور انکے علاوہ سارے سچوں کیلئے بفضلہٖ تعالیٰ (جنتیں ہیں، کہ بہتی ہیں جنکے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) جس میں وہ (ہمیشہ ہمیش رہنے والے) ہیں۔ اور سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ (اس میں اللہ) تعالیٰ (ان) کے اعمال (سے راضی) ہوگا (اور وہ اللہ) تعالیٰ کی عطا فرمودہ اکرامات (سے راضی) ہونگے۔

۔۔الختصر۔۔ رضوان الٰہی کی صورت میں جنتوں پر ایک مزید فیض و فضل نصیب ہوگا۔ جسکے بعد کسی فیض و فضل کی ضرورت نہ ہوگی، اسی لئے فرمایا کہ۔۔

(یہ) سب سے (بڑی کامیابی ہے)۔۔۔ یعنی نجات اور حقیقی فوز بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کرلے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی کیونکہ اسکے سوا مومن کا اور کوئی مطلوب و مقصود نہیں۔

اب سورۂ مبارکہ کے آخر میں نصرانیوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی جارہی ہے، کہ تم لوگوں نے حضرت عیسیٰ و حضرت مریم کے تعلق سے جو عقیدہ گھڑا ہے، وہ بالکل باطل ہے، کیونکہ معبود برحق تو۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (ہی) ہے، جس (کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے)۔ انکے اندر جتنے عقلاء اور غیر عقلاء ہیں سب اسی کی ملک ہیں، وہی انکا حقیقی مالک ہے، کہ جس طرح کا ان میں تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ انھیں پیدا کرے، مٹائے، فنا کردے، زندہ رکھے، انھیں مارے ۔۔یا۔۔ روکے۔ ان میں سے کسی کو بھی کسی قسم کا دخل نہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ عظیم و جلیل ہے (اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہا کیا، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے گا کریگا۔ تو عبادت کی مستحق، اسکی ذات کے سوا کوئی نہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ مائدہ کی تفسیر

آج ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۶، اگست ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ آگے کے کام کو آسان فرمائے

اور پورے قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ وَاٰلِہٖ ﷺ

سورۃ الانعام کی تفسیر کا آغاز
۱۶ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸ اگست ۲۰۰۹ء
بروز شنبہ کیا گیا۔مولیٰ تعالیٰ اسکی تکمیل کی
توفیق عطا فرمائے۔﴿آمین﴾
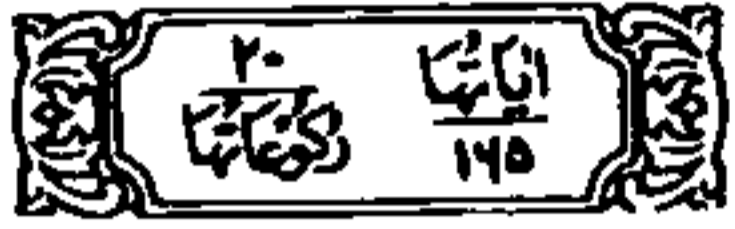
سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ
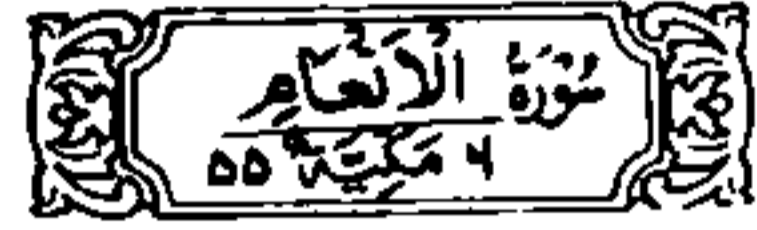
باختلاف اقوال ایک ۔۔یا۔۔ دو ۔۔یا۔۔ تین ۔۔یا۔۔ چھ ۔۔یا۔۔ نو آیات کے سوا، جو مدنی آیات ہیں، باقی پوری سورۂ مبارکہ مکی ہے۔ جن کے قول کی بنیاد پر ۹ آیات مدنی ہیں وہ ان آیات کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ آیات ۲۰۔۲۳۔۹۱۔۹۳۔۱۱۴۔۱۴۱۔۱۵۱۔۱۵۲۔ ۱۵۳۔۔ رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوادیا۔ یہ سورۂ مبارکہ یکبارگی رات کے وقت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اسکے نزول کے وقت ستر۷۰ ہزار فرشتے تسبیح وتحمید وتمجید پڑھتے ہوئے نازل ہوئے۔ حضور ﷺ نے اُسی رات اُسے لکھ لینے کا حکم فرمایا۔ اس سورہ کو سورۂ انعام اسلئے کہتے ہیں کہ اس سورت میں اُن مشرکین کا رد کیا گیا ہے، جنھوں نے از خود چند مویشیوں کو حلال کرلیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کرلیا تھا۔ اس سورت کی بڑی فضیلت ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضور علیہ السلام سے مرفوعاً مروی ہے جو شخص سورۂ ھذا کی اوّل سے تین آیات **تَكْسِبُوْنَ** تک ہر صبح کو پڑھ لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکی حفاظت کیلئے ستر۷۰ ہزار فرشتے بھیجتا ہے اور قیامت تک انکی تعداد کے مطابق اس کے اعمالنامے میں اجر وثواب لکھ لیا جاتا ہے اور خصوصی طور پر ایک فرشتہ ساتویں آسمان سے نازل ہوتا ہے، اسکے ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے، جب کوئی شیطان اس شخص کے قریب آتا ہے، تو وہ اسے مار بھگاتا ہے پھر اسکے اور شیطان کے درمیان ستر۷۰ ہزار پردے لٹکا دیتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیگا، اے ابن آدم آج میرے سایۂ رحمت میں چلتا رہ اور بہشت سے جو مرضی آئے پھل کھا اور حوضِ کوثر سے پانی پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر، کہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، آج تیرے لئے نہ حساب نہ عذاب۔

اس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ احادیث میں بیان کردہ ثواب کی امید پر

سورۂ انعام کی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں، لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ صرف انھیں تین آیتوں کا پڑھ لینا ہی نجات کیلئے کافی ہے، نہ فرائض وواجبات وموکدات اور سنن ومستحبات پر عمل کی ضرورت ہے اور نہ ہی محرمات ومکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے۔

۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا فضائل بنیادی طور پر انہیں کیلئے ہیں، جو اصل ڈیوٹی ادا کرنے میں کوتاہی نہیں برتتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے اور نکتہ نواز ہے، وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلادینے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ سورۂ انعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے، تو یہ اسکے فضل وکرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے؟ تو ایسی بابرکت نامور سورۂ شریفہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو بہت (بڑا مہربان) ہے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۬

ساری خوبیاں اللہ کیلئے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں اور روشنی کو۔۔

ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

پھر جنھوں نے کفر کیا، اپنے پروردگار کا برابر قرار دیتے ہیں●

بیشک وہ (ساری) حقیقی (خوبیاں) جن کی وجہ سے کوئی حقیقی معنوں میں حمد وثنا کا مستحق ہوتا ہے، وہ مخصوص ہیں (اللہ) تعالیٰ (کیلئے، جس نے پیدا فرمایا) ساری مخلوقات کو، بالخصوص اعظم المخلوقات سمجھے جانے والے (آسمانوں) جنکے طبقات ایک دوسرے سے الگ الگ ممتاز ہیں (اور زمین کو) جسکے طبقات آپس میں یکسانیت رکھتے ہوئے ایک دوسرے میں ایسا ملے ہوئے ہیں، گویا وہ ایک ہی شے ہیں۔ (اور بنایا تاریکیوں اور روشنی کو)۔

۔۔چنانچہ۔۔مجوسیوں کا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف نور کا خالق ہے اور شیطان تاریکیوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ تاریکیاں کوئی بھی ہوں، محسوس ہوں۔۔یا۔۔ جہالت وضلالت وغیرہ کی تاریکیوں کی طرح معقول ہوں، سبھی کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ بات

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی بظاہر کچھ محسنین ہیں جنکا شکرادا کرنے کی بھی ہدایت ہے، لیکن یہ سارے محسنین جن نعمتوں کے ذریعہ احسان کرتے ہیں، ان ساری نعمتوں کا خالق اور پھران محسنین کوانکا عارضی مالک بنانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔۔بلکہ۔۔انکے دلوں میں کسی پراحسان کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والا بھی خدا ہی ہے۔۔نیز۔۔وہ جو کچھ بھی بطورِ احسان کسی کودیتے ہیں، وہ سب خدا ہی کا عطا کردہ ہیں۔وہ ایسا مالک حقیقی ہے جسکی ملکیت کوفنا نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ کسی کوکسی چیز کا مالک بنا کے بھی اس چیز کا مالک رہتا ہے۔

وہی خالق ہے باقی سب مخلوق، وہی مالک حقیقی ہے باقی سب مملوک، وہی رب ہے باقی سب مربوب، اور وہی رازق ہے باقی سب مرزوق۔تواب کسی بھی خوبی اور خوبی والے کی تعریف کی جائے، تو وہ درحقیقت خدا ہی کی تعریف ہے، اسلئے کہ نقش کی تعریف دراصل نقاش کی تعریف ہے، مصنوع کی تعریف حقیقۃً صانع کی تعریف ہے، اور مخلوق کی تعریف اسکے خالق کی تعریف ہے۔یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خوبیوں والا ہر حال میں خوبیوں والا ہے، خواہ کوئی اسکی خوبیوں کا ذکر نہ کرے۔

۔۔الختصر۔۔ساری خوبیاں، حمد، برتریاں مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے، خواہ کوئی اسکی تعریف کرے۔۔یا۔۔نہ کرے۔وہ اس بات سے مستغنی ہے، کہ کوئی اسکی تعریف کرے تب جا کے وہ قابل تعریف کہلائے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ بہت بڑی عزت وعظمت کا مالک ہے اور وہ عزت وعظمت صرف اسی کیلئے مخصوص ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد وعبادت کا وہی مستحق ہے۔ان حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد۔۔۔

(پھر جنھوں نے کفر کیا) انکا حال یہ ہے کہ وہ غیر خدا کو **(اپنے پروردگار کا برابر قرار دیتے ہیں)**۔۔یا۔۔عدول کرتے ہیں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت سے، اسکے غیر کی پرستش کی طرف۔ اے لوگو ذرا غور تو کرو! کہ اللہ تعالیٰ۔۔۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی

وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر فیصلہ کیا ایک میعاد مقرر کا۔اور ایک نامزد کیا وعدہ اس کے

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾

یہاں ہے، پھر تم لوگ شک کرتے ہو●

(وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو) ابتداءً (مٹی سے)، اسلئے کہ اس سے حضرت آدم کی پیدائش ہوئی اور وہ تمام انسانوں میں اصل ہیں۔

۔۔الغرض۔۔انسان کا ابتدائی مادہ مٹی ہی ہے۔ **طین** کہتے ہیں اُس مٹی کو جو پانی سے ملادی جائے۔سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کرنے میں شاید یہ راز ہو کہ مٹی میں تواضع وانکسار ہے، اور تواضع سے رفع وثبات نصیب ہوتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ 'جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفیع القدر بنادیتا ہے'۔خود سرکار ﷺ نے ہمیشہ متواضعانہ زندگی ہی بسر فرمائی۔

گو تخلیق انسانی کا اصل مادہ مٹی ہی ہے، لیکن اس میں دوسرے آتشی، آبی اور بادی عناصر کی بھی آمیزش کردی گئی ہے، تو جس میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے اسی کی مناسبت والے اعمال واحوال کا ظہور ہوتا ہے۔۔مگر۔۔چونکہ اصل الاصول مٹی ہی ہے جسکی سرشت خاکساری ہے، اس خاکساری ہی میں انسان کیلئے سب سے زیادہ اچھائی ہے۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا (**پھر فیصلہ کیا ایک میعاد مقرر کا**) جو ہر ایک کے لئے خصوصیت رکھتا ہے، یعنی اسکی وہ حد معین جو دنیا میں اسکے لئے مقرر ہے، جب وہ ختم ہوگی تو اُسکے لئے موت آجائیگی۔(اور ایک نامزد کیا وعدہ اسکے یہاں ہے)۔۔۔یعنی وہ حد معین جو قیامت میں اٹھنے سے پہلے ہر ایک کو دی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں معین وثابت شدہ ہے، نہ اس میں تغیر ہے اور نہ ہی اسکے تعین سے کوئی واقف ہے۔۔نہ اجمالاً نہ تفصیلاً۔۔۔اس **اجل** سے قیامِ قیامت مراد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے بذاتِ خود بغیر تعلیم خداوندی اُسے کوئی نہیں جانتا۔۔۔(**پھر تم لوگ شک کرتے ہو**) قیامت کے وقوع میں، حالانکہ تمہیں دلائل سے سمجھا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق ہے اور تمہیں تمہاری موت کے مقرر وقت تک زندگی بخشنے والا ہے۔

پھر وہ ذات جو تمہارے مادّوں کو پیدا کرنے اور انھیں جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جب تک چاہتا ہے ان کو باقی رکھتا ہے، تو اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مادّوں کو جمع کرکے دوبارہ زندہ کردے اور پھر میدانِ قیامت میں سب کو اکٹھا کردے۔منکرین کیلئے وقوعِ قیامت تو بڑی بات، بلکہ انکے نزدیک تو مرنے کے بعد اٹھنا ہی عقل وسمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ان بے عقلوں اور ناسمجھوں نے غور ہی

نہیں کیا اور خدا کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی اللہ ہے سارے آسمانوں اور زمین میں۔ جانے تمہارے چھپے کو

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور تمہارے ظاہر کو، اور جانے جو تم کماؤ●

ہر عقل سلیم (اور) فہم مستقیم رکھنے والوں پر واضح ہے کہ (وہی اللہ) تعالیٰ (ہے) جو عبادت کا مستحق ہے (سارے آسمانوں اور زمین میں)۔ نہ اجرام فلکیہ میں سے کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی مخلوقات ارضیہ میں ۔۔الحتصر۔۔ وہی معبود مطلق ہے اسکے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، نہ آسمانوں میں نہ ہی زمینوں میں۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ۔۔ چنانچہ۔۔ وہ (جانے تمہارے چھپے کو) یعنی تمہارے پوشیدہ اقوال کو، (اور تمہارے ظاہر کو) یعنی تم جو کھلم کھلا باتیں کرتے ہو انھیں بھی جانتا ہے (اور) وہ ایسی ہی شان والا ہے جو (جانے جو تم کماؤ)، یعنی جو تم نفع حاصل کرنے کیلئے ۔۔یا۔۔ نقصان سے بچنے کیلئے عمل کرتے ہو اپنے قلوب ۔۔یا۔۔ جوارح سے، وہ ان سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ان سب کی تمہیں جزاء اور سزا دیگا۔ اگر نیک کام کرتے ہو، تو جزاء ملے گی اور اگر برائی کرتے ہو، تو سزا ملے گی۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

اور نہ آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں سے، مگر ہو گئے اس سے روگرداں●

(اور) یہ کفار مکہ! انکا حال تو یہ ہے کہ (نہ آئی انکے پاس کوئی نشانی انکے پروردگار کی نشانیوں) میں (سے) جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، خواہ وہ آیات قرآنیہ سے ہوں ۔۔یا۔۔ آیات تکوینیہ سے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات جس میں معجزات بھی شامل ہیں ۔۔ مثلاً: چاند کے ٹکڑے ہو جانا، درخت کا جڑ سے اکھڑ آنا، وغیرہ (مگر ہو گئے اس سے روگرداں) یعنی اگر اہل مکہ کے سامنے آیات قرآنیہ میں سے کسی آیت کا نزول ہوتا ۔۔یا۔۔ معجزات نبوی میں سے کسی معجزے کا ظہور ہوتا، تو

وہ لوگ فوراً اسکی تکذیب واستہزاء پر اتر آتے اور اس پر ایمان نہ لا کر اپنے کو اس سے حاصل ہونے والی ہدایت سے کنارہ کش کر لیتے اور نظرِ صحیح سے کام نہ لیتے۔ اگر وہ نظرِ صحیح سے دیکھتے تو ان کو یقین ہو جاتا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، پھر وہ ایمان کی دولت سے نوازے جاتے۔ حق کے انکار میں یہ جلد بازی سے کام لیتے تھے۔۔۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

تو بیشک انھوں نے جھٹلایا حق کو جب انکے پاس آیا۔ تو جلد آرہی ہیں انکے پاس خبریں جس سے ہنسی کر رہے تھے●

(تو) اسی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے (بیشک انہوں نے جھٹلایا حق کو) یعنی قرآن کو، (جب انکے پاس آیا) یعنی جب جب ان پر آیتِ قرآنی کا نزول ہوا، بغیر سوچے سمجھے فوراً ہی اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔

قرآن کریم کو حق سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ اتنے بدبخت تھے، کہ ایسے کلام کا انکار کیا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ یہ انکے کمال قبح کی دلیل ہے، اسلئے کہ حق کی تکذیب کسی فردِ بشر سے متصور ہی نہیں، لیکن ان بدبختوں نے اسکی تکذیب کر دی۔

(تو جلد آرہی ہیں انکے پاس خبریں جس سے ہنسی کر رہے تھے) جس حق کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اس استہزاء و تکذیب کا ثمرہ یہی تو ملا، کہ وہ سزاؤں کے مستحق ہو گئے۔ تو عنقریب اپنی ان سزاؤں کو جان لینگے جو انھیں آیات کے استہزاء اور تکذیب سے ملے گی۔

۔۔ چنانچہ۔۔ غزوہ بدر میں انھیں تلوار سے مزہ چکھا دیا گیا اور آخرت میں جس عذاب سے یہ گزریں گے اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کا پرچم سربلند ہوا اور مومنین کی شوکت و قدرت میں اضافہ ہوا، ان منکرین کے ہاتھ کیا لگا، سوائے ذلت و رسوائی کے۔۔۔ اب تک تو اللہ تعالیٰ نے اُنکے قبائح۔۔ مثلاً: آیات سے اعراض، انکی تکذیب اور ان سے استہزاء کو بیان فرمایا، اور اب وعظ و نصیحت کے طور پر کچھ باتیں ارشاد فرما رہا ہے اور گزشتہ قوموں کے حالات سنا رہا ہے کہ کیا انھیں معلوم نہیں۔۔ اور۔۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہلاک کر دیئے ہم نے ان سے پہلے ایسوں کو، جنھیں ہم نے اتنا مضبوط کر دیا تھا زمین میں جو تم کو نہ کیا،

لَكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۖ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ

اور بھیجا ان پر خوب برستا بادل، اور ہم نے نہریں کردیں کہ بہیں انکے نیچے،

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶

پھر ہم نے ہلاک کردیا ان کو انکے گناہوں کی وجہ سے، اور اٹھائی ہم نے انکے بعد دوسری امت ●

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا) اور آثار قدیمہ کو دیکھ کر اور انکے حالات سن کر معلوم نہیں کیا (کہ) اپنی قہاریت کی قوت سے (ہلاک کردیئے ہم نے ان سے پہلے ایسوں کو، جنھیں ہم نے اتنا مضبوط کردیا تھا زمین میں، جو تم کو نہ کیا) اور صرف یہی نہیں کہ ہم نے انکو زمین پر قدرت دے رکھی تھی اور انھیں زمین پر ایسے تصرفات بخشے جو تمہیں نصیب نہیں، بلکہ انکے لئے آسائش حیات کے اسباب بھی فراہم فرمادیئے تھے (اور بھیجا ان پر خوب برستا بادل) جو خوب خوب برسنے والا ہوتا (اور ہم نے نہریں کردیں کہ بہیں انکے) محلوں، مکانوں اور درختوں کے (نیچے)۔ تو یہ نہریں جاری رہتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے انکے اجسام میں تنومندی، صحت اور عمروں میں برکت اور اموال میں وسعت دی، یعنی دنیوی اسباب میں انھیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وہ جس طرح کے منافع کا حصول۔۔یا۔۔جس طرح سے نقصانات کا دفعیہ چاہتے، انھیں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں جو تمہیں اے مکہ والو انکا عشر عشیر بھی نصیب نہیں۔ لیکن انہوں نے اتنی وسعت کے باوجود اپنے کفران وعصیان کو حدِ کمال تک پہنچادیا۔

تو (پھر ہم نے ہلاک کردیا ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے)۔۔المختصر۔۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے مخصوص گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ نہ انھیں ان کی کثرت نے بچایا اور نہ ہی وہ دنیوی اسباب کی فراوانی کی وجہ سے بچ سکے۔ کچھ تمہاری حالت بھی یہی ہے، کہ انکی طرح تم پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوگا۔۔المختصر۔۔ جو ہلاک کردیئے جانے کے مستحق ہوگئے تھے انھیں تو ہم نے ہلاک کردیا، (اور) پھر (اٹھائی ہم نے انکے بعد دوسری امت)۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا اظہار فرمایا، کہ ان لوگوں کے بار بار تباہ و برباد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مُلک۔۔یا۔۔مِلک میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی، بلکہ ایک قوم کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے اور قوم پیدا فرمادی، جو شہروں اور ملکوں کو آباد کرتی رہی۔

اسلئے کہ [illegible]

انصاف پیدا فرماتا ہے۔اسی طرح 'اہل ریا وسمعہ' کو مٹا کر 'اہل صدق واخلاص' پیدا فرماتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اہل صدق واخلاص بھی پیدا ہوتے رہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور اگر ہم نے اتارا ہوتا تم پر کسی نوشتہ کو کاغذ میں، پھر انھوں نے اپنے ہاتھوں سے چھولیا ہوتا، تو بھی کہتے جو کافر ہیں،

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو●

اے محبوب! اس مقام پر مشرکین کا آپ سے مطالبہ کرنا بالکل لغو اور کذب صریح ہے کہ آپ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ سے ایسی کتاب لاکر دکھائیں جسکی چار فرشتے گواہی دیں، کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی کتاب ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تب جاکے ہم ایمان لائینگے، اسلئے کہ یہ کسی صورت میں ماننے والے (اور) ایمان لانے والے نہیں ہوسکتے۔۔چنانچہ۔۔(اگر ہم نے اتارا ہوتا تم پر کسی نوشتہ کو کاغذ میں، پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے چھولیا ہوتا، تو بھی کہتے) وہ (جو کافر ہیں، کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو)۔

۔۔الغرض۔۔جو ازلی محروم ہوتا ہے اور وہ اگر غائبانہ حق کی تکذیب کرتا ہے، تو آنکھوں سے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی انکار سے نہیں چوکتا۔حق واضح ہوجانے کے بعد بھی کٹ حجتی کرنے والے ضدی لوگ از راہِ عناد وسرکشی ایسا ہی کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ذرا ان کٹ حجتی کرنے والوں کو دیکھو، کہ اوّلاً نبی کی نبوت کی اشارتاً تکذیب کی، اور اب صراحتاً نبوت پر جرح وقدح کرنے پر اتر آئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

اور بولے، کہ "کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ"۔ اور اگر ہم اتار دیتے فرشتہ، تو کام ختم ہوگیا ہوتا۔ پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی●

(اور بولے کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس) نبی (پر کوئی فرشتہ)، جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور وہ براہِ راست ہم سے کہے، کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔ان نادانوں نے اتنا بھی نہیں سوچا (اور) یہ بھی نہیں سمجھا کہ (اگر ہم اتار دیتے فرشتہ، تو کام ختم ہوگیا ہوتا)۔۔۔یعنی انکے مطالبے پر اگر ہم فرشتے کو اسکی اصل شکل وصورت پر اتاریں اور فرشتے کا نزول ہو، تو کفار کی تباہی وبربادی کا فیصلہ ہوجائیگا۔اسلئے

کہ فرشتوں کو انکی اپنی اصل صورت پر دیکھنا عام آدمیوں کے بس سے باہر ہے۔۔الحاصل۔۔فرشتوں کے نزول کے بعد (پھر انکو مہلت نہ دی جاتی) آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی وہ تباہ و برباد ہوجاتے۔اس مقام پر غور سے سنو۔۔۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور اگر ہم بناتے نبی فرشتہ کو، تو بناتے اسے مرد، اور ضرور ان کو اسی شبہ میں رکھتے جس میں ہیں●

(اور) یاد رکھو کہ (اگر ہم بناتے نبی فرشتے کو، تو بناتے اُسے مرد) ہی کی صورت میں، اسلئے کہ اگر انکو انکی صورت اصلی میں ظاہر کیا جاتا، تو کوئی انکو دیکھنے کی تاب نہ لاتا اور جو دیکھتا وہ فنا ہوجاتا۔

خیال رہے کہ کفار کا مطالبہ نبی کو فرشتہ بنانے کا نہیں تھا بلکہ انکا مطالبہ کبھی فرشتے کو نبی بنانے کا رہا اور کبھی شاہدِ نبی، یعنی 'نبی کی نبوت کا گواہ' بنانے کا تھا۔اب خواہ فرشتوں کو نبی بنایا جائے۔۔یا۔۔شاہدِ نبی، دونوں صورتوں میں کفار اشتباہ والتباس سے محفوظ نہ رہتے۔

(اور ضرور انکو اسی شبہ میں رکھتے، جس میں ہیں)۔۔چنانچہ۔۔وہ فرشتوں کو بشری لباس میں دیکھ کر کہنے لگتے، یہ بھی تو ہماری طرح بشر ہیں۔جس طرح کفار 'نورِ محمدی' کو بشری لباس میں دیکھ کر بول پڑے، یہ تو ہماری ہی طرح بشر ہیں۔بعد کے بعض منافقین بھی انکے ہمنوا ہوگئے اور 'آیت متشابہ' کو اپنی دلیل بنانے لگے اور مذکورہ آیت میں مذکور لفظ **مِّثْلُكُمْ** میں جو حقیقی طور پر وجوہ مماثلت ہے، ان سے صرف نظر کر کے قولِ کفار میں مذکور **مِّثْلُنَا** میں خود کافروں کے نزدیک جو وجوہ مماثلت ہیں، انکو اپنے عقیدے کا جزء بنا کر کفر وضلالت کا شکار ہوگئے۔

۔۔المختصر۔۔کافروں کا یہ مطالبہ کہ ہمارے ایمان لانے کی صورت صرف یہ ہے کہ فرشتے کو نبی بنا کر بھیجا جائے۔۔یا۔۔فرشتے کو نبی کے ساتھ انکی نبوت کا گواہ بنا کر نازل فرمادیا جائے، یہ انکی صرف کٹ حجتی ہے، اسلئے کہ اگر بالفرض ایسا کر بھی دیا جائے، جب بھی انکی بے جا زبان درازی کا راستہ مسدود نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ کسی کو اشکال واشتباہ میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔تو اب ارشادِ الٰہی کا حاصل یہ ہوا، کہ اگر ہم اسطرح کرتے، تو وہ کرتے جو ہماری شان کے خلاف ہے، اور ہم اپنی شان کے خلاف کوئی کام کریں، یہ محال ہے۔۔لہٰذا۔۔ایسے

کام کا مطالبہ کفار و مشرکین کی غایت جہل کی دلیل ہے۔

آگے کی آیت میں حضور تاجدار انبیاء ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے، جبکہ اہل مکہ نے آپ کو بہت بہت پریشان کیا۔۔۔یعنی اے محبوب! غم نہ کھائیے۔۔۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا

اور بیشک ٹھٹھا کیا گیا تم سے پہلے کے رسولوں کے ساتھ۔ تو اتری انھیں پر جنھوں نے ہنسی کی تھی

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾

ان کی ہنسی●

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾

کہو، کہ "زمین میں گھومو! پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا"●

(اور) بہت زیادہ کبیدہ خاطر نہ ہوئیے، کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں جو تمہارے ساتھ پیش آئی، بلکہ (بیشک ٹھٹھا کیا گیا تم سے پہلے کے) کثیر التعداد انبیاء کرام اور اولوالعزم (رسولوں کے ساتھ)۔تو اپنے اس استہزاء کا خمیازہ انھیں کو بھگتنا پڑا (تو اتری انھیں پر جنھوں نے ہنسی کی تھی انکی ہنسی)۔۔الغرض۔۔وہ اپنے اسی استہزاء تمسخر کے سبب ہلاک وتباہ و برباد ہوگئے۔رسول کریم کے ساتھ استہزاء کا جواب انھیں غزوۂ بدر میں حاصل ہوگیا۔

اے محبوب! کافروں اور مشرکوں سے (کہو کہ) اگر مشرکوں پر عذاب ہونے کو تم نہیں مانتے ہو، تو (زمین میں گھومو) اور کبھی شام، کبھی یمن اور کبھی عاد اور ثمود کے مقاموں پر گزر کرو، (پھر) نظر عبرت سے (دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا) اور اے محبوب! ان منکرین سے سوالیہ لب و لہجے میں پوچھو۔۔اور۔۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ

کہہ دو، کہ "کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟" کہو اللہ کا۔ قرار دے لیا اپنے کرم پر رحمت کو۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

تاکہ اکٹھا کرے تم کو روز قیامت، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جنھوں نے گھاٹا کیا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اپنے ساتھ، تو وہ نہیں مانتے●

(کہہ دو کہ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اورزمین میں ہے)۔

چونکہ اس قسم کے سوال کا جواب خود بخود متعین ہوتا ہے، اسی لئے جواب کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اسطرح کے سوالات کیلئے ضروری ہے کہ انتظار کے بغیر فوراً اسکا جواب دیدیا جائے۔

تو اے محبوب! وہ کفار جواب دیں۔۔یا۔۔نہ دیں، تم خود ہی فوراً جواباً ارشاد فرمادو، اور (کہو) کہ آسمانوں اورزمین میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ (اللہ) تعالیٰ ہی (کا) ہے، وہی سب کا مالک حقیقی ہے۔

اس میں اہل مکہ سے دلائل کا اعتراف کرایا جارہا ہے کہ وہ اقرار کریں کہ تمام عقلاء اور غیر عقلاء اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ اوراسی کی ملک ہیں اوران میں صرف وہی تصرف کرسکتا ہے۔گویا ان سے سوال ہوا کہ بتاؤ اے کافرو ایسے واضح دلائل کے باوجود، اب بھی تمہیں اقرار ہے۔۔یا۔۔نہیں، جبکہ کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔۔المختصر۔۔اس ساری کائنات کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جس نے (قراردے لیا اپنے کرم پر رحمت کو) گواس پر کوئی چیز واجب نہیں، بس یہ اسکی نوازش ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کو اپنے ذمہء کرم میں رکھ لیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے اوران پر سزا کیلئے عجلت نہیں کرتا۔ بلکہ توبہ کی مہلت عطا فرماتا ہے اور بہت جلد توبہ قبول فرمالیتا ہے۔اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فوراً اُسے اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے، تو ایسے مالکِ **السمٰوٰت والارض** اور رحیم وکریم **رب العلمین** کا شریک ایسوں کو قرار دینا، جو کسی بھی شے کے حقیقی مالک نہیں اورنہ ہی بذات خود کسی طرح کا تصرف کرسکنے والے ہوں، کسی سلیم الطبع اورفکر مستقیم رکھنے والے سے کیسے ممکن ہے؟

تو مشرکین اچھی طرح سے سن لیں کہ قسم ہے خدائے برتر وبالا کی، فیصلہء خداوندی ہوچکا ہے (تاکہ) ضرور ضرور (اکٹھا کرے تم کو روز قیامت) وہ دن کہ (اس) کے واقع ہونے (میں کوئی شک نہیں ہے)، لہٰذا ان مشرکین کو انکے شرک کی سزا مل کر رہے گی، (جنھوں نے) کفروشرک اختیار کرکے (گھاٹا کیا اپنے ساتھ) اوراپنے کو بہت بڑے خسارے میں ڈال دیا۔اوراپنی فطرت اصلیہ

اور عقل سلیم کو ضائع کر دیا۔ یہی (تو) وجہ ہے کہ (وہ نہیں مانتے)۔

۔۔الختصر۔۔انھوں نے اپنی عقل کو حواس اور وہم کے تابع کر کے تقلید مذموم میں منہمک ہو کر اور نظر وفکر کو غفلت میں ڈال کر ضائع کر دیا، اسلئے وہ کفر کے گڑھے میں جا گرے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو کر رحمت خاصہ کے دائرے سے خارج ہو گئے۔۔چنانچہ۔۔نہ تو انھیں معرفت کی ہدایت ملی اور نہ توحید وکتب آسمانی کا علم حاصل ہو سکا، اور نہ ہی وہ اپنے کو کفر سے کنارہ کش کر سکے۔

اے محبوب! یہ ان کافروں کی نافہمی اور حق سے دوری کا نتیجہ ہی تو ہے، جو آپ کی بارگاہ میں آکر یہ عرض کرتے ہیں کہ "اے محمد ﷺ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر وفاقہ نے تنگ کر رکھا ہے اس وجہ سے آپ نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کیلئے بڑے دور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا چندہ کر دیتے ہیں، اسطرح آپ دنیا کے امیر ترین انسانوں سے گنے جائینگے، لیکن مہربانی فرما کر آپ ہمیں اس نئے دین کی دعوت نہ دیجئے"۔۔۔تو اے محبوب! ان نادانوں پر واضح کر دو۔۔۔

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

اور اسی کا ہے جو کچھ بسا رات اور دن میں۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) بتا دو کہ (اس) یعنی اللہ تعالیٰ ہی (کا ہے جو کچھ بسا) یعنی آرام لیتا ہے (رات اور دن میں)۔۔الغرض۔۔وہ زمان ومکان کا مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی مالک ہے جن کو زمان ومکان گھیرے ہوئے ہیں (اور وہ سننے والا) ہے جو کچھ کافر کہتے ہیں اور (جاننے والا ہے) جو انکے ارادے ہیں۔۔الختصر۔۔وہ ہر مسموع شے کو بہت زیادہ سنتا ہے اور ہر معلوم شے کو بخوبی جانتا ہے۔ اس سے کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔ اور جب مالک السمٰوات والارض وہی ہے، تو اگر وہ چاہے تو اپنے پیغمبر کو اتنا مال دیدے کہ وہ تمام مخلوقات سے زیادہ مالدار ہو جائے۔ تو اے محبوب! ان بے وقوفوں سے سوالیہ انداز میں۔۔۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

کہہ دو کہ "کیا اللہ کے سوا دوسرے کو معبود بنالوں؟ پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا، اور وہ کھلاتا ہے اور کھلائے جانے سے پاک ہے۔

قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۴﴾

کہہ دو، کہ "بے شک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان ہونا، اور مشرکوں سے نہ ہونا"●

(کہہ دو کہ) احمقو! (کیا) تم یہ چاہتے ہو کہ میں (اللہ) تعالیٰ (کے سوا دوسرے کو معبود بنالوں)؟ اسلئے کہ معبودانِ باطل کو باطل نہ سمجھنا اور انھیں باطل نہ قرار دینا، ایسے ہی کسی بھی غیر خدا کو اپنا حقیقی کارساز سمجھ لینا، انکو معبود بنالینا ہی ہے اور ان دونوں باتوں میں سے کسی کا بھی صدور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے ناممکن ہے۔ نادانو! یہ کون سی دانشمندی کی بات ہے، کہ میں اسکو چھوڑ دوں جو (پیدا کرنے والا) ہے (آسمانوں اور زمین کا اور) ایسا جواد و کریم ہے کہ (وہ) سب کو (کھلاتا ہے) یعنی رزق دیتا ہے (اور) خود (کھلائے جانے سے پاک ہے) کہ کوئی اسکو کھلائے اور رزق دے۔

وہ قادرِ مطلق ہے، مقدور نہیں۔۔۔ وہ مختارِ کلُ ہے، مجبور نہیں۔۔۔ وہ سب کا رازق ہے، کسی کا مرزوق نہیں۔۔۔ وہ مالک کلُ ہے، کسی کا مملوک نہیں۔۔۔ اور وہ رب العالمین ہے، کسی کا مربوب نہیں۔۔۔تو۔۔اے محبوب! ان کافروں سے واضح لفظوں میں (کہہ دو کہ) میں خدا کا پیغمبر ہوں (بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان ہونا اور مشرکوں سے نہ ہونا)۔ اس واسطے کہ نبی دین میں امت سے سابق اور پہلے ہوتا ہے۔ اور اے محبوب! یہ بھی۔۔۔

قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ

کہہ دو، کہ "بیشک میں تو ڈروں" اگر نافرمانی کی ہوتی اپنے پروردگار کی بڑے دن کے عذاب کو● جس سے پھیر دیا جائے

يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ

عذاب اُس دن، تو بیشک رحم فرمادیا اُس پر۔ اور یہ کھلی کامیابی ہے● اور اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچادے،

فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾

تو کوئی اس کا ہٹانے والا نہیں ہے، بجز اس کے۔ اور اگر بھلائی پہنچادے، تو وہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(کہہ دو کہ) میں نبی ہوں اور نبی خشیت الٰہی کا مجسمہ ہوتا ہے، تو میرا حال یہ ہے کہ (بیشک میں تو ڈروں) یعنی ڈرتا ہوں کہ (اگر) بفرض محال (نافرمانی کی ہوتی اپنے پروردگار کی) اور اسکے سوا کسی کی عبادت کرلیا ہوتا۔ کس سے ڈرتا ہوں؟ (بڑے دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب کو)۔

اب اگر اے منکرو! اس عذاب کا سچا خوف تمہارے دل میں بھی آجائے، تو یقیناً اس عذاب سے بچنے کی فکر تمہیں بھی لاحق ہو جائے۔۔اور بیشک۔۔

(جس سے پھیر دیا جائے عذاب اُس دن، تو بیشک رحم فرما دیا) اللہ تعالیٰ نے (اس پر۔اور یہ) اللہ تعالیٰ کا رحم فرمانا، اسکی (کھلی کامیابی ہے)۔یاد رکھو کہ کسی کی تکلیف یا غریبی دور کر دینا۔۔یا۔۔ اُسے کسی طرح کے بھی نقصان سے بچانا۔۔یا۔اُسے کسی طرح کا بھی فائدہ پہنچانا، یہ انسانوں کے بس کی بات نہیں، یہ سب بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔صرف اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان پہنچانے پر حقیقی طور پر قدرت والا ہے۔

(اور) اسی لئے (اگر اللہ) تعالیٰ (تمہیں نقصان پہنچا دے، تو کوئی اسکا ہٹانے والا نہیں ہے بجز اسکے)۔خدا کی دی ہوئی غریبی اور تکلیف اسکے سوا کون ہٹا سکتا ہے۔(اور) یونہی (اگر بھلائی پہنچا دے)۔۔مثلاً: مالداری اور صحت عطا فرما دے، (تو وہ ہر چاہے پر قادر ہے)، اُسے بھلائی کرنے سے کون روک سکتا ہے۔۔المختصر۔نفع ہو یا نقصان، اسکی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر۔ اور وہ حکمت والا خبردار ہے●

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (وہ) قدرت وقہر کے اعتبار سے (زبردست ہے اپنے بندوں پر) یہ اسکے کمال قدرت کی شان ہے۔(اور وہ حکمت والا) محکم کار ہے اپنی تدبیر میں۔اور (خبردار جاننے والا (ہے) بندوں کے چھپے ہوئے احوال کو۔یہ اسکے کمال علم کی نشانی ہے۔

اے محبوب! قریش کے احمقوں کا آپ کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا کہ ''اے محمد ﷺ ہم کسی کو بھی نہیں دیکھتے کہ تیری تصدیق کرے۔۔چنانچہ۔۔احبار یہود اور علمائے نصاریٰ سے ہم نے پوچھا، کہ اس مرد کی صفت اپنی کتابوں میں تم نے کہیں دیکھی؟ تو ان سبھوں نے انکار کیا، تو اب ہمیں کوئی ایسا شخص دکھا جو تیری رسالت اور تیری کتاب کی حقیقت پر گواہی دے''۔تو اے محبوب! ان سے۔۔۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوحِيَ اِلَيَّ

کہہ دو، کہ ''سب سے بڑا گواہ کون؟'' کہو، کہ ''اللہ''۔۔گواہ ہے، ہمارے تمہارے درمیان۔۔اور میری طرف وحی کیا گیا ہے

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

یہ قرآن، تاکہ تم کو اس سے ڈراؤں اور جس جس کو پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو، کہ اللہ کا شریک دوسرے معبود

اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹

لوگ ہیں؟ کہو کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ اللہ صرف ایک معبود ہے۔ اور بیشک میں بیزار ہوں جن کو شریک بناتے ہو●

(کہہ دو کہ سب سے بڑا گواہ کون؟ کہو کہ اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان)۔ مخلوق میں سے کسی کی بھی گواہی اسکی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسلیئے کہ مخلوق کی شہادت اور انکے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے۔

اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب علیہ السلام کو جواب کیلئے منتخب فرمایا، تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انھیں ہے اور نہ ہی وہ اسکے جواب کے اہل ہیں، بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار ﷺ کو ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ ہی گواہ ہے (اور) اسی کی جانب سے (میری طرف وحی کیا گیا ہے یہ قرآن) جو میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے، اسکو مجھ پر نازل فرمانے کے جملہ مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے (تاکہ) اے میرے عہد میں موجود کافرو! (تم کو اس) کتاب عظیم میں مذکور وعیدوں (سے تمہیں ڈراؤں اور) ان کو بھی ڈراؤں (جس جسکو پہنچے) یعنی قیامت تک آنے والے انسانوں میں جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ اگرچہ اس میں خوش خبری بھی ہے، لیکن یہاں دو ضدوں میں سے صرف ایک کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اس مقام پر اشارتاً یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ جس کے ہاں قرآن کریم پہنچا، گویا اس نے حضور ﷺ کی زیارت کی اور ان سے گویا براہِ راست قرآن سنا۔۔۔اب آگے کی آیت میں بڑے لطیف سوالیہ انداز سے مشرکین سے انکے شرک کا اعتراف کرا لیا گیا۔ اس اعتراف کے سوا انکے پاس چارۂ کار بھی نہیں تھا، اسلیئے کہ اس عمل میں وہ بڑی شہرت رکھتے تھے۔۔۔ چنانچہ۔۔فرمایا۔۔۔

(کیا تم) وہی ہو جو (گواہی دیتے ہو) اور اپنے قول و عمل سے کہتے ہو (کہ اللہ) تعالیٰ (کا شریک دوسرے معبود لوگ ہیں)؟ تو اے محبوب! تم ان سے (کہو کہ میں تو) تمہاری اس بکواس میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا اور جس بات کی گواہی تم دیتے ہو، اسکی (گواہی) میں (نہیں دیتا)۔ اور اے

محبوب! ان پر یہ بھی واضح کردو اور (کہہ دو) کہ میں تو صرف اس بات کا گواہ ہوں (کہ اللہ) تعالیٰ ہی (صرف ایک معبود) یعنی مستحق عبادت (ہے۔ اور بیشک میں بیزار ہوں) ان سارے بتوں سے (جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک بناتے ہو)۔۔۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ

جن کو دے رکھی ہے ہم نے کتاب، پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں۔۔۔

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

جنھوں نے گھاٹا کیا اپنا، تو وہ نہیں مانتے ●

سابقہ آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب مشرکین نے احبار یہود اور علمائے نصاریٰ سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے تعلق سے سوال کیا، تو انھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنی آسمانی کتابوں میں آپ کے ذکر سے انکار کیا اور اپنی گفتگو سے یہ ظاہر کیا کہ ہم انھیں نہیں پہچانتے حالانکہ یہ انکا کذبِ صریح تھا۔۔ کیونکہ۔۔

(جن کو دے رکھی ہے ہم نے کتاب، پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) یعنی جس طرح لوگ اپنے بیٹوں کی صورت اور اوصاف سے ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں، اسی طرح اہل کتاب اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ نبی کریم کے اوصاف و حالات سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو تم پہچانتے ہو اور حق تعالیٰ اس سے خبر دیتا ہے، کہ وہ پہچان اپنے بیٹوں کی پہچان کے مثل ہے، یہ کس طور پر ہو سکتی ہے؟ حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ اپنے بیٹے کی صحت نسب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر میں یقین رکھتا ہوں، اس واسطے کہ حضرت کی رسالت توریت سے مجھے معلوم ہوئی، اور اپنے بیٹے کے نسب کی صحت میں کیا جانوں کہ عورتوں نے کیا کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا توفیق کو تیری رفیق کرے اے عبداللہ، تو نکی سمجھ والا اور سچا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ (جنھوں نے گھاٹا کیا اپنا) وہ اہل کتاب ہوں۔۔یا۔۔ مشرکین، انھوں نے اللہ

تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور ان آیات بینات سے روگردانی کی، جو ایمان کی موجب ہیں، (تو وہ نہیں مانتے) اسلئے کہ انکے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ فطرت سلیمہ کو ضائع کر کے عقل سلیم سے بھی محروم ہو گئے، اسی لئے ایمان قبول نہ کر سکے۔ عقل والو! ذرا غور کرو۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

اور اس سے زیادہ ظالم کون، جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ کا، اور جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ بیشک ظالم نجات

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

نہ پائینگے ● اور جس دن ہم ان سب کو اٹھا کر لائینگے، پھر ہم کہیں گے انھیں جنہوں نے شرک کیا،

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کہ کہاں ہیں تمہارے شریک بنائے ہوئے جن پر گھمنڈ کرتے تھے ●

(اور) سوچو (اس سے زیادہ ظالم کون جس نے بہتان باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) اور توریت وانجیل سے حضور نبی کریم ﷺ کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سنائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، اور یہ بھی کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائینگے، وغیرہ وغیرہ (اور) مزید برآں (جھٹلایا اسکی آیتوں کو)۔۔ مثلاً: انھوں نے قرآن مجید کو نہیں مانا۔ حضور ﷺ کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور توریت کی تحریف کی، اور حضور نبی کریم کے اوصاف مبارکہ غلط سلط طریقے سے بتائے۔

۔۔الحتصر۔۔ یہ ظلم میں یکتا تھے اسلئے کہ جسکا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا، انھوں نے اسکی نفی کی اور جسکی اللہ تعالیٰ نے نفی کی، انھوں نے اسکا اثبات کیا۔

تو جان لو کہ (بیشک) یہ سارے (ظالم نجات نہ پائینگے)۔ نہ تو انھیں تکالیف سے نجات ملے گی اور نہ ہی یہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔

غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہوگا، تو پھر 'اظلم' کا کیا حشر ہوگا۔ یہاں ظلم سے مراد وہ صورت ہے، جو کفر وشرک کے ارتکاب کا نتیجہ ہے۔ مقام غور ہے کہ ان کافرین ومشرکین کے حق میں وہ دن بھی کیا دن ہوگا۔۔۔

(اور) اس دن ان پر کیا گزرے گی (جس دن ہم ان سب کو اٹھا کر لائینگے)، یعنی قیامت

کے میدان میں تمام لوگوں کو جمع کرینگے (پھر) بر سر میدان عام مجمع میں زجر و توبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انھیں باخبر کر کے (ہم کہیں گے انھیں جنھوں نے شرک کیا کہ، کہاں ہیں تمہارے شریک بنائے ہوئے) تمہارے اپنے خود ساختہ معبود (جن پر) تم (گھمنڈ کرتے تھے) کہ وہ تمہاری شفاعت کرینگے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾

پھر نہ رہ گئی ان کی کوئی شرارت، مگر یہ کہ بولے "قسم ہے اللہ کی ہمارا پروردگار، ہم تو مشرک نہ تھے"●

(پھر نہ رہ گئی انکی کوئی شرارت، مگر یہ کہ بولے قسم ہے اللہ) تعالیٰ (کی) جو (ہمارا پروردگار) ہے (ہم تو مشرک نہ تھے)۔۔الختصر۔۔حلفیہ جھوٹا بیان دینے کے سوا انھیں کوئی مکر کی راہ نظر نہ آئی۔ یہ مکار لوگ قیامت کے دن جب ایمان والے موحدین کی بزرگیاں اور اُنکے بلند مراتب دیکھیں گے، تو آپس میں کہیں گے، آؤ شرک سے انکار کر دیں، تاکہ ہم بھی نجات پا جائیں، تو سب خدا کی قسم کھا کر کہیں گے، کہ "ہم لوگ مشرک نہ تھے"۔

اُس وقت اللہ تعالیٰ انکے مونہوں پر مہر کر دیگا، پھر انکے ہاتھ پاؤں گواہی دینگے، پھر حکم الٰہی ہوگا کہ لیجاؤ انھیں جہنم میں۔ ظاہر ہے کہ مشرکین کا جواب کذب صریح تھا، جسے انھوں نے عمداً پیش کیا، حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ دنیا میں کفر و شرک میں منہمک رہے۔ یہ بھی ممکن ہے انھوں نے یہ جواب حیرت و مدہوشی کے عالم میں دیا ہو۔ پھر بھی کذب تو کذب ہی ہے، خواہ کوئی ہوش میں رہ کر بولے۔۔یا۔۔مدہوش ہو کر۔۔الحاصل۔۔ ہر حال میں انکا یہ جواب ان کا فتنہ اور انکی شرارت ہے۔۔تو۔۔اے محبوب!

انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

دیکھو کیسا اپنے اوپر جھوٹ بولے۔ اور گم ہو گئے ان سے جو گڑھا کرتے تھے●

(دیکھو کیسا اپنے اوپر جھوٹ بولے) شرک سے منکر ہو کر۔ وہ بھی ایسے وقت میں جھوٹ بولے جبکہ بروز قیامت خدائے علیم و خبیر کی بارگاہ عدالت میں حاضر ہیں۔ اس وقت انکا جھوٹ بولنا کس قدر عجیب ہے۔ (اور گم ہو گئے ان سے جو گڑھا کرتے تھے)۔۔الغرض۔۔انکا وہ افترا جو وہ بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے انکا سفارشی بنانے کا عقیدہ اس لحاظ سے غلط نہیں تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے، بلکہ اس معنی میں غلط تھا کہ انھوں نے ایسی اشیاء کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا، جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں، بلکہ مغضوب و معتوب تھے اور ایسوں کا سفارشی نہ ہوسکنا کلام الٰہی میں منصوص ہے۔ ان مشرکین کے عوام تو عوام ہی تھے، یہ جنہیں بہت بڑا دانشور سمجھتے تھے۔۔ مثلاً: ابوسفیان، ولید، نضر، عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ان جیسے دوسرے لیڈر، ان سب کی بھی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ناکارہ ہوچکی تھی۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک مرتبہ وہ بہت لوگ جمع ہوکر قرآن شریف سنتے تھے۔ سب نے نضر سے کہا، "اسلئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ داں اور قصہ گو تھا"۔ بتاؤ محمد ﷺ کیا پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا! بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا، صرف اتنا محسوس ہورہا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلارہے ہیں اور باتیں وہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں، جیسے میں تمہیں گزشتہ لوگوں کے واقعات و حالات سناتا ہوں، کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا، کہ مجھے تو انکی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو انکی کوئی بات حق ہوسکتی ہی نہیں۔ اس تعلق سے ارشاد ربانی ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

اوران میں بعض وہ ہیں کہ کان لگائے تمہاری طرف، اور ڈال دیا ہم نے انکے دلوں پر غلاف کہ سمجھ سکیں، اور انکے کانوں

وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

میں ڈاٹ۔ اور اگر وہ ساری نشانی دیکھ ڈالیں، تو بھی اسے نہ مانیں۔ یہاں تک کہ جب آگئے تمہارے پاس، تو بھی جھگڑتے ہیں

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵

تم سے کافرلوگ، کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ قرآن، مگر پہلوں کے قصے●

(اور) یہ بات صحیح ہے کہ (ان میں بعض وہ ہیں) جو (کہ کان لگائے) ہوتے ہیں (تمہاری طرف) کہ آخر آپ فرماتے کیا ہیں؟ (اور) ایسی بات بھی نہیں، کہ آپ کی آواز انکے کانوں کے پردوں سے نہیں ٹکراتی، لیکن وہ اس کو سمجھ نہیں پاتے، اسلئے کہ (ڈال دیا ہم نے انکے دلوں پر غلاف)، یعنی بڑے پردے جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کرسکیں، تا (کہ) نہ (سمجھ سکیں) چونکہ بنیادی طور پر قرآن کریم کا سننا ہی انکے لئے مکروہ و ناپسندیدہ ہے، اسلئے اس کراہت کی

وجہ سے وہ سمجھنے کی کوشش کیوں کرنے لگیں۔تو آواز تو انکے کانوں تک پہنچتی ہے (اور) وہ اسکو ضرور سنتے ہیں لیکن وہ بات انکے دل میں نہیں اترتی، اسلئے کہ لگا دیا ہے ہم نے (انکے کانوں میں ڈاٹ)، تا کہ انھیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

ظاہر ہے جو نبی کریم کی شان اقدس سے جاہل ہو اور فہم قرآن کی دولت سے بہت دور ہو، اُسے قرآن مجید کا سماعِ قبول کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ بیشک اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے، کسی کا سینہ ہدایت کیلئے کھول دیتا ہے، تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے، تا کہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو۔

انکا حال (اور) انکی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ (اگر وہ ساری نشانی دیکھ ڈالیں) اور جن جن معجزات کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں ان سب کا مشاہدہ کر لیں، (تو بھی اسے نہ مانیں) گے اور ہر ایک کو جادو سے تعبیر کر کے ٹھکرا دینگے، بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء واجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کرینگے۔انکے فہم قرآن سے دور ہونے کی نوبت (یہاں تک) ہے (کہ جب آ گئے تمہارے پاس، تو بھی جھگڑتے ہیں تم سے کافر لوگ) اور بلا وجہ کی کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں۔اور جب کوئی معقول بات کہنے سے عاجز ہو جاتے ہیں، تو دفع الوقتی کیلئے یہی بک دیتے ہیں اور (کہتے ہیں، کہ نہیں ہے یہ قرآن مگر پہلوں کے قصے)۔۔یعنی۔۔اگلے لوگوں کی جھوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ اس سے روکتے ہیں اور خود رکتے ہیں۔اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو، اور پہچانتے نہیں●

(اور وہ) لوگوں کو (اس) کے سننے اور اس پر ایمان لانے (سے روکتے ہیں اور خود) بھی (رکتے ہیں)۔نہ تو قرآن کریم کو سماعِ قبول سے سنتے ہیں، اور نہ ہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔اپنی ان خفیف الحرکاتیوں (اور) گمراہ کن حرکتوں سے (نہیں ہلاک کرتے، مگر اپنے آپ کو) اسلئے کہ اسکا وبال انھیں پر آئیگا۔(اور) غضب کی بات یہ ہے، کہ وہ (پہچانتے نہیں)۔نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو۔۔۔

وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ فَقَالُوۡا يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ

اور اگر دیکھو جب کہ کھڑے کردیئے گئے جہنم پر تو چیخے، اے کاش ہم دوبارہ بھیجے جائیں، اور اپنے پروردگار کی

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۷﴾

نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور مسلمان ہو جائیں●

یہ مشرکین اس وقت کچھ بھی بک رہے ہوں (اور) کسی بھی حرکت کا مظاہرہ کر رہے ہوں، لیکن اے مخاطب! کاش (اگر) ایسا ہو کہ تم (دیکھو) انکو اس حالت میں (جبکہ) یہ (کھڑے کردیئے گئے) ہوں (جہنم پر)، خواہ اسطرح کہ دوزخ پر کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔۔یا۔۔ پل صراط پر کھڑے ہو کر دوزخ کو دیکھ رہے ہوں۔۔یا۔۔ انھیں دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو، اور وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں، (تو) وہ سب (چیخے) اور باآوازِ بلند بولنے لگے، (اے کاش ہم دوبارہ بھیجے جائیں) اور کسی طرح ہم دنیا کی طرف لوٹادیئے جائیں (اور) پھر (اپنے پروردگار کی نشانیوں) یعنی آیات قرآنیہ و معجزات انبیاء کرام (کو نہ جھٹلائیں اور) ان آیات کے تقاضوں پر عمل کر کے سچے پکے (مسلمان ہوجائیں)۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے جو یہ کہیں گے کہ دنیا میں جائیں تو ایمان لائیں۔۔۔

بَلۡ بَدَا لَهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُخۡفُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ

بلکہ ظاہر ہو گیا ان کا جو پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر دوبارہ بھیجے گئے، تو دوبارہ کرینگے جس سے روکے گئے،

وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۲۹﴾

اور بیشک وہ جھوٹے ہیں● اور بولے کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری یہی دنیاوی زندگی، اور ہم اٹھائے نہ جائینگے●

(بلکہ) یہ اسی کفر پر رہیں گے اور یہ توحید کا اقرار اُس وقت اِس واسطے ہوگا کیونکہ ان پر (ظاہر ہو گیا انکا) وہ کفر و گناہ (جو پہلے) دنیا میں (چھپاتے تھے)۔ چونکہ آج ہاتھ پاؤں کی گواہی سے وہ چیز ان پر ثابت ہوگئی تو عذر کرتے ہیں۔ (اور اگر دوبارہ بھیجے گئے تو دوبارہ کرینگے جس سے روکے گئے) ۔۔۔یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹادیئے گئے، تو ان کو جس کفر، عناد، معصیت اور نفاق سے منع کیا گیا تھا وہ پھر اُسی طرف لوٹ جائینگے، کیونکہ کفر اور عناد ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت سے انکار کردینگے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حساب و

کتاب اور جزاء وسزا کی پھر تکذیب کرینگے۔۔۔(اور بیشک وہ) پلے درجے کے (جھوٹے ہیں) دنیا میں واپس آکر ایمان لانے کے وعدہ میں۔

۔۔الختصر۔۔انکے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر مبرم کو کون ٹالے؟ اور جو کچھ اس نے ازل سے لکھ دیا ہے اُسے کون موڑے؟ جو بات خدائے تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے، وہ ہو کے رہے گی۔ابلیس کے حال سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا معائنہ کیا، لیکن عناد و سرکشی کی لعنت میں مبتلا ہوا۔اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی کرنے کی وجہ سے اس سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی۔اسی لئے اس نے مہلت تو مانگی، لیکن مغفرت نہیں طلب کی۔ان کافروں کی بدبختی کا حال یہ ہے کہ جب قیامت کی وعید میں آیتیں کافروں پر پڑھی گئیں، تو وہ بعث ونشر کے منکر ہو گئے۔

(اور بولے کہ نہیں ہے یہ) زندگی **(مگر ہماری یہی دنیاوی زندگی، اور ہم اٹھائے نہ جائینگے)** اپنی قبروں سے۔۔الختصر۔۔انہوں نے مرنے کے بعد کے احوال یعنی بعث ونشور کو کالعدم قرار دیدیا۔۔۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى

اور اگر دیکھو جبکہ کھڑے کئے گئے اپنے پروردگار کے حضور، فرمایا کہ "کیا یہ حق نہیں؟" بولے "ہاں حق ہے، قسم ہے

وَ رَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰

اپنے پروردگار کی"۔ فرمایا "تو چکھو عذاب! جو انکار کیا کرتے تھے"●

دیکھنے والو (اور) نگاہ بصیرت رکھنے والو! **(اگر)** تم **(دیکھو)** انکی اس وقت کی بے کسی و بے چارگی **(جبکہ)** یہ **(کھڑے کئے گئے)** اور حاضر کئے گئے **(اپنے پروردگار کے حضور)** میں، پھر اس نے ارشاد **(فرمایا کہ)** بولو **(کیا یہ)** بعث ونشر سچ، درست اور **(حق نہیں)** ہے؟ **(بولے ہاں حق ہے، قسم ہے اپنے پروردگار کی)**۔۔الغرض۔۔اس وقت قسم کھا کر اقرار کرینگے۔ **(فرمایا، تو چکھو)** یہی **(عذاب)** جسے تم دیکھ رہے ہو، بہ سبب اسکے **(جو)** دنیا میں تم **(انکار کیا کرتے تھے)**۔یعنی دنیا میں تم نے جو کفر و شرک کیا یہ اسی کا پھل ہے۔جب اس پھل کو تم نے کمایا ہے، تو تمہیں چکھو اور ہمیشہ چکھتے رہو۔

عذاب کے درد کو ذوق سے اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح چکھنے والا شے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان و حلق میں محسوس کرتا ہے، ایسے ہی وہ کفار عذاب الٰہی کو ہر وقت محسوس کرینگے

۔۔بلکہ۔۔ ہر دوسرے لمحے کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہوگا۔کفر پر مرنے والوں کے مذکورہ بالا انجام سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ۔۔۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

بیشک گھاٹے میں رہے جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو، یہاں تک کہ جب آگئی انکے پاس قیامت، اچانک چلاّئے کہ ہائے افسوس،

عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

اسپر کہ ہم نے کوتاہی کی اسکے بارے میں، اور وہ اٹھائے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر۔ ارے کتنا برا بوجھ لادے ہیں●

(بیشک گھاٹے میں رہے جنھوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (سے ملنے کو) اور مرنے کے بعد ثواب اور عذاب کا ملنا باور نہ کیا اور یہ انکی تکذیب کا سلسلہ انکی موت تک رہا' جو دنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ تو ہمارا یہ کہنا صحیح قرار دیا جائیگا کہ تکذیب کی انتہاء کے بعد اسکے لئے قیامت ظاہر ہوگئی۔

ذہن نشین رہے کہ قیامت کی پہلی منزل یعنی موت، یہ انکی تکذیب کی انتہا ہے، خسران اور گھاٹے کی انتہا نہیں۔ اسلئے کہ انکے خسران کی کوئی حد نہیں، وہ ابدی اور دائمی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ یہ تکذیب (یہاں تک) رہی (کہ جب آگئی انکے پاس قیامت اچانک) یعنی اسطرح جلدی سے واقع ہوگی کہ اسکا انسان کو شعور بھی نہ ہوگا جسکا علم اللہ تعالیٰ کے سوا۔۔یا۔۔اسکی عطا سے اسکے محبوبوں کے سوا، کسی کو بھی نہ ہوگا۔ تو کفار اسکے اچانک آجانے پر (چلاّئے) اور روز قیامت باآواز بلند بول پڑے، (کہ ہائے افسوس اسپر کہ ہم نے کوتاہی کی اسکے بارے میں)، یعنی قیامت کے ماننے میں کوتاہی کی اور اُسکے حقوق ادا نہ کیے۔۔نیز۔۔ اس پر ایمان لا کر اسکے لئے تیاری نہ کی، یعنی نیک اعمال انجام نہ دیئے۔۔۔ایک طرف تو آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو کر گھاٹے میں رہے (اور) دوسری طرف انکا حال یہ ہے کہ، (وہ اٹھائے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر) یعنی انکے گناہ ان پر لازم رہیں گے، جدا نہ ہونگے۔۔۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا، تو اسکا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اسکا استقبال کریگا اور اس سے کہے گا کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں، البتہ تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین

ہے۔ وہ کہے گا تم بھی دنیا میں ایسے ہی تھے، میں تمہارا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصے تک تم پر سوار رہا، آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو۔ اور یہ آیت پڑھے گا۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

'جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف بطور وفد جمع کرینگے'

اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اسکا استقبال کریگا اور اس سے کہے گا، تو دنیا میں اسی طرح تھا۔ میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سواری کرونگا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا۔

وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ

'اور وہ اپنی پیٹھوں پر بوجھ اٹھائے ہوئے ہونگے'۔

۔۔۔یعنی اپنے گناہوں کا بوجھ جسکے وزن کا دباؤ اور اس سے ہونے والی شدید تکلیف وہ بذات خود اچھی طرح محسوس کر رہے ہونگے۔

۔۔۔(ارے) سنو تو! وہ (کتنا برا بوجھ لادے ہیں)۔

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے، انکے نزدیک دنیا اور اسکی رنگینیاں، دلفریبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں، سو اللہ تعالیٰ نے اگلے ارشاد میں دنیا کا خسیس اور گھٹیا ہونا اور اسکا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ

اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر کھیل کود۔ اور بیشک آخرت والا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾

بہتر ہے انکے لئے جو ڈریں۔ تو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے●

(اور) ارشاد فرمایا (نہیں ہے دنیاوی زندگی) کے وہ اعمال جو صرف دنیاوی عیش و عشرت کیلئے ہوں اور آخرت کی بھلائی سے انکا کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ وہ آخرت کی دائمی لذات تک پہنچانے سے قاصر ہوں (مگر) بچوں کا (کھیل) تماشہ، جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کر کے مفید باتوں سے نفرت پیدا کر دے اور دیوانوں کی اچھل (کود)، جو نفس کو منافع کی جد و جہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کر دے۔ (اور بیشک آخرت والا گھر) جہاں اخروی زندگی بسر ہوگی جسے آخرت کی بھلائی کیلئے اعمال

صالحہ انجام دینے والوں کیلئے بنایا گیا ہے، تو یہ گھر (بہتر ہے انکے لئے جو ڈریں) اور کفر و معاصی سے اپنے کو بچاتے رہیں۔ چونکہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک ہیں اور انکی لذتیں ہر آلام اور صدمے سے محفوظ ہیں اور پھر وہ دائمی اور غیر منقطع ہیں، اسلئے انکی بہتری ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے (تو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے)۔۔۔یعنی کیا تم غفلت کے نشے میں ہو، اسی لئے نہیں سمجھتے کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے؟ حیات دنیا۔۔یا۔۔آخرت؟

اب کفار کی بے ہودہ گوئیوں سے نبی کریم کو جو حزن و ملال ہوتا، اسکو دور کرنے اور آپ ﷺ کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ۔۔۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

ہم کو معلوم ہے، کہ بیشک تم کو رنج ہوتا ہے جو یہ لوگ بکتے ہیں۔ تو یقیناً یہ تم کو نہیں جھٹلاتے،

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

لیکن ظالم لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں●

(ہم کو معلوم ہے کہ بیشک تم کو رنج ہوتا ہے جو یہ لوگ بکتے ہیں) اور آپ کی۔۔نیز۔۔کلام الٰہی کی تکذیب میں کہتے ہیں 'جنکا ذکر جا بجا قرآن کریم میں کیا گیا ہے'۔ تو اے محبوب! آپ فکر مند نہ ہوں، اسلئے کہ سچی بات (تو) یہ ہے کہ (یقیناً یہ تم کو نہیں جھٹلاتے، لیکن ظالم لوگ اللہ) تعالیٰ (کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں) اور آیات خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں۔

جبھی تو ابو جہل نے بالمشافہ آپ سے کہہ دیا، کہ "اے محمد ﷺ' ہم نے ہرگز تجھ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اور ہم تجھے سچا جانتے ہیں، مگر دعویٰ نبوت میں ہم تیری تکذیب کرتے ہیں"۔

اور یہ انکار و تکذیب صرف عناد کے باعث ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! درحقیقت وہ تیری نہیں، بلکہ میری تکذیب کر رہے ہیں۔یعنی وہ آپ کو کچھ نہیں کہتے۔ اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں، تو درحقیقت مجھے کہتے ہیں، اسلئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں۔اب میں ہی ان سے سخت تر انتقام لونگا۔

پھر حق تعالیٰ آپکی تسکین کے واسطے فرماتا ہے، کہ اے محبوب! صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی بلکہ۔۔۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتّٰى أَتٰهُمْ

اور بیشک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے کے، تو سب نے صبر کیا اسپر کہ جھٹلائے گئے، اور دکھ دیئے گئے، یہاں تک کہ آگئی انکے پاس

نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِى الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾

ہماری مدد۔ کوئی نہیں بدلنے والا اللہ کی باتوں کا، اور بیشک آچکی ہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں●

یہ ایک حقیقت (اور) سچائی ہے کہ (بیشک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے کے) حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ذی شان تھے اور تعداد بھی انکی بہت زیادہ تھی۔ جب وباء پھیلتی ہے تو عام ہوجاتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وباء ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی، (تو) انبیاء سابقین میں سے (سب نے صبر کیا اس پر کہ جھٹلائے گئے اور دکھ دیئے گئے)۔۔الحاصل۔۔انھوں نے انکے جھٹلانے اور انکی ایذاؤں پر صبر کیا (یہاں تک کہ آگئی انکے پاس ہماری مدد)، یعنی انکی صداقت کے دلائل و براہین ظاہر ہوگئے۔۔یا۔۔دشمنوں پر انکو قہر و غلبہ نصیب ہوگیا۔۔یا۔۔انکے دشمن تباہ و برباد ہوگئے۔

۔۔الختصر۔۔ ہر دور میں انبیاء کرام کو انکے صبر کا پھل ملتا رہا اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے نصرت و غلبہ کا وعدہ فرمالے، تو (کوئی نہیں بدلنے والا اللہ) تعالیٰ (کی باتوں کا)، یعنی نصر و غلبہ کے وعدوں کو (اور بیشک آچکی ہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں) کہ ان کی امتوں نے کیا کیا تکلیفیں انھیں پہنچائیں اور انہوں نے صبر کیا بالآخر انھیں منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اور دشمنوں پر غالب ہوگئے۔ یہ وہ خبریں ہیں جو آپ کیلئے تسکین و تسلی بخش ہیں۔اے محبوب! آپ چونکہ رحیم الفطرت ہیں، دشمن کو بھی تباہ و برباد ہوتے دیکھنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔۔۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ

اور اگر گراں گزرا تمہیں ان کا انکار، تو اگر تم از خود سکت رکھتے ہو کہ ڈھونڈ ھ نکالو کوئی سرنگ زمین میں،

أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ

یا سیڑھی آسمان میں، پھر خود سے لے آؤ انکے پاس کوئی نشانی۔ حالانکہ اگر اللہ چاہتا، تو سب کو

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِينَ ﴿۳۵﴾

ہدایت پر جمع کردیتا۔ تو تم جاہلوں کے ساتھ مت رہو●

تو دشمنوں پر بھی آپکی اس شفقت (اور) مہربانی کی وجہ سے (اگر گراں گزرا تمھیں انکا انکار)۔
۔۔الغرض۔۔انکا منہ پھیر لینا آپ پر شاق گزرا، اور از راہ کرم پھر آپ یہ سوچنے لگے کہ کاش اللہ تعالیٰ ان معجزات کو ظاہر فرما دیتا کفار جنکا مطالبہ کررہے ہیں، کیونکہ ایسا ہو جانے سے شاید یہ منکرین مسلمان ہو جائیں۔

(تو) اے محبوب! (اگر تم از خود سکت رکھتے ہو کہ) بغیر اذن الٰہی اپنی ذاتی قدرت واختیار سے (ڈھونڈ نکالو کوئی سرنگ زمین میں یا سیڑھی آسمان میں) ۔۔الغرض۔۔زمین وآسمان چھان ڈالو (پھر خود سے لے آؤ انکے پاس) انکے مطالبے کے مطابق (کوئی نشانی)، یعنی ایسا معجزہ جسکو دیکھ کر وہ ایمان لاسکیں۔

اس ارشاد سے صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرور عالم کو اپنی قوم کیلئے اسلام کا کتنا حرص تھا، اسلئے اگر آپ کو انکے اسلام کی خاطر زمین۔۔یا۔۔آسمان سے کوئی چیز لانی پڑتی، تو بھی انکی خاطر کر گزرتے، تا کہ وہ ایمان قبول کرلیں۔ لیکن چونکہ آپ مامور من اللہ تھے، اسلئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدود رہی۔

تو اے محبوب! اپنے امتیوں کی ذہنی تربیت فرماؤ اور انکو سمجھادو، کہ وہ کسی کے ایمان واسلام کیلئے کتنا بھی حریص کیوں نہ ہوں، مگر وہ آپ کی سنت کے مطابق صرف تبلیغ پر مامور ہیں، اسکے لئے انھیں کوئی دوسری مشقت جھیلنے کی ضرورت نہیں اور اس سے کچھ فائدہ بھی نہیں، (حالانکہ) یعنی جب صورت حال یہ ہو کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا)، لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا، اسلئے کہ اپنے اختیار ہدایت سے روگرداں ہو گئے ہیں، باوجودیکہ انھیں ہدایت پانے کی قدرت ہے اور بہت بڑے دلائل براہین کا اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ومعائنہ بھی کر رہے ہیں، لیکن اپنے دل میں ایمان قبول کرنے کا خیال بھی نہیں لاتے۔

تو اے محبوب! آپ انکی ہدایت کیلئے ایسی جدوجہد نہ فرمائیں، جسکی آپ کو تکلیف نہیں دی گئی ہے اور اپنے ماننے والوں سے بھی فرمادیجئے کہ صراطِ مستقیم دکھادینے ہی کے وہ مکلف ہیں، منزل تک پہنچادینا یہ انکی ذمہ داری نہیں۔ (تو) اے دامن محبوب سے وابستہ رہنے والو! (تم جاہلوں کے ساتھ مت رہو) اور جاہلانہ فکر وعمل سے اپنے کو بچاتے رہو اور اچھی طرح سے یاد رکھو کہ کفر وایمان میرے خذلان اور توفیق سے متعلق ہے۔۔۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

بات وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔۔۔ اوران مرے ہوؤں کو اٹھائے گا اللہ، پھراسی کی طرف لوٹائے جائینگے●

اے محبوب! آپ جوانھیں دینِ حق کی طرف بلاتے ہیں، تو آپ کی دعوت اور ہدایت کی یہ (بات وہی قبول کرتے ہیں جو) سمع قبول سے (سنتے ہیں) اورغور وتامل کر کے اسکو سمجھتے ہیں۔ مگر کافر لوگ مُردوں کے مثل ہیں، وہ ظاہری کان سے سن تو لینگے، مگر قبول کرنا ان سے ظاہر نہ ہوگا۔ جیسے کہ مُردے سنتے تو ہیں، مگر قبول کرنے اور جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ ایسا بھی نہیں کہ ان مُردہ صفت لوگوں کوسچائی کا علم کبھی نہ ہوگا، بلکہ ایک وقت آئیگا (اوران مرے ہوؤں کو اٹھائے گا اللہ) تعالیٰ، اس وقت وہ جانیں گے۔ مگراس وقت کا جاننا کچھ فائدہ نہ دیگا اور (پھر) جزاءاور مکافات کے واسطے (اسی کی طرف لوٹائے جائینگے)۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اور سب بولے کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پرکوئی عذاب کی نشانی انکے پروردگار کی طرف سے، کہہ دو کہ بیشک اللہ

قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

قادر ہے اس پر کہ اتار دے نشانی عذاب کی، لیکن ان کے زیادہ لوگ بے علم ہیں●

ذرااس دیدہ دلیری کوتو دیکھو، کہ ماننے کیلئے نہیں، بلکہ عناد (اور) سرکشی کی بنیاد پر (سب) معجزہ طلب کرنے والے (بولے، کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی عذاب کی نشانی انکے پروردگار کی طرف سے)۔ اے محبوب! ان سے (کہہ دو، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (قادر ہے اسپر کہ اتار دے نشانی عذاب کی) یعنی تمہارے مطلوبہ معجزات جنکا آنا تمہارے حق میں عذاب کی نشانی ہی بن جائے۔ مطالبہ کرنے کوتو کردیا (لیکن انکے زیادہ لوگ) معجزہ آجانے کے بعد بھی اپنے ایمان نہ لاسکنے اور پھر عذاب الٰہی کا شکار ہوجانے سے (بے علم ہیں)۔ انھیں پتا ہی نہیں کہ اسکے بعد بھی وہ ایمان لائینگے۔۔۔یا۔۔اسکو بھی جادو کہہ کر دامن جھاڑ لینگے، جیسا کہ سابقہ نافرمان لوگ اپنے عہد کے نبیوں کے ساتھ کرتے رہے۔

چونکہ سنت الٰہیہ ہے کہ جب کسی قوم نے اپنے نبی سے معجزے کا مطالبہ کیا اور پھر اسکے مطالبے کے مطابق معجزہ عطا فرمادیا گیا، پھر بھی اس قوم نے نہیں مانا، تو عذاب الٰہی کا نزول ہوا، جس سے ساری قوم تباہ وبرباد ہوگئی اور مختلف قسم کے عذاب کا شکار ہوگئی۔ خدائے علیم و

خبیر کو علم تھا کہ اگر اس قوم پر ہم ان کا مطلوبہ معجزہ عطا فرما دیں، جب بھی یہ ماننے والے نہیں اور خدائے تعالیٰ کو اپنے فضل و کرم سے یہ منظور نہ تھا کہ اسکے حبیب ﷺ کے عہد میں اس طرح کا عذاب نازل فرمایا جائے، جو انبیاء سابقین کے عہد کے لوگوں پر نازل فرمائے گئے کہ جن پر عذاب ہوا اور قوم کی قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ اسی لئے رب کریم نے معجزے کا مطالبہ کرنے والوں کے خود اپنے انجام سے بے خبری اور لاعلمی کا اظہار کر کے ان کو سمجھنے اور سوچنے کی مہلت عطا فرما دی۔

اس مقام پر یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا رحیم و کریم ہے، جو جانوروں اور پرندوں پر بھی اپنا فضل و کرم فرماتا ہے، تو اگر مذکورہ بالا مطالبہ کرنے والوں کے حق میں انکا فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ نازل فرما دینے میں انکا بھلا ہوتا، تو رب کریم ضرور اسکو نازل کر دینے کو اپنے ذمہ کرم میں لے لیتا۔ لیکن وہ بخوبی جانتا ہے انکا فرمائشی معجزہ نازل نہ فرمانا ہی ان پر بہت بڑا احسان ہے اور یہ بھی رب کریم کا ان پر بہت بڑا فضل ہے۔ چونکہ علم الٰہی میں تھا کہ کسی صورت میں بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اسلئے انکی حسب خواہش معجزہ نہ نازل فرما کر ان کو نیست و نابود ہونے سے بچا لیا۔۔ الختصر۔۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، رب کریم نے تو جانوروں اور پرندوں تک کی حفاظت اور ان پر احسان فرمانے کو اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا ہے۔ تو اس سلسلے میں فرمانِ الٰہی سنو۔۔۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ

اور کوئی چرند نہیں زمین میں، اور کوئی پرند نہیں جو اپنے بازوؤں پر اڑتا ہے، مگر ایک ایک نوع تمہاری طرح۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے نہیں چھوڑا کتاب میں کچھ، پھر اپنے پروردگار کی طرف یہ سب ہانکے جائینگے●

(اور) یاد رکھو کہ (کوئی چرند نہیں زمین میں) چلنے والا، (اور کوئی پرند نہیں جو) فضاؤں میں (اپنے بازوؤں پر اڑتا ہے)۔۔ الختصر۔۔ سارے جانور چرند و پرند نہیں ہیں (مگر ایک ایک نوع تمہاری طرح)، یعنی جیسے نوعِ انسانی ایک نوع ہے، اسی طرح ان جانوروں میں ہر ہر جانور اپنی ایک ایک نوع والا ہے۔ اور تمہاری طرح انکے احوال محفوظ اور انکے رزق اور اجل مقدر ہیں۔۔ الختصر۔۔ مرنے، جینے، ثنائے الٰہی کرنے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہونے میں، یہ سب تمہاری ہی طرح ہیں اور

جس طرح تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسکے مملوک ومرزوق ومربوب ہو، اسی طرح یہ سارے جانور بھی اسکی مخلوق اور اسکے مملوک اور مرزوق ومربوب ہیں۔۔۔

یہاں کوئی **أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ** میں مثل کا لفظ دیکھ کر یہ حماقت نہ کر بیٹھے کہ اپنے کو مثلاً گدھوں کی طرح اور گدھوں کو اپنی طرح سمجھنے لگے، بلکہ غور کرے کہ کس وجہ مماثلت کی بنا پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور کس چیز میں تشبیہ دی گئی ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں کی حقیقت ایک نہیں ہوسکتی **مِثْلُكُمْ**۔۔یا۔۔ **أَمْثَالُكُمْ** کا لفظ ہی بتا رہا ہے، 'مشبہ' اور 'مشبہ بہ' ایک دوسرے کے عین نہیں ہیں، بلکہ غیر ہیں، تو اب وجہ تشبیہ وہی صحیح ہوسکتی ہے، جو دونوں کو ازروئے حقیقت غیر ہی رہنے دے، ایک دوسرے کا عین نہ بنائے۔ان حقائق ودقائق کو سمجھنے کیلئے اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ قرآن کریم ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی ضرورت ہے، اسلئے کہ ارشاد الٰہی ہے، کہ۔۔۔

(**ہم نے نہیں چھوڑا کتاب میں کچھ**) چنانچہ اس کتابِ الٰہی یعنی قرآن کریم میں، ہر پیش آمدہ مسئلہ کیلئے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔

چونکہ قرآن مجید کا موضوع دین کی معرفت عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان ہے، تو ان سب کے تعلق سے قرآن کریم سے ہدایت لی جاسکتی ہے۔۔۔ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم نے اطاعت رسول کا حکم دیا اور رسول کریم نے صحابہ کی پیروی کا امر فرمایا۔۔نیز۔۔قرآن کریم ہی نے اجماع وقیاس کو حجت قرار دیا اور احکام، خواہ صراحتاً قرآن کریم سے ملیں یا ارشاداتِ رسول کریم سے حاصل ہوں۔۔یا۔۔اقوالِ صحابہ سے معلوم ہوں۔یا اجماع وقیاس سے ثابت ہوں، سب کی اصل قرآن کریم ہی ہے۔تو اب یہ کہنا بالکل واقعہ کے مطابق ہے، کہ اس کتابِ مبین میں جملہ احکامِ دین موجود ہیں اس میں سے کچھ چھوٹا نہیں۔۔۔

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ زمین پر چلنے والے چرند اور فضاؤں میں اڑنے والے پرند تمہاری طرح اپنی ایک ایک نوع سے متعلق ہیں، تو آج زمین پر چلنے والے زمین پر چل رہے ہیں، یونہی فضاؤں میں اڑنے والے فضاؤں میں اڑ رہے ہیں، مگر جس طرح تمہارا حشر ہوگا اور تمہیں میدانِ حساب وکتاب میں اکٹھا کیا جائیگا، ویسے انکا حشر ہوگا۔آج یہ دنیا میں جیسا رہ رہے ہیں انھیں اسکی اجازت ہے۔۔

(**پھر اپنے رب کی طرف یہ سب ہانکے جائینگے**) اور رب تعالیٰ انکا فیصلہ فرمائیگا اور یہ ایک

دوسرے سے اپنا بدلہ لے لینگے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشادرسول ہے: 'سنو اُس ذات کی قسم جسکے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، قیامت میں ہر چیز اپنا مقدمہ پیش کرے گی، حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنھوں نے ایک دوسرے کو سینگ ماری تھیں'۔۔الختصر۔۔قیامت کے دن بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے، یہاں تک کہ چیونٹی کا چیونٹی سے قصاص لیا جائیگا۔۔الغرض۔۔میدان حساب و کتاب میں رب تعالیٰ کے حضور ہر ایک کو حاضر ہونا ہے، تو نیک بخت لوگ وہ ہیں جن کے کان حق سننے، زبان حق بولنے اور دل حق کو اپنانے کے خوگر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، بہرے اور گونگے، اندھیریوں میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے اسکی گمراہی ظاہر کردے۔

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور جسے چاہے اس کو سیدھی راہ پر لگادے●

(اور) رہ گئے وہ لوگ، (جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں) یعنی آیات قرآنیہ ومعجزات نبوی (کو)، تو انکی مثال ایسی ہے کہ وہ (بہرے) ہیں، جبھی تو قرآن کو تدبر وفہم سے نہیں سنتے، بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں، کہ وہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ انکو آیات الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے، بلکہ انکے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (اور) صرف بہرے ہی نہیں، بلکہ (گونگے) بھی ہیں، جبھی تو حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔۔الحاصل۔۔یہ نہ تو دلائل ربوبیت سنتے ہیں اور نہ ہی وحدانیت کے باب میں بات کرتے ہیں، بلکہ یہ سب کفر وجہل اور عناد وتقلید ضالین کی (اندھیریوں میں ہیں)۔اب ایسی صورت میں (جسے اللہ) تعالیٰ (چاہے) اسکی ہدایت کی توفیق منقطع فرمادے اور (اسکی گمراہی ظاہر کردے، اور) یونہی (جسے چاہے اسکو سیدھی راہ پر لگادے) اور اسکو اس پر ثابت و قائم رکھے۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرمادیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا فرمادیتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں

ان میں غور وفکر کرنے سے تکبر کرتا ہے، اس شخص میں اللہ تعالیٰ تکبر اور گمراہی پیدا فرما دیتا ہے، اور جو انسان اپنی سماعت، بصارت اور عقل سے کام لیکر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اسکی قدرت اور اسکی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے، کہ بندہ جس چیز کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے، تو گمراہ کی مذمت کس لئے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے، تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟۔۔ الحاصل۔۔ ہدایت یافتہ ہدایت حاصل کرنے کے کسب وارادہ سے قابل تعریف ہوا اور گمراہ راہ راست پر نہ آنے کے کسب وارادہ سے قابل مذمت قرار پایا۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے، تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اسکی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی مشکل کشا نہیں، اور نہ ہی کوئی حقیقی طور پر حاجت روا ہے۔ اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے۔ تو اے رسولِ مکرم آپ ان مشرکین سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ

پوچھو، کہ بتاؤ اگر آگیا تم پر اللہ کا عذاب، یا آگئی تم پر قیامت، کیا اللہ کے غیر کو پکارو گے؟

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اگر سچے ہو●

(پوچھو کہ بتاؤ) کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا۔۔یا۔۔ان پر سخت آندھیاں آتیں۔۔یا۔۔بجلی کی کڑک آلیتی۔۔یا۔۔طوفان آتا، تو (اگر آگیا تم پر) ان میں سے کوئی (اللہ) تعالیٰ (کا عذاب، یا آگئی تم پر قیامت) یعنی عذاب آخرت، تو (کیا) تم اس وقت مدد کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو پکارو گے) جو تم سے ان مصائب کو دور کریگا۔۔یا۔۔تم اپنے

ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکاروگے، جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دینگے۔ بتاؤ (اگر) تم ان بتوں کی عبادت میں (سچے ہو) اور اپنی اس عبادت کو حق بجانب سمجھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ ازخود اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ تم اپنے بتوں کو ہرگز نہیں پکاروگے۔۔۔

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ

بلکہ اسی اللہ کو پکاروگے، تو وہ دور کردے جس مصیبت کے لئے پکارتے ہو اگر چاہے،

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور جن کو اللہ کا شریک بناتے ہوانھیں بھول جاؤگے●

ع ۱۱/۹

(بلکہ اسی اللہ) تعالیٰ (کو پکاروگے)، اسلئے (تو) کہ (وہ دور کردے جس مصیبت) کو دفع کرنے (کیلئے) تم اُسے (پکارتے ہو) تا کہ اللہ تعالیٰ اسے دور فرمادے (اگر چاہے)۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہتا ہے، تو تکلیف دور فرمادیتا ہے۔ نادانو! ذرا غور کرو اور عقل سے کام لو! کہ ایسی مصیبت کے وقت میں اور اس پریشانی کے عالم میں اپنی فطرت کے تقاضے کے مطابق تم اللہ تعالیٰ ہی کو مدد کیلئے پکاروگے (اور جن کو اللہ) تعالیٰ (کا شریک بناتے ہو انھیں بھول جاؤگے)۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اسکی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی پرستش کرے اور اُسی کو پکارے، اسلئے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے، تو اسکی امید کی نظریں اسکے سوا کسی اور طرف نہیں اُٹھتیں۔۔۔

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اب اگلی آیت میں ان سے زیادہ سخت کافروں کا حال بیان فرمارہا ہے، جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور بیشک بھیجا رسول ہم نے امتوں کی طرف تم سے پہلے، پھر پکڑا ہم نے ان کو خوف ناک بلا اور دردناک بیماری سے، کہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

کہیں گڑگڑا پڑیں ● تو کیوں نہ جب آ گیا ان پر ہمارا عذاب تو گڑگڑا اٹھے۔ لیکن سخت ہو گئے ہیں انکے دل،

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہنر بنا دیا انکی نگاہ میں شیطان نے جو وہ عیب کرتے تھے ●

(اور بیشک بھیجا رسول ہم نے امتوں کی طرف) جو (تم سے پہلے) کی تھیں، مگر انھوں نے کفر اختیار کیا اور اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، (پھر پکڑا ہم نے انکو خوفناک) فقر و محتاجی کی (بلاء اور دردناک بیماری سے) تا (کہ وہ کہیں گڑگڑا پڑیں)، یعنی تا کہ وہ شاید نالہ وزاری کریں اور شرک سے منھ پھیر کر توبہ واستغفار کریں۔

(تو کیوں نہ جب آ گیا ان پر ہمارا عذاب، تو گڑگڑا اٹھے) یعنی جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے نالہ وزاری کیوں نہیں کی؟ اور تضرع و عاجزی کے ساتھ ہماری بارگاہ کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوئے؟ اگر میری بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر نالہ وزاری کرتے، تو بلا دفع ہو جاتی۔ (لیکن) وہ ایسا نہ کر سکے اور (سخت ہو گئے انکے دل)، اسلئے کہ تضرع وزاری نہ کرنا سخت دلی ہی تو ہے۔ (اور) ایسا نہ کر سکنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ (ہنر بنا دیا انکی نگاہ میں شیطان نے جو وہ عیب کرتے تھے)، یعنی شیطان نے انکے کام اور انکے کفر و معاصی کو بہتر کر دکھایا۔۔ بایں طور۔۔ کہ انھیں گمراہ کر دیا اور لذات وشہوات اور دنیاوی خوشی وراحت کی طرف بلایا اور انھیں فکر و تدبر سے دور رکھا۔ ان کو خیال تک نہ آنے دیا، کہ یہ دکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؟ وہ اپنے عیوب اور اپنی خود پسندی کو ہنر سمجھنے لگے اور گنہگار اگر اپنے گناہوں کو فن اور ہنر سمجھ لے، تو اسے اس گناہ سے توبہ کی توفیق کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

کاش وہ اس حقیقت سے متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اسلئے ہیں، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ تنگ دستی اور بیماری میں مبتلا کر کے انکو نصیحت کی گئی تھی تا کہ اس نصیحت سے سبق حاصل کر کے وہ راہِ راست پر آ جائیں، لیکن فقر و بیماری سے چھٹکارا ملتے ہی یہ غافل ہو گئے۔۔ اور۔۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ

پھر جب بھول ہی گئے جو انکو نصیحت کی گئی تھی، تو کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے،

حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝۴۴

یہاں تک کہ جب خوش ہوگئے اس سے جو دے دیا گیا انھیں، تو پکڑا ہم نے انکو اچانک، تو اب وہ بے آس ہیں●

(پھر جب بھول ہی گئے) کفر و تکذیب کرنے والے **(جو انکو نصیحت کی گئی تھی)**۔۔الحاصل۔۔ جب بلا اور محنت کے سبب سے انھوں نے نصیحت نہ مانی، **(تو)** وسعت معیشت آسان کر کے بھی ہم نے انکا امتحان لیا۔۔چنانچہ۔۔ **(کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے)**، یعنی نعمتوں اور راحتوں کے دروازے انکے لئے کھول دیئے گئے۔ **(یہاں تک کہ جب خوش ہوگئے اس سے جو دیا گیا انھیں)** اور اس میں دل کو ایسا اٹکایا اور نعمتوں اور اس سے حاصل شدہ عیش و عشرت میں ایسا منہمک ہوگئے، کہ نعمت عطا فرمانے والے 'منعم حقیقی' کو فراموش کر دیا اور اسکے شکر گزار نہیں ہوئے اور اسکے باغی ہوگئے ۔۔الغرض۔۔ نعمت عطا فرما کر انکی جو آزمائش کی گئی تھی، اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکے اور انکی سرکشی حد سے زیادہ تجاوز کر گئی، **(تو پکڑا ہم نے انکو اچانک، تو اب وہ بے آس ہیں)** اور عذاب دیکھنے کے بعد پشیمان و ناامید ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝۴۵

پھر کاٹ دی گئی جڑ ظالم قوم کی۔ اور ساری خوبیاں اللہ کیلئے ہے پروردگار سارے جہان کا●

(پھر کاٹ دی گئی جڑ ظالم قوم کی)، یعنی انکے چھوٹے بڑے سب ختم کر دیئے گئے اور انکا ایک بھی باقی نہ رہا۔

ظالم قوم کہہ کر حکم کی علت کا اظہار فرما دیا گیا ہے۔ یعنی ان کو تباہ و برباد اسلئے کیا گیا ہے اور انھیں یہ سزا اسلئے دی گئی ہے، کہ انھوں نے نعمتوں پر شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعاتِ الٰہی بجالانے کی بجائے گناہ کیے۔۔۔ چونکہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی و بربادی سے اہل دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے، کیونکہ وہ انکے عقائد و اعمال کی نحوست سے پریشان ہوتے ہیں، انکے تباہ و برباد ہونے پر انھیں نجات ملتی ہے، تو ایسوں کو تباہ و برباد کر دینا بھی اہل جہان پر خدا کی وہ ایک نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے، بالخصوص وہ نعمت جس سے دین کا جھنڈا بلند ہوا اور اسکی تمام رسولوں نے تعریف کی ہو۔

تو بے پناہ شکر **(اور ساری خوبیاں اللہ)** تعالیٰ **(کیلئے ہے)** جو **(پروردگار)** ہے **(سارے جہاں کا)**۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

پوچھو، کہ "یہ بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگادے تمہارے دلوں پر، تو کون معبود ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

اللہ کا غیر جو تمہارے لئے سب لادے؟" دیکھو کہ کس طرح سے ہم آیتیں پیش کرتے ہیں، پھر وہ لوگ روگرداں رہتے ہیں●

اے محبوب! تم ان سے **(پوچھو کہ)** اے مشرکو! **(یہ بتاؤ، کہ اگر لے لے اللہ)** تعالیٰ **(تمہارے کان)**، یعنی تمہارے کان کی شنوائی چھین لے اور تمھیں بہرا بنادے **(اور تمہاری آنکھیں)**، یعنی تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹادے اور تمہیں بالکل اندھا بنادے۔ **(اور مہر لگادے تمہارے دلوں پر)**، یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہاری عقلیں زائل ہوجائیں اور تم میں سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہوجائے یعنی تم پاگل ہوجاؤ، **(تو کون معبود ہے اللہ)** تعالیٰ **(کا غیر)**، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا **(جو تمہارے لئے سب لادے)**۔ یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کرلے، پھر کون ہے اسکے سوا جو تمہیں وہی اعضاء واپس دے۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے۔

تو اے محبوب! **(دیکھو کہ کس طرح سے ہم آیتیں پیش کرتے ہیں)** یعنی بار بار انھیں اپنی آیات دکھاتے ہیں اور انکے افہام و تفہیم کیلئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انھیں عقلیات کے مناظر دکھاتے ہیں، کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں، کبھی انھیں انکے متقدمین کے حالات سنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ 'تصریف' قرآنی اصطلاح میں ان اسباب کو کہا جاتا ہے، جنھیں بروئے کار لاکر مطلب کو واضح کیا جائے، کہ جس میں کسی طرح کا اخفا باقی نہ رہے۔

۔۔الختصر۔۔ ہم انھیں واضح انداز میں مختلف طریقے سے سمجھاتے ہیں **(پھر)** بھی **(وہ لوگ روگرداں رہتے ہیں)** اور ان آیات سے اعراض کرکے ایمان قبول نہیں کرتے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

پوچھو، کہ "یہ بتاؤ کہ اگر آپڑا اللہ کا عذاب تم پر بے بتائے، یا کھلے بند، تو کون ہلاک کیا جائے گا

إِلَّا الْقَوْمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿۴۷﴾

سوا ظالم قوم کے؟"●

اے محبوب! ان ظالموں سے (پوچھو کہ) اے ظالمو! (یہ بتاؤ کہ اگر آپڑا اللہ) تعالیٰ (کا عذاب تم پر بے بتائے) اچانک رات میں (یا کھلے بند) دن میں، تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا؟ ۔۔الختصر۔۔جیسے تمہارے پہلوں پر عذاب آیا وہی عذاب اگر آجائے، (تو کون ہلاک کیا جائیگا سوا) تم جیسی (ظالم قوم کے) ۔تمہارا ظلم ہی تم پر عذاب کا موجب ہے اور ایمان لانے کی بجائے کفر کرتے رہنا ہی تمہارا وہ ظلم ہے، جو تمہیں عذاب الٰہی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اس مقام پر مرسلین کرام سے آیات و معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کیلئے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مرسلین کی بعثت کا مقصد صرف یہی نہیں ہے، کہ وہ قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں۔۔یا۔۔ انکی غفلت دور کریں، تو کان کھول کر سن لیں کہ ہم نہیں مبعوث فرماتے۔۔۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۖ فَمَنْ آمَنَ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر مژدہ سناتے اور ڈراتے۔تو جو مان گیا،

وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۴۸﴾

اور درست بن گیا، تو نہ کوئی ڈر اسے، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

(اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر مژدہ سناتے اور ڈراتے) ۔۔الختصر۔۔انکی بعثت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو جہنم سے ڈرائیں، (تو جو مان گیا) یعنی ایمان لایا (اور) نیک عمل انجام دے کر (درست بن گیا، تو نہ کوئی ڈر اسے) یعنی جس عذاب سے انھیں ڈرایا گیا اس سے وہ بے خوف ہونگے۔نہ انھیں دنیا میں کوئی عذاب ہوگا نہ آخرت میں۔ (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔یعنی جس خوشخبری سے انھیں خوش کیا گیا ہے، دنیا کی خوشخبری ہو۔۔یا۔۔آخرت کی، اسکے فوت ہونے کا انھیں غم لاحق نہ ہوگا۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۴۹﴾

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں، تو لپٹے گا انہیں عذاب، کیونکہ وہ نافرمان ہیں●

(اور) اسکے برخلاف (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں) یعنی وہ بیانات جو انبیاء کرام نے خوشخبری دیکر اور ڈرا کر قوم کو بتائے اور انھوں نے اپنی قوم کو جو احکامات پہنچائے ان سب کی یا ان میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب کر دی، (تو لپٹے گا انھیں عذاب)، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو عذاب پہنچے گا (کیونکہ وہ نافرمان ہیں)۔۔الغرض۔۔اپنے دائمی فسق اور تصدیق و طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا جائیگا۔

کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم ﷺ سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں، تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں، ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے۔ کبھی کہتے کہ ہمیں گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنائیے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے، کیا کیا پیش آیگا تا کہ ہم منافع حاصل کر لیں اور نقصانوں سے بچنے کیلئے پہلے سے انتظام کر لیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قیامت کا دن بتائیے کب آئے گی۔ کبھی کہتے آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں اور نکاح بھی کرتے ہیں۔

انکی ان تمام باتوں کا اگلی آیت میں جواب دیا گیا جسکا حاصل یہ ہے کہ اے منکرو! تمہارا یہ کلام بے محل اور جاہلانہ ہے، جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جاسکتی ہیں جو اسکے دعوی سے تعلق رکھتی ہوں۔ غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اسکے دعوی کے خلاف حجت بنانا، انتہا درجہ کا جہل ہے۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ

کہہ دو، کہ "میں تم سے نہ یہ کہوں کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہ میں غیب ہی جانتا ہوں، اور نہ تم سے یہ کہوں کہ

اِنِّیْ مَلَكٌۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى

میں فرشتہ ہوں۔ نہیں ہے میرا کوئی فعل وقول مگر جو وحی بھیجی گئی مجھ تک"۔ پوچھو، کہ "کیا برابر ہیں اندھے

وَ الْبَصِیْرُؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ۝۵۰

اور انکھیارے؟" تو کیا نہیں سوچتے●

(کہہ دو کہ میں تم سے نہ یہ کہوں کہ میرے ہی پاس اللہ) تعالیٰ (کے خزانے ہیں) اور جب میرا یہ دعویٰ نہیں ہے، تو تمہارا مجھ سے مال و دولت کا سوال کرنا بے محل ہے۔ تو اب اگر میں اسکی طرف

التفات نہ کروں، تو تم میری رسالت کے منکر ہو جاؤ، یہ تمہاری جہالت ہے۔ (اور نہ) میرا (یہ) دعویٰ ہے (کہ میں) بذاتِ خود (غیب ہی جانتا ہوں)۔ تو جب میرا ذاتی غیب دانی کا دعویٰ ہی نہیں، تو اب اگر میں تمہیں آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں، تو میری نبوت کے ماننے میں عذر کر سکو، تمہارے لئے اسکی گنجائش نہیں۔ (اور نہ) ہی (میں تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں) کہ میرا کھانا پینا اور نکاح کرنا قابل اعتراض ہو جائے۔۔ الختصر۔۔ میں نے جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا، ان کا سوال بے محل ہے اور اسکا جواب دینا مجھ پر لازم نہیں۔ میرا دعویٰ نبوت اور رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہنیں قائم ہو چکیں، تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اور غور سے سن لو کہ (نہیں ہے میرا کوئی فعل وقول، مگر جو وحی بھیجی گئی مجھ تک)۔۔ الختصر۔۔ میں نہیں اتباع کرتا، مگر اس کی جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے۔ اس میں میرا ذاتی طور پر کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں، اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔

۔۔ الحاصل۔۔ آپ ﷺ حکم ربانی ہی کی اتباع فرماتے ہیں، خواہ وہ حکم فرشتے کی زبان سے آپ تک پہنچے۔۔ یا۔۔ فرشتہ زبان سے تو کچھ عرض نہ کرے، لیکن اشارہ وکنایہ سے کچھ کہے اور آپ کے دل میں حکم الٰہی کا القاء فرمائے۔۔ یا۔۔ براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو۔۔ بایں طور۔۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے۔ نبی کریم کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ 'وحی از اوّل تا آخر وحی ہے' اور 'اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد ہے اور اسکا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہوگا، کہ گویا وہ ابتداء ہی وحی ہے'۔۔۔

جب حضور نبی پاک ﷺ نے اپنی ذات کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا، تو اس سے لازماً ثابت ہوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اسکے دعوی کو گمراہی سے تعبیر فرما رہے ہیں، اسلئے کہ ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو، وہ نابینا کے عمل کے مشابہ ہے۔ اور وہ عمل جو مقتضائے وحی ہو، وہ نابینا کے عمل کی طرح ہے۔ تو اے محبوب! ان نادانوں سے۔۔۔

(پوچھو کہ کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے) یعنی کیا گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہو سکتے ہیں؟ (تو کیا نہیں سوچتے) یعنی کلام الٰہی کو سن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے، تا کہ اسکی اتباع کر کے ہدایت

پا جائیں اور وحی کے مقتضاء پر چلنے والے ہو جائیں۔

چونکہ توبیخ کا دارومدار دو امروں کے نہ ہونے پر ہے:

ا۔کلام حق کا نہ سننا۔ ۲:اس میں تفکر نہ کرنا۔

اسلئے کلام الٰہی کو بغور سننا اور پھر اس میں تفکر کرنا نجات کے حصول کیلئے ضروری ہے۔۔

تو خوف دلاؤ۔۔۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور ڈراؤ اس سے انھیں جو خوف کریں، کہ حشر کئے جائیں اپنے پروردگار کی طرف۔ کہ نہیں ہے اس کے سوا ان کا کوئی

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

مددگار اور نہ سفارشی، کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں●

(اور ڈراؤ اس سے) جس سے ڈرانے کی تم پر وحی کی گئی ہے **(انھیں، جو خوف کریں کہ حشر کئے جائیں)** گے **(اپنے پروردگار کی طرف)** جزاء کے دن۔

مسلمانوں کو یہ خوف لغزشوں کی کثرت اور عمل میں کمی کی وجہ سے ہوگا اور دوسرے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جو حشر ونشر کا عقیدہ رکھتے ہیں یہ خوف، انکے اپنے باطل نظریات اور انکی اپنی بداعمالیوں کے سبب ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔انھیں روز قیامت سے ڈراؤ اور ان پر واضح کر دو **(کہ نہیں ہے اسکے سوا انکا کوئی مددگار اور نہ)** ہی کوئی **(سفارشی)**۔۔لہٰذا۔۔گنہگاروں کو یہ خیال بھی نہ آنا چاہئے، کہ قیامت کے میدان میں اذن الٰہی کے بغیر انکی کوئی سفارش کر سکے گا۔

جو ماذون الشفاعۃ ہوگا اور جسکے لئے اُسے اذنِ شفاعت ملا ہوگا، تو صرف وہی اور صرف اسی کیلئے سفارش کر سکے گا۔رہ گئے مشرکین وکافرین، تو انکا یہ خیال غلط ہے کہ انکے بت انکی سفارش کرینگے۔۔یا۔۔انکے آباء واجداد انکے سفارشی ہونگے۔اسلئے ان فرضی سفارشیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ اذنِ شفاعت ملا ہے اور نہ ہی قیامت تک ملنے والا ہے۔رہ گئے یہود ونصاریٰ جو اس خیالِ خام کا شکار ہیں، کہ وہ انبیاء کرام کی اولاد ہیں، تو انبیاء کرام انکی سفارش فرمائینگے، انکو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ انبیاء کرام اور اللہ کے دوسرے محبوب بندوں کو صرف ایمان والے بندوں کی سفارش کا اذن عطا فرمایا جائیگا۔

۔۔لہٰذا۔۔کفار و مشرکین کیلئے یہ حضراتِ قدسی صفات میدانِ قیامت میں نہ تو مددگار ہونگے اور نہ ہی سفارشی۔ جن جن کو ڈرانے کا حکم ملا ہے ان میں نصیحت قبول کرنے والا دل اور نصیحت سننے والے کان انھیں کے پاس ہیں جو ایمان والے ہیں، اگر چہ انکے اعمال اچھے نہ ہوں۔۔یا پھر۔۔وہ لوگ اس نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور وہ سچے دل سے ہوش حواس کی کامل بیداری کے ساتھ حق کے متلاشی ہیں۔

تو اے محبوب! ان سب کو ڈراؤ، تا (کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں)، تو ان میں جو برے اعمال کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں وہ اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر کے اسکی اطاعت کریں۔۔اور۔۔ان میں جو کفر و معاصی میں مبتلا ہیں، وہ کفر و معاصی سے بچیں اور نیک اعمال والے ہو جائیں۔

رہ گئے وہ سردارانِ قریش جو آپکی بارگاہ میں آکر اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں اور اس شرط پر حاضر ہونا چاہتے ہیں کہ آپ ابن مسعود، بلال، مقداد، عمار، صہیب اور ان جیسے فقیروں اور غلاموں کو اپنی محفل میں حاضر نہ ہونے دیں۔۔یا۔۔کم از کم یہ سردارانِ قریش جب آئیں، تو انکو محفل سے اٹھادیا جائے، اسلئے کہ ان جیسوں کے ساتھ ہم نشینی انکے لئے باعثِ شرم و عار ہے۔ اب اگر یہ نہیں رہتے، تو یہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے، آپ کی صحبت میں بیٹھنے اور کلام کو سننے کیلئے تیار ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پھر اسکے بعد یہ اسلام کو قبول کرلیں۔

نبی کریم نے پہلے انکو یہ جواب دیدیا کہ میں مسلمانوں کو اپنی صحبت سے نہیں نکال سکتا۔ پھر فاروقِ اعظم نے عرض کیا ان کافروں کو ایک موقعہ دے دیجئے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اس صورت میں یہ اپنے ایمان لانے کے عہد پر کہاں تک قائم رہتے ہیں، چونکہ اللہ کے رسول ﷺ اگر ایک طرف رحیم الفطرت تھے تو دوسری طرف انکے ایمان کے آرزومند بھی تھے، اسلئے انکے شرفاء کی درخواست قبول فرمالی۔ اور جب ان لوگوں نے اس وعدہ پر دستاویز چاہی، تو حضور کے فرمانے سے لوگوں نے لکھنے کا سامان حاضر کردیا۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس گفتگو کو قلم بند کردو۔

آپ ﷺ کے کریمانہ طرزِ عمل سے کفار کیلئے یہ بھی گنجائش نہیں رہ گئی، کہ وہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو اپنے ایمان لانے کی صورت کی پیشکش کی تھی، مگر وہ قبول نہیں کی گئی اور ہمارے احساسات کا لحاظ نہیں کیا گیا، تو ہم کیسے ایمان لاتے۔ لیکن رب کریم کو یہ بات منظور نہ ہوئی

کہ رسول کریم کی اپنے سچے غلاموں کو اپنی محفل سے نہ اٹھانے کی دلی آرزو کو پورا نہ کیا جائے اور سرداران قریش کے احساسِ برتری اور انکے کبر وغرور کی حوصلہ افزائی کی جائے، تو اس سے پہلے کہ رسول کریم اس تعلق سے کچھ ارشاد فرماتے، اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم نازل فرمادیا، کہ اے محبوب! اپنے غلاموں کو اپنی بارگاہ سے نہ نکالنے کی آپ کی آرزو بالکل صحیح ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ؕ

اور نہ نکالو انھیں جو پکاریں اپنے پروردگار کو صبح وشام، طالب ذات ہو کر۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ

نہ تم پر ان کا کچھ حساب ہے، اور نہ تمہارا کچھ حساب ان پر ہے۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾

اب ان کو نکال دو تو بیجا ہوگا●

(اور) رب کریم کی بھی رضا اسی میں ہے، کہ (نہ نکالو انھیں جو پکاریں اپنے پروردگار کو صبح و شام طالبِ ذات ہو کر) یعنی خالصاً لوجہ اللہ ذکر الٰہی کرتے ہیں اور نماز فجر ہو۔۔یا۔۔نماز عصر، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دونوں جہان کے سر پر لات ماردی ہے اور ساری مخلوقات، یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی آزاد ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنی جملہ خواہشات کو حکم ربانی کا تابع کردیا ہے۔ انکی ساری عبادتیں جنت کی خواہش۔۔یا۔۔جہنم کے خوف کی وجہ سے نہیں، بلکہ صرف رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اب اگر کفار اپنے گمانِ فاسد سے انکی عبادتوں کو، اور آپ کی صحبت میں انکے بیٹھے رہنے کو ریاکاری پر محمول کرتے ہیں اور صرف دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے قرار دیتے ہیں، تو اس سے آپکا کیا نقصان؟ اسلئے کہ (نہ تم پر انکا کچھ حساب ہے، اور نہ) ہی (تمہارا کچھ حساب ان پر ہے)، اسلئے کہ انکو انکے اعمال کی جزاء دینا۔۔یا۔۔انکو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ انکو رزق مہیا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں ہے۔ اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزاء بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ کرم میں ہے، کسی اور کے ذمہ نہیں۔

--لہٰذا-- یہ مشرکین کی خام خیالی ہے، جو یہ سوچتے ہیں یہ غرباء مسلمین کھانے پینے کی لالچ میں آپ سے قریب ہوتے ہیں--یا--آپ اپنی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے انکو اپنے قریب رکھتے ہیں---ان نادانوں کو نہیں معلوم کہ آپ پر ان غرباء مسلمین کے رزق اور انکے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں، کہ آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور انکے باطن کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں، اور جب ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں، انکے ساتھ مجلس میں بیٹھیں اور انکو اپنے سے دور نہ کریں۔

(اب) اگر بالفرض تم (ان کو) اپنی مجلس سے (نکال دو،تو) یہ عمل (بے جا ہوگا) جو آپکی شایانِ شان نہیں--الغرض--اس عمل کی ممانعت کے بعد اسکو کرنا--یا--اسکا ارادہ کرنا، دونوں ہی گناہ ہیں، جسکا صدور آپ سے محال ہے۔رہ گیا ممانعت سے پہلے اسکو کسی نیک مقصد کے پیش نظر انجام دینا--یا--اسکا عزم کرلینا، یہ آپکے لئے مباح تھا، تو اس وقت آپ کی یہ سوچ 'کہ آپکا منصب تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے، تو اگر بڑے بڑے سرداران قریش اسلام قبول کرلیں، تو انکو دیکھ کر انکے متبعین بھی مسلمان ہوجائینگے، تو اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھا دیا جائے، تو ہر چند اس میں انکی دل شکنی ہوگی، لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اسکے نتیجے میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہوگئے، تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے۔اور زیادہ نفع کیلئے کم نقصان کو برداشت کرلیا جاتا ہے' بیشک برحق سوچ تھی اور آپ کا اجتہاد بالکل صحیح تھا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ

اور اسی طرح سے ہم نے فتنہ قرار دے دیا ان میں سے ایک کو دوسرے کیلئے، تاکہ بکا کریں کہ یہی نادار ہیں جن پر

عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ۝

احسان فرمایا اللہ نے ہم میں سے۔کیا اللہ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟●

(اور) جس طرح تجھ سے پہلے آزمایا ہے ہم نے فقیروں کو مالداروں کے ساتھ (اسی طرح سے ہم نے فتنہ قرار دے دیا ان میں سے ایک کو دوسرے کیلئے)، یعنی بعض بعض کیلئے آزمائش ہوگئے

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ہم نے بعض شرفاء قریش کو قریش کے بعض مالی حالات سے کمزوروں کے ساتھ امور دین میں آزمایا اور انھیں مقدم رکھا عرب کے قوی لوگوں پر ایمان لانے میں سبقت کرنے میں۔تو جو کمزور تھے اور جنکی مالی حالت اچھی نہ تھی،انھوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور دولت وثروت والے اور قوم میں معزز سمجھے جانے والے دیکھتے رہ گئے۔

ہم نے یہ آزمائش اسلئے کی،(تا کہ) یہ سردارانِ قریش فقراء مسلمین کو دیکھ کر حقارت سے اور حسد وجلن میں جل بھن کر (بکا کریں،کہ) کیا (یہی نادار ہیں) ایمان اور احسان کی نعمت۔۔یا۔۔ توفیق اور ہدایت کی وجہ سے (جن پر احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ہم میں سے؟) آخر ان میں کون سی خوبی تھی جسکی وجہ سے ان کو ہم پر ترجیح دی گئی؟ تو اے منکرو! بتاؤ (کیا اللہ) تعالیٰ اپنے مخلص بندوں اور (شکرگزاروں کو) اچھی طرح (نہیں جانتا)؟ مومنانہ عزت وکرامت کی مسند ہر ایک کا نصیب نہیں،اور نہ ہی دنیوی شان وشوکت اور دولت وثروت سے یہ حاصل ہوسکتی ہے۔یہ تو صرف مومنین ہی کا مقدر ہے،جو خالصا لوجہ اللہ عبادت گزاروں اور شکرگزاروں میں ہیں۔۔۔

۔۔الحاصل۔۔مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالمقابل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے۔مالدار کافر فقراء صحابہ سے انکی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہوگئے،تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہونگے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی۔اور فقراء صحابہ ان مالدار کافروں کو عیش،راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مال ودولت کی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہوگئی؟ جبکہ ہم مال اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں۔تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا،اور دوسرا فریق اسکو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔

اور اس بنا پر کافر یہ کہتے تھے،کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟

۔۔اور۔۔اہل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور درست ہے اور اسکے فعل میں حکمت ہے اور اسکے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔تو اے محبوب! آیت مذکورہ میں جن غرباء مسلمین کا ذکر ہے،انکو کافروں کی دلدہی کیلئے اپنی مجلس سے اٹھا دینا تو بڑی بات ہے،انکے ساتھ کوئی ایسا سلوک بھی نہ کریں جس سے انکی دل شکنی ہو اور یہ کبیدہ خاطر ہوجائیں۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی

اور جب آ گئے تمہارے پاس وہ، جو ہماری آیتوں کو مانیں، تو کہو کہ تم پر سلام ہے۔ لکھ دیا تمہارے پروردگار

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

نے اپنے کرم پر رحمت کو، کہ بلاشبہ جس نے تم میں سے کرلیا برا کام نادانی سے، پھر توبہ کرلی اس کے بعد،

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾

اور درست ہو گیا، تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

چونکہ یہ آپکی نوازشات (اور) نگاہ کرم کے محتاج ہیں، تو ایسی صورت حال میں (جب آ گئے) ان میں سے کچھ لوگ (تمہارے پاس) یا انکے سوا (وہ) سارے لوگ (جو ہماری آیتوں کو مانیں) او[ر] آپکی بارگاہ میں صرف اسلئے حاضر ہوں کہ آپ انکے لئے دعا واستغفار کریں، (تو) پوری کشادہ خاطر[ی] کے ساتھ ان سے (کہو کہ تم پر سلام ہے)۔ خدا کرے تمہیں ہر دکھ تکلیف اور ہر آفت ومصیبت [سے] سلامتی وعافیت ہو۔۔ الختصر۔۔ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

اے محبوب! آپ کی وجاہت سے آنے والوں پر جو ہیبت چھا جاتی ہے، خود آپ کے سلا[م] کرنے میں سبقت کی وجہ سے اس ہیبت میں خاطر خواہ کمی ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ آپ [سے] پورے طور پر مستفید ومستفیض ہو سکیں گے۔

تو اے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فضل خداوندی کے طلبگارو! غور سے سن لو کہ (لکھ دیا) ہے (تمہارے پروردگار نے اپنے کرم پر رحمت کو)۔۔۔ یعنی اس نے انکی بخشش ورحمت کا وعدہ فرمالی[ا] ہے۔ ایسا وعدہ جس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں۔۔۔ رب کریم نے کیا وعدہ فرمالیا ہے؟ وہ یہ (کہ بلاشبہ جس نے تم میں سے کرلیا برا کام نادانی سے)، یعنی اس حال میں کہ اسکے انجام سے ناواقف ہو اور اس پر کیا عذاب ہوگا؟ اس سے بے خبر ہو (پھر توبہ کرلی اسکے بعد) یعنی اس کام کو کرنے کے بعد (اور) پھر پورے طور پر (درست ہو گیا) اور پختہ عزم کرلیا، کہ اب یہ گناہ کبھی نہ کرونگا (تو بیشک) اسکے لئے (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے۔ یعنی اسکے گناہوں کا بخشنے والا اور اسکی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے۔ اور (رحیم ہے) یعنی اس پر خصوصی مہربانی فرمانے والا ہے۔ اور یہ بھی اسکی مہربانی ہے جو وہ یہ ارشاد فرمار[ہا] ہے کہ سننے والو! سنو۔۔۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور اسی طرح سے ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں، اور تاکہ ظاہر ہوجائے مجرم لوگوں کا طریقہ●

(اور) یادرکھو کہ (اسطرح سے ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں اور) توضیح کرتے ہیں (تاکہ ظاہر ہوجائے مجرم لوگوں کا طریقہ)، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء وقدر کے دلائل بہت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کئے ہیں، قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت بیان کئے ہیں، اسی طرح ہم ہراس حق کو بیان کرتے ہیں جسکا اہل باطل انکار کرتے ہیں، تاکہ مومنین کیلئے مجرمین کا طریقہ واضح ہوجائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہوجائیگا، تو اہل حق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہوجائیگا، کیونکہ باطل کی ضد حق ہے اور ایک ضد کی خصوصیت اسکے مقابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

اے محبوب! اس قدر حق کے واضح ہوجانے کے بعد کفار کی بے عقلی تو دیکھو، کہ آپ کو اپنے باطل اور بت پرست آباء واجداد کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔ ان سب کو صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

بتادو کہ بیشک میں روکا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں انھیں کہ تم جن کی دہائی دیتے ہو اللہ کو چھوڑ کر،

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

کہہ دو، کہ "میں تمہارے خیالات کا تابع نہیں ہوں۔ کہ ایسا ہو تو میں بہک گیا، اور راہ پر نہ رہا"●

(بتادو کہ) میرے پاس توحید کے بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارے میں متعدد قرآنی آیات میرے اوپر نازل ہوئیں۔۔ چنانچہ۔۔ (بیشک میں روکا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں انھیں کہ تم جن کی دہائی دیتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اے کافرو، تم جو کچھ کہتے ہو یہ تمہاری اپنی ذاتی خواہشات ہیں اور (کہہ دو کہ میں تمہارے) ان باطل (خیالات کا تابع نہیں ہوں) کیوں (کہ) میں ہدایت پر ہوں، تو پھر اپنے خدا کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تو اگر بفرض محال (ایسا ہو)، کہ میں تمہاری پیروی کرلوں، (تو میں بہک گیا اور) ہدایت یافتہ لوگوں کی (راہ پر نہ رہا)۔

اے محبوب! نضر بن حارث اور دوسرے رؤسائے قریش آپ سے جو یہ کہتے ہیں، کہ اے

محمد ﷺ کہاں تک ہمیں عذاب الٰہی سے ڈراؤ اور دھمکاؤ گے، جو عذاب کر سکتے ہو وہ ہم پر کرو اور اب زیادہ ہمیں نہ ڈراؤ۔ان سبھوں سے۔۔۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ

کہو، کہ "بیشک میں اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر ہوں، اور تم نے اس کو جھٹلا دیا۔ میرے پاس وہ عذاب نہیں

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝

جسکی تم کو جلدی ہے"۔ حکم ہے بس اللہ کا۔ بتا دیتا ہے حق، اور بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے●

(کہو کہ بیشک میں اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسکو جھٹلا دیا)۔۔الغرض۔۔ اس روشن دلیل یعنی قرآن کریم اور وحی ربانی کے جتنے احکام ہیں ان سب کو تم نے پس پشت ڈال دیا من جملہ انکے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھے۔حق کو سمجھنے اور ماننے کیلئے یہ روشن دلیل کافی ہے۔عذاب الٰہی میں ہلاک ہو جانے کے بعد کوئی حق کو ماننے اور اپنانے کے لائق ہی کہاں رہ جاتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔نضر بن حارث کا حطیم میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ 'اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے، تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا۔۔یا۔۔ہمارے اوپر دردناک عذاب نازل فرما'۔۔یہ اسکی جہالت اور بے عقلی ہے۔اے محبوب! فرما دو کہ اے کافرو! (میرے پاس وہ عذاب نہیں، جسکی تم کو جلدی ہے)۔ یہاں تک کہ اسکے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ میرے ذاتی حکم اور ذاتی قدرت کے تحت ہے، اسی لئے اسکو سچ کر دکھانے کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔

تو غور سے سنو کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔اسلئے کہ (حکم ہے بس اللہ) تعالیٰ (کا)۔اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں ذاتی طور پر کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس میں جلدی۔۔یا۔۔بدیر کا کوئی حکم نہیں۔بیشک اللہ تعالیٰ (بتا دیتا ہے حق)، یعنی جمیع احکام کا بیان کرنے میں حق کی اتباع کرنے ہی کا حکم فرماتا ہے۔بنا بریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بالغہ جاری ہے (اور) وہ (بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے)۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ

کہہ دو، کہ "اگر میرے ہی پاس ہوتا وہ عذاب جسکی جلدی مچا رہے ہو، تو اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

اور اللہ زیادہ جانتا ہے ظالموں کو●

اے محبوب! (کہہ دو کہ) اے کافرو! (اگر میرے ہی پاس ہوتا وہ عذاب جسکی جلدی مچار ہے ہو)، یعنی وہ عذاب جسکے لئے وعیدیں وارد ہیں، اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا، (تو) عذاب طلب کرتے ہی فوراً تمہارے اوپر نازل ہو جاتا اور پھر (اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا)۔ اس میں امر کی ہولناکی اور حسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (زیادہ جانتا ہے ظالموں کو)، یعنی اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اسکے علم میں ہے کہ انھیں مہلت دینا استدراجاً ہے، تاکہ انھیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں کیا اور نہ ہی جلدتر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بالذات علیم وخبیر ہے۔۔۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ نہیں بتاتا مگر وہی۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے۔ اور نہیں گرتا

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کوئی پتہ، مگر وہ اس کو جانتا ہے، اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں، اور نہ تر

وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ خشک، مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے●

(اور اسکے پاس ہیں غیب کی کنجیاں) غیب کے خزانے، یعنی جو کچھ پوشیدہ ہے خلق سے جیسے ثواب، عذاب اور وقتوں کا انقضاء اور اتمام، اور کاموں کا خاتمہ اور انجام (نہیں بتاتا) اور نہیں ظاہر فرماتا (مگر وہی)، تو عذاب میں جلدی۔۔۔یا۔۔۔دیر اُسی کی حکمت سے وابستہ اور اسی کی مشیت سے متعلق ہے۔

ارشاد رسول کریم سے ظاہر ہے کہ **مَفَاتِحُ الْغَیْبِ** دراصل وہ علوم خمسہ ہیں، سورۂ لقمان میں جنکا ذکر ہے، جن کو رب علیم وخبیر کے سوا بذات خود، کوئی نہیں جانتا۔ علوم خمسہ کا ذکر صرف انکی اہمیت کو ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جملہ غیوب کا علم بذات

خود خدا ہی کو ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی انکا علیم ہے اور خبیر ہے، یعنی جاننے والا اور خبردار فرمانے والا ہے، تو اپنے محبوبوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکو انکے بعض سے باخبر فرمادیتا ہے۔

یہ خبر فرمادینا قدرت الٰہی سے باہر نہیں، اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

علم الٰہی کا عالم یہ ہے، غور سے سنو (اور) یاد رکھو (وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی) میں ہے۔۔مثلاً: نباتات اور حیوانات وغیرہ (اور تری میں ہے) یعنی دریا میں ہے۔۔مثلاً: جواہر اور پانی کے جانور وغیرہ ۔۔یا۔۔جو کچھ عالم شہادت کے بیابان میں اور عالم غیب کے دریا میں ہے، وہ سبھی کا جاننے والا ہے (اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسکو جانتا ہے) کہ کتنے پتے درخت سے گرے، کتنے باقی رہے۔اور وہ گرا ہوا پتہ زمین میں کتنی بار الٹا پلٹا (اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں، اور نہ تر اور نہ خشک، مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے) لوح محفوظ میں سبھی کا ذکر ہے۔

۔۔الحاصل۔۔جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مغیبات کو جانتا ہے، اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اسکا علم تمام موجودات کو محیط ہے۔زمین و آسمان میں سے کوئی ذرّہ اس سے پوشیدہ نہیں، وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جانتا ہے۔جمادات، نباتات اور حیوانات کی تمام حرکات اور انکے تمام احوال اسکے علم میں ہیں، اور مکلفین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔زمین کے اندھیروں میں بوئے ہوئے بیج اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال میں سے کوئی چیز اسکے علم سے باہر نہیں۔اسکے علم کو سمجھ چکے، تو آؤ اب اسکی قدرت کو بھی دیکھو۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ

وہ ایسا ہے، کہ وفات دیتا ہے تم کو رات میں، اور جانتا ہے جو تم دن میں کما چکے ہو، پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے،

لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

تاکہ پوری کردی جائے میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر بتادے گا تم کو جو کر رہے تھے •

بیشک (وہ ایسا ہے کہ وفات دیتا ہے تم کو رات میں) یعنی تمیز اور حواس زائل کر کے تمہیں مردہ کی طرح بنادیتا ہے۔اور روح حیات کو جسم میں باقی رکھتے ہوئے، اس میں سے روح احساس نکال لیتا ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ اسکو بھی (جانتا ہے جو تم دن میں کما چکے ہو)۔۔المختصر۔۔نیند طاری کرنے

سے پہلے بیداری میں جو اعمال تم انجام دے چکے ان سے بھی باخبر ہے اور (پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے) اور روح حساسہ کو تمہارے جسم میں پلٹا دیتا ہے اور مرکر زندہ ہونے کا ایک احساس تمہیں دلا دیتا ہے۔

یہ نیند اور پھر یہ بیداری اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، ہر انسان جس سے باخبر ہے۔

اس بیداری سے اسے بھی محروم نہیں کیا جاتا، جسکے تعلق سے اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بیدار ہوکر پھر گناہوں کے کاموں میں لگ جائیگا۔

یہ نیند طاری کرنا، پھر بیدار کرنا، انکا سلسلہ مشیت الٰہی کے مطابق چلتا رہیگا (تاکہ پوری کردی جائے میعاد مقرر) یعنی نیند سے اٹھنے والا موت تک اپنی میعادِ زندگی پوری کر سکے۔ (پھر) موت سے (اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر بتادیگا تم کو جو کر رہے تھے) یعنی وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے، انکی تمہیں جزاء سزا دیگا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى إِذَا جَآءَ

اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر، اور بھیجتا ہے تم پر نگراں کار، یہاں تک کہ جب آگئی

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾

تم میں سے کسی کی موت، تو عمر پوری کردی اسکی ہمارے قاصدوں نے، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ●

(اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر) اسکے سوا بندوں کے جملہ امور کا ہر طرح سے اور کوئی متصرف نہیں۔ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے (اور بھیجتا ہے تم پر نگراں کار) جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔ انکو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جارہے ہیں، جو قیامت میں برسرِ میدان عوام کے سامنے ظاہر ہونگے، تو برائیوں سے رک جائیگا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائیگا، تو اسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ کراماً کاتبین رات اور دن کیلئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے دوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے، تو اسے دائیں جانب والا فرشتہ ایک کی بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے، اور جب بندہ برائی کرتا ہے، تو

بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے کہ رک جا۔ وہ چھ سات ساعات رکا رہتا ہے، پھر اگر وہ برائی پر استغفار کرتا ہے، تو اسکی برائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر استغفار نہیں پڑھتا، تو اسکے نامہءاعمال میں صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

یہ فرشتے لوح محفوظ کے کاتبین اور اس پر مقرر فرشتوں سے لوح محفوظ پر لکھے ہوئے حالات کو معلوم کر لیتے ہیں اور لوح محفوظ میں چونکہ تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں خواہ انکا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے۔ تو یہ کراماً کاتبین لوح محفوظ پر مقرر فرشتوں سے بندوں کے دلی ارادوں اور انکے عزائم کی بھی خبر حاصل کر لیتے ہیں اور پھر اسکو بندوں کے نامہءاعمال میں لکھ لیتے ہیں۔ تو رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے ویسے ہی وہ لکھ لیتے ہیں، گو اسکے قبل بھی وہ انکے اعمال کو جانتے ہیں۔

۔۔الختصر۔ تمہارے اوپر نگراں فرشتے مقرر ہوتے ہیں، جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں (یہاں تک کہ جب آگئی تم میں سے کسی کی موت) اور ختم ہوگئی اسکی مدتِ حیات (تو عمر پوری کردی اسکی ہمارے قاصدوں نے)، یعنی ملک الموت اور انکے مددگار چودہ[۱۴] فرشتوں نے جن میں سات[۷] رحمت کے فرشتے ہیں اور سات[۷] عذاب کے۔۔الختصر۔۔اسکے بدن سے روحِ حیات نکال لی۔ پھر جب ملک الموت مومنوں کی روح قبض کرتے ہیں، تو رحمت کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور جب کافروں کی جان نکالتے ہیں، تو عذاب کے فرشتوں کے حوالے کر دیتے ہیں (اور وہ) یعنی یہ فرشتے کسی طرح کی کوئی (کوتاہی نہیں کرتے) اور جب وقت آپہنچتا ہے، تو روح نکالنے میں تاخیر نہیں کرتے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

پھر لوٹا دیئے گئے اللہ کی طرف، ان کا حقیقی مولیٰ۔ سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے۔۔ اور وہ جلد حساب فرمانے والا ہے●

(پھر) موت کے بعد (لوٹا دیئے گئے) یہ سب کے سب (اللہ) تعالیٰ (کی طرف) یعنی اسکے حکم وجزا کی طرف حساب کے موقف میں۔۔یا۔۔یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کیلئے مطیع کر کے لائینگے، کہ ایسے مالک کی طرف انھیں لایا جاتا ہے کہ اب اسکے سوا انکا کوئی مالک نہیں اور نہ ہی اسکے سوا کوئی حاکم ہے اور وہی (انکا حقیقی مولیٰ) ہے۔ یعنی ایسا مالک جو علی الاطلاق جملہ امور کا مالک ہے، تو

(سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے) اور اس دن اپنے بندوں کا فیصلہ صرف وہی فرمائیگا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔ (اور وہ جلد حساب فرمانے والا ہے)۔

اس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے لیگا اور یہ بھی ہے کہ اسکے لئے ایک کا حساب دوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اسکا کلام کسی عضو سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رویت کا محتاج ہوگا۔۔ کثیر جن وانس اور پھر انکے بے شمار اعمال، لیکن سب کا حساب اتنی دیر میں لے لینا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی کم وقت میں، یہ حق سبحانہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اسکا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اسکی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور انکے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اسکی رحمت، اسکے فضل اور اسکے احسان پر دلالت کرتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

پوچھو کہ کون نجات دیتا رہتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے، جس سے دعا کرتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے،

لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

کہ اگر اس بلا سے نجات دے دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے●

اے محبوب! اہل مکہ سے (پوچھو کہ کون نجات دیتا رہتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے)۔ خواہ وہ حسی اندھیرے ہوں۔۔ مثلاً: رات کا اندھیرا، گہرے بادلوں کا اندھیرا، بارش اور آندھیوں کا اندھیرا، اور سمندر میں موج و تلاطم کا اندھیرا۔۔یا۔۔ وہ معنوی اندھیرے ہوں۔۔ مثلاً: ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید، نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف، اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف۔

۔۔الغرض۔۔ ایسے اسباب جمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ

صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت وہ زبان اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل وکرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ماویٰ وملجا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔ اور جب اس حال میں وہی فریادرس اور دستگیر ہے، تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہئے، اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اور اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

تو اے مکہ کے کافرو! کہ جب تم ان مذکورہ بالا مصیبتوں کا شکار ہوتے ہو، تو وہ کون نجات دہندہ ذات ہے (جس سے دعا کرتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے)۔ اس وقت تمہارا حال یہ ہوتا کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر، اور دل میں نہایت ہی عجز وانکسار سے اس وقت یہ کہتے ہو (کہ اگر) اللہ تعالیٰ نے ہم کو (اس بلا سے نجات دے دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے) اور اس نعمت کی وجہ سے اسپر مداومت کرنے والوں سے ہونگے۔

ظاہر ہے کہ شکر نام ہے اعترافِ نعمت کا، بشرطیکہ اس نعمت کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ اس منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور برائیوں سے بچے، نہ یہ کہ الٹا اسکے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنھیں کسی شے کی بھی قدرت نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

بتادو کہ اللہ نجات دیتا ہے تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے، پھر تم شریک بناتے ہو●

اے محبوب! ان مشرکین کو (بتادو کہ) ایسے پرآشوب حالات میں (اللہ) تعالیٰ (نجات دیتا ہے تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے) مگر تمہارا عجیب حال ہے کہ نجات پاجاتے ہو اور تمام نعمتوں کا مشاہدہ کرلیتے ہو، اسکے باوجود (پھر) بھی (تم شریک بناتے ہو) غیر خدا کو خدا کا۔ الغرض۔ تمہارا یہ شرک کرنا بھی ترک شکر الٰہی ہے، اسلئے کہ جو خدا کا حقیقی معنوں میں شاکر ہوگا، وہ مشرک نہیں ہوسکتا۔ ۔۔اے مشرکو! کیا عذاب عذاب چلاتے ہو اور نزول عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہو! غور سے سن لو کہ مصائب وآلام میں تم جسکو پکارتے ہو اور وہ تمہیں نجات عطا فرماتا ہے، تو کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ وہ عذاب نازل نہیں فرما سکتا؟ ارے نادانو! عذاب نازل نہ فرمانے میں اسکی حکمت بالغہ ہوتی ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ

کہہ دو کہ وہ قادر ہے اس پر کہ بھیج دے تم پر عذاب، اوپر سے اور

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ

پاؤں تلے سے، یا کردے تم کو شیعہ شیعہ، اور مزا چکھادے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

دیکھو کہ ہم کس طرح، طرح طرح سے آیتیں بتاتے ہیں کہ وہ سمجھ سے کام لیں●

اے محبوب! ان نادانوں سے **(کہہ دو کہ وہ قادر ہے اسپر کہ بھیج دے تم پر عذاب اوپر سے)** جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا۔۔یا۔۔لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسے تھے **(اور پاؤں تلے سے)** جیسے اہل فرعون دریا میں غرق ہوگئے۔۔یا۔۔قارون جو زمین میں دھنس گیا۔ اوپر کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تم پر ظالم حکام کو مسلط کردے۔۔یونہی۔۔نیچے کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمہارے ماتحت بدمعاش اور بدکردار غلام وخدمتگار کردے **(یا کردے تم کو شیعہ شیعہ اور مزا چکھادے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا)** یعنی ملادے تمہیں باہم گروہ گروہ اور ہر گروہ کی آرزو، تمنا اور مدعا، دوسرے گروہ کے خلاف ہو، کہ اس مخالفت کی وجہ سے باہم مقاتلہ ہو، آپس میں تلواریں چلیں اور ایک دوسرے کو قتل کرے۔ اسطرح ہر ایک اپنے مقابل سے رنج پائے اور اسکی طرف سے کی گئی سختی برداشت کرے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ اس مقام پر شیعہ سے مراد وہ گروہ ہے، جو کسی امر مذموم پر مجتمع ہو۔ اسی لئے اس معنی میں شیعہ ہونا بھی ایک طرح کا عذاب الٰہی ہے۔۔الختصر۔۔رب قدیر اگر چاہے تو مذکورہ بالا عذاب میں سے کوئی۔۔یا۔۔سب ہی۔۔یا۔۔انکے سوا کوئی دوسرا عذاب ۔۔الغرض۔۔وہ قادر مطلق ہر طرح کے عذاب نازل فرمانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اے محبوب! **(دیکھو ہم کس طرح، طرح طرح آیتیں بتاتے ہیں کہ وہ سمجھ سے کام لیں)** یعنی قرآنی آیات کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، کبھی وعدوں سے، کبھی وعیدوں سے، یعنی کہیں وعید بیان کی گئی تو ساتھ وعدہ بھی۔۔الغرض۔۔مختلف وجوہ سے آیات کو وارد کیا گیا ہے۔ اول سورہ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے، تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے فطری امر سے واقفیت حاصل کر کے

مکابرہ وعناد سے لوٹ کر ایمان واسلام کی طرف رجوع کریں۔ مگر صورتِ حال یہ رہی کہ کچھ بھی سمجھ سے کام نہیں لیا۔۔۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿۶۶﴾

اور جھٹلایا اس کو تمہاری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے۔ صاف کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں●

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ہر بات کا وقت ہے۔ اور جلد تم جان لوگے●

(اور جھٹلایا اس) عذاب موعود (کو)۔۔یا۔۔قرآن کو، جو اس عذاب کی خبر دینے والا ہے (تمہاری قوم نے) جو تم سے عناد رکھتی ہے (حالانکہ وہ حق ہے) یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا۔۔یا۔۔ یہ کہ جو کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ اے محبوب! (صاف کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں) کہ میرے ہاں تمہارے تمام امور سپرد کیے گئے ہوں، تا کہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور انھیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں، اسلیئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سنا چکا ہوں، جنھیں تم دیکھو گے اور اچھی طرح سے جان لو، کہ قرآن کریم میں خبروں کی شکل میں جو باتیں مذکور ہیں ان میں۔۔۔

(ہر بات) کے وقوع (کا) ایک (وقت) مقرر (ہے) (اور جلد تم جان لوگے) عذاب کے وقوع کو دنیا۔۔یا۔۔آخرت۔۔یا۔۔دنیا وآخرت دونوں میں۔ اس مقام پر جبکہ تکذیب، استہزا اور تمسخر کرنے والوں کا ذکر ہے، تو اسکے تعلق سے یہ نصیحت ملحوظ خاطر رہے۔۔۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

اور جب تم دیکھ پاؤ ان کو، جو نکتہ چینی کریں ہماری آیتوں میں، تو منہ پھیر لو ان سے، یہاں تک کہ لگ جائیں

فِیْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

کسی دوسری بات میں۔ اور اگر بھلا وا دے تم کو شیطان، تو نہ بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ●

(اور) ہر حال میں اسکا خیال رہے، کہ (جب تم) اے محبوب! ۔۔یا۔۔تمہارے دامن کرم سے وابستہ تمہارا کوئی امتی (دیکھ پائے انکو جو نکتہ چینی کریں ہماری آیتوں میں) اور کفار قریش کی طرح انکا مذاق بنائیں، انکی تکذیب کریں۔۔یا۔۔کسی طرح کی طعن و تشنیع کریں، (تو منہ پھیر لو ان سے) اور ان سے اعراض کرو اور انکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو۔ اور اگر ساتھ بیٹھے ہو تو اٹھ جاؤ، (یہاں تک کہ لگ جائیں کسی دوسری بات میں) اور قرآنی آیات سے استہزا وغیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کر دیں۔ اب انکے ساتھ کسی نیک مقصد کے پیش نظر بیٹھا جا سکتا ہے۔

(اور اگر) تم میں سے کسی کے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آئے کہ (بھلا وا دے تم کو شیطان)، یعنی ایسی محفل سے 'جس میں آیات قرآنیہ کی تکذیب کی جارہی ہو' اٹھ جانے کا حکم یاد نہ رہے (تو نہ بیٹھو یاد آ جانے پر ظالم قوم کے ساتھ)۔

ظالم کا لفظ استعمال فرما کر واضح فرما دیا گیا، کہ ان سے کنارہ کشی کے حکم کی علت انکا ظالم ہونا ہے۔ اب جو بھی ظالم ہو اور اسکے ظلم کی نوعیت کچھ بھی ہو، خواہ وہ کفر و شرک کی وجہ سے ظالم ہو۔۔یا۔۔بدعتی اور گمراہ ہونے کی وجہ سے ظالم ہو۔ چونکہ دونوں میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے ہیں، تو ان سے کسی طرح کے قلبی رابطے اور دلی محبت کی اجازت نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ان سے اسطرح کے معاملات نہیں کئے جا سکتے، جو دلی رابطے اور قلبی محبت کے تقاضے ہیں۔

رہ گئے مسلمان فاسقین، تو ان کے گناہوں سے تو نفرت کی جائیگی، لیکن انکی ذات سے بالکلیہ بے تعلقی نہیں کی جا سکتی۔ تو اب اگر ان سے کنارہ کشی میں انکے لئے ہدایت ہے، تو ان سے بے تعلق رہا جائیگا اور اگر انکے قریب آ کر انکی ہدایات کے امکانات روشن ہوں، تو انکو اپنے قریب کیا جائیگا۔ اور انکو اپنی صحبت میں رکھ کر اور اخلاقی قدروں سے متاثر کر کے گناہوں کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی جائیگی۔

یہ کام بھی انہیں کا ہے جو غیروں پر اپنا اثر ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور دوسروں کی صحبت کی برائی سے اپنے کو بچا سکتے ہوں۔۔لہٰذا۔ عام لوگوں کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ کفار و مشرکین اور فساق و فجار، ہر ایک کی صحبتوں اور قربتوں سے اپنے کو بچائے رہیں اور انکی صحبتوں کے برے اثرات سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتے رہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے ایمان والوں کو جو حکم ملا اس کے پیش نظر صحابہ کرام نے بارگاہ رسول ﷺ میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں کعبہ کا طواف اور مسجد حرام میں نشست

کرنا ضروری ہے اور مشرک بھی وہاں ہوتے ہیں اور برابر قرآن اور اہل ایمان کے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہیں اور ہم کو انکی مجلس میں رہنا پڑتا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ ہم انھیں بحث کرنے اور طعن وتشنیع کرنے سے روک بھی نہیں سکتے۔ اب ایسی صورت میں کیا ہم گنہگار ہونگے؟ تو اے محبوب! ان کو سنادو۔۔۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۞

اور ان پر جو تقوی شعار ہیں کچھ سوال نہیں، لیکن نصیحت کردینا، کہ وہ ڈر جائیں●

(اور) انھیں بتادو کہ (ان پر جو تقوی شعار ہیں کچھ سوال نہیں)، یعنی ان پرہیزگاروں سے ان ظالموں کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی (لیکن) انکا فرض ہے انکو (نصیحت کردینا) اور بس ۔۔ چنانچہ۔۔ وہ ان کافروں کو نصیحت کریں اور انھیں اپنی وسعت کے مطابق سمجھائیں، کہ قرآنی آیات پر طعن وتشنیع اور انکی تکذیب نہ کریں۔۔ بلکہ۔۔ انکے سامنے ایسی برائیوں پر کراہت کا اظہار کریں، (کہ وہ ڈر جائیں)، یعنی اس کام سے پرہیز کریں اور شرمائیں۔ اور مسلمانوں کی ناراضگی کا خوف ان پر طاری ہوجائے۔ اے محبوب! اس سلسلے کی ایک بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ۔۔۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ

اور انھیں چھوڑ دو جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کود، اور دھوکہ دے دیا ان کو دنیاوی زندگی نے، اور قرآن سے نصیحت دو،

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ

کہ کوئی ہلاکت میں ڈال دیا گیا اپنے کرتوت کی وجہ سے، نہ رہ گیا اسکا بنایا ہوا اللہ کو چھوڑ کر مددگار نہ سفارشی۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

اور اگر اپنا معاوضہ میں دے سارے بدلے تو لیا نہ جائے۔ وہ ہیں جو ہلاک کردیے گئے اپنے کرتوتوں سے۔

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۞ ع

انکے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ سزا ہے اسکی جو کفر کیا کرتے تھے●

آپ (اور) وہ مسلمان جو آپ کے پیروکار ہیں سب کے سب (انھیں چھوڑ) د(و)، یعنی ان

سے یک لخت دوری اختیار فرماؤ اور ان سے مکمل طور پر کنارہ کشی کرلو اور ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلنا چھوڑ دو (جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کود)، یعنی کھیل اور تماشے پر اپنے دین کی بناء رکھی ہے، جیسے بتوں کی عبادت، بحائر وثوائب کی حرمت، جس دین کی طرف پیغمبر انھیں بلاتے ہیں اس دین کے ساتھ مسخرا پن اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔۔یا۔۔میقات عبادت جو انکی عید ہے اُسے لھو 'یعنی ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگادے' اور لعب 'یعنی وہ عمل جو نفس کو مفید امور سے پھیر دے'، میں گزارتے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔انکا پورا دین ہی کھیل کود ہو گیا اور اسی کھیل کود کو انھوں نے اپنا دین سمجھ لیا (اور) اسکی وجہ یہ ہے کہ (دھوکہ دیدیا انکو دنیاوی زندگی نے)، چنانچہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیں ہمیشہ یہیں کے نقش ونگار اور عیش وعشرت میں رہنا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔دنیا ہی کی زندگی ہماری آخری زندگی ہے، اسکے بعد اب ہمیں کوئی اور زندگی ملنے والی نہیں۔۔چنانچہ۔۔بعث وحشر کا انکار کر بیٹھے۔ اس مقام پر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ رسول کریم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روکا جارہا ہے، اسلئے کہ ارشاد فرمایا جارہا ہے اے محبوب! انکو راہِ مستقیم دکھاتے رہو (اور قرآن سے نصیحت دو) تا (کہ) ایسا نہ ہو کہ قرآنی ہدایت نہ پانے کی وجہ سے (کوئی ہلاکت میں ڈال دیا گیا اپنے کرتوت کی وجہ سے) اور (نہ رہ گیا) اس نفس گرفتار کیلئے (اسکا) اپنا (بنایا ہوا) جسے (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) معبود بنالیا تھا اسکا (مددگار)، اور (نہ) ہی (سفارشی)۔

۔۔الختصر۔۔ان باطل معبودوں اور کفار کے خیالی سفارشیوں میں کوئی ایسا نہیں، جو اسکا دوست بن کر اسکی مدد کر سکے۔۔یا۔۔سفارشی بن کر اسے عذاب سے خلاصی دے سکے (اور اگر) عذاب سے چھٹکارے کیلئے وہ نفس گرفتار (اپنا معاوضہ میں دے سارے بدلے) یعنی ہر قسم کا فدیہ دے، (تو) اس سے (لیا نہ جائے) اور قبول نہ کیا جائے۔ تو اے محبوب! آپ انکو قرآنی ہدایت کی تبلیغ فرماتے رہیں اور مذکورہ بالا ہلاکتوں سے باخبر فرماتے رہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ہدایت پاکر اسلام قبول کرلے اور مذکورہ ہلاکتوں سے اپنے کو بچا سکے۔

جس گروہ کی ہلاکت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ (وہ) لوگ (ہیں جو ہلاک کردیئے گئے اپنے کرتوتوں سے)۔۔چنانچہ۔۔انکی بدعقیدگی اور بداعمالی کی وجہ سے انھیں عذاب کے فرشتوں کے سپرد کردیا گیا۔ دوزخ میں (انکے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے)۔ پانی سے انکا اندر جلے گا اور عذاب سے انکا باہری حصہ جھلسے گا۔ یہ (سزا ہے اسکی جو کفر کیا کرتے تھے)۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہہ دو کہ کیا ہم دہائی دیں تمہارے، اللہ کو چھوڑ کر، بنائے کو؟ جو نہ ہمارا بنا سکیں نہ بگاڑ سکیں، اور الٹے رخ پلٹا دیے جائیں، بعد اسکے

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ

کہ ہدایت دے دی ہم کو اللہ نے، جیسے وہ جس کو پھسلا کر کر دیا شیطانوں نے زمین میں حیرت زدہ۔ اس کے کچھ لوگ ہیں

یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

جو اسے بلا رہے ہیں ہدایت کی طرف، کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی تو ہدایت ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا،

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہان کے پروردگار کیلئے ● اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔
وہ ہے جس کی طرف تمہارا حشر کیا جائے گا ●

اے محبوب! ان کافروں سے (کہہ دو) جو آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف آنے کی دعوت دے رہے ہیں (کہ کیا ہم دہائی دیں) یعنی معبود سمجھ کر پکاریں، (تمہارے، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر بنائے کو)، یعنی جن کو اللہ تعالیٰ سے باغی ہو کر اور اسکے حکم کو نظر انداز کر کے تم نے اپنے طور پر معبود بنالیا ہے۔ تو اس تمہارے ہاتھ کے بنائے ہوؤں کو کیا ہم بھی معبود سمجھنے لگیں؟ حالانکہ انکا حال یہ ہے (جو نہ ہمارا بنا سکیں) بالفرض اگر ہم انکو اپنا سمجھ بھی لیں اور (نہ بگاڑ سکیں) اگر ہم اسے چھوڑ دیں۔۔ الغرض ۔۔ یہ کسی طرح کے نفع ونقصان پر قادر نہیں۔۔ لہٰذا۔۔ انکی جو عبادت کرے اسے کوئی فائدہ ہونیوالا نہیں ۔۔ یونہی۔۔ اگر کوئی انکی عبادت سے انکار کر دے، تو اسے کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔

اے کافرو! آخر تم چاہتے کیا ہو؟ (اور) تمہارا مقصد کیا؟ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ ہم (الٹے رخ پلٹا دیئے جائیں، بعد اسکے کہ ہدایت دے دی ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے)۔۔ الغرض ۔۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم مرتد ہو جائیں اور شرک کی طرف رجوع کریں، بعد اسکے کہ ہدایت دی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف اور کفر وضلالت کے قید خانے سے نجات دی۔ اور اب اگر ہم دین حق سے پھر جائیں تو ہو جائینگے ویسے (جیسے وہ، جسکو پھسلا کر کر دیا شیطانوں نے زمین میں حیرت زدہ) نہ جانتا ہے اور نہ کچھ تدبیر کر سکتا ہے۔ اور وہ زمین بھی ایسے بیابان میں ہو، جو سیدھی راہ سے دور ہو۔ (اسکے کچھ لوگ ہیں جو) ازراہِ شفقت (اسے بلا رہے ہیں ہدایت کی طرف کہ ہمارے پاس آجاؤ) اور شیطان اسے اپنی طرف بلاتے ہیں اور وہ اس امر میں متردد ہے کہ میں شیطانوں کے ساتھ جاؤں

۔۔یا۔۔یاروں کی طرف۔ پھر اگر وہ شیطان کا کہا مانتا ہے، تو ہلاکت میں پڑتا ہے اور اگر یاروں کی پکار کو سنتا ہے تو نجات پاتا ہے۔

اس تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو گیا، وہ اس شخص کے مثل ہے جسے شیطان مومنین کے لشکر میں سے بھگا لے گئے ہوں اور خطرناک بیابان میں ڈال دیا ہو۔ لشکری رفیق جو مومن لوگ ہیں، صراطِ مستقیم یعنی شریعت اسلامیہ کی طرف آنے کیلئے اُسے پکارتے ہیں اور شیطان صفت لوگ فریب دینے والے اور ضلالت کے میدان کی طرف کھینچتے ہیں۔ اب اگر وہ شخص مومنین کی پکار پر پھر آئے، تو اپنے کو لشکر اسلام میں پہنچا کر اپنی اصل منزل پر آ جائے اور اگر شیطانوں کے ساتھ رہے تو کفر اور بے دینی پر مرے۔

تو اے محبوب! (کہہ دو کہ) ہدایت وہ نہیں ہے جسکی طرف شیطان بلا رہا ہے، بلکہ بیشک (اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہی تو ہدایت ہے) یعنی اسلام ہی دین صحیح اور راہ مستقیم ہے، جس میں ہمیں ہدایت دی گئی ہے۔ (اور ہمیں حکم دیا گیا) ہے (کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہان کے پروردگار کیلئے) اور اسکے سچے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں۔

(اور یہ) حکم دیا گیا ہے (کہ نماز قائم رکھو) اسے کما حقہ ہمیشہ ادا کرتے رہو (اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے رہو)، نہ کبھی اسکی نافرمانی کرو اور نہ ہی کبھی نماز کی ادائیگی میں سستی کرو اور اچھی طرح ذہن نشین رکھو، اللہ تعالیٰ (وہ ہے جسکی طرف تمہارا حشر کیا جائیگا)۔ قیامت کے دن اسکی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، جہاں حساب کتاب ہوگا اور جزاء و سزا کے فیصلے صادر فرمائے جائینگے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ

وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک۔ اور جس دن فرمائیگا کہ ہو جا، تو ہو جائیگا جو نہ رہا ہوگا۔۔۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ

اسکی بات حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ غیب و شہادت کا جاننے والا۔

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور وہی حکمت والا خبردار ہے●

(وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک) صحیح و برحق یعنی علوی اور سفلی

عوالم اور جوان کے اندر ہے، سب اسی کا پیدا کردہ ہے۔ یہ ساری مخلوقات اور مصنوعات اسکی قدرت اور وحدانیت پر دلیل ہیں۔ انکو پیدا کرنا بے فائدہ، باطل، اور خطا نہیں ہے۔ **(اور)** آگے بھی **(جس دن فرمائیگا کہ ہوجا، تو ہوجائیگا، جو نہ رہا ہوگا)**۔۔ الختصر۔۔ قیامت کے دن ایک لفظ کُنْ سے ہی سارے مردوں کو زندہ فرمادے گا، اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اسلئے کہ **(اسکی بات حق ہے)** ایسا سچ ہے جسکو ہونا ہی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ وہ بڑا ہی قادر مطلق ہے **(اور اسی کی حکومت ہے)** پوری کائنات میں اُسی کا حکم چلتا ہے، اسکے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ اس دن بھی اسی کی حکومت ہوگی **(جس دن پھونکا جائے گا صور میں)**۔

صور ایک سینگ ہے جسکی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ صور تین مرتبہ پھونکا جائیگا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہوجائینگے اور انھیں یقین ہوجائیگا، کہ اب مرنے کا وقت قریب آچکا ہے۔ دوسری بار صور پھونکنے سے سب مرجائینگے اور تیسری بار صور پھونکنے سے سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوجائینگے۔ صور پھونکنے کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ اس دن مجازاً بھی کسی طرف ملک وملکیت کی نسبت نہیں کی جائیگی۔

اور وہی **(غیب وشہادت کا جاننے والا)** ہے یعنی جو ہمارے حواس وادراک سے پوشیدہ ہے ۔۔یا۔۔ جنکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کا وہی عالم ہے۔ **(اور وہی حکمت والا)** ہے، جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اور تمام جلی وخفی امور سے **(خبردار ہے)**۔

اس سے پہلے آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر انکی پرستش کریں، جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، تو اب اس اگلی آیت میں حضرت ابراہیم اور انکی قوم کا ذکر کیا۔ انکی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور حضرت ابراہیم انکو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا کفار مکہ کو بت پرستی سے منع کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے تھے اور اس میں یہ تنبیہ ہے، کہ اپنے نیک آباء واجداد کی پیروی کرنی چاہیئے۔

حضرت ابراہیم نے آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا اسکا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا، تا کہ اس سے مشرکین عرب کے خلاف استدلال کیا جائے، کیونکہ تمام مذاہب وادیان کے ماننے والے انکی بزرگی اور انکی فضیلت کا اعتراف

کرتے تھے اور سب انکی ملت کی طرف انتساب کے دعوے دار تھے۔ یہود و نصاریٰ انکی ملت کی اتباع کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے، اسلئے انکی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔ تو اے محبوب! بتادو۔۔۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ

اور جبکہ کہا ابراہیم نے اپنے بابا آزر کو، کہ کیا بناتے ہو بتوں کو معبود؟

اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۷۴

بیشک میری رائے میں تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں ہے●

(اور) یاددلادو حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کی اہل مکہ کو جو انکی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں، تاکہ وہ سمجھیں کہ انکے لئے مناسب طرز عمل یہی ہے، کہ توحید میں آپ کی پیروی کریں اور آپکی اتباع میں خدائے واجب الوجود کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔۔الختصر۔۔حضرت ابراہیم کا قصہ یہ ہے (جبکہ کہاابراہیم نے اپنے بابا) یعنی اپنے والد تارخ۔۔یا۔۔تارح کے بھائی (آزر کو)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ ایک ہے لفظ 'والد' اور ایک ہے لفظ 'اَب' والد صرف اس کو کہا جایگا جس نے جنا۔ اسی لئے جننے والے کے سوا کسی پر لفظ والد کا اطلاق مجازاً بھی نہیں کیا جاتا۔ اسکے برعکس 'اَب' یعنی باپ کا لفظ جننے والے کے سوا پر بھی بولا جاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ قرآن کریم میں حضرت اسحاق کو رسول کریم کا 'اَب' یعنی باپ قرار دیا گیا ہے، یونہی سورۂ بقرہ میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ ارشاد فرمایا گیا ہے، حالانکہ حضرت اسماعیل آپ کے چچا تھے۔ ویسے بھی ہر پرورش کرنے والے، تربیت فرمانے والے کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ والد کے بڑے بھائی کو بابا اور بڑے ابو اور چھوٹے بھائی کو چچا کہنا ہمارے علاقے میں بھی ایک عام سی بات ہے۔

بلکہ اَب کی نسبت کبھی کسی دوسری وجہ سے بھی دی جاتی ہے، جیسے ابوہریرہ، ابوتراب، ابوالوقت، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہر مولود کا والد ایک ہی ہوتا ہے، اسکے سوا کسی اور کو اسکا والد نہیں کہا جاتا، تو کوئی بھی اس دعائے ابراہیمی سے دھوکا نہ کھائے کہ آپ نے دعا کی کہ:

'اے اللہ میری اور میرے والدین کی قیامت کے دن مغفرت فرما'۔۔۔

۔۔۔اسلئے کہ انکی یہ دعا اپنے والد کی مغفرت کیلئے ہے جو مشرک نہ تھے۔ آپ کی یہ دعا آپ

کے چچا آزر، جو آپ کا 'اَب' تھا، مگر والد نہیں تھا، کیلئے نہیں تھی۔ اسلئے کہ جسکی موت کفر پر ہوگئی ہو، اسکی مغفرت کی دعا کفر ہے۔ بھلا حضرت ابراہیم سے یہ غلطی کیسے ہوسکتی تھی۔۔ الختصر۔۔ جسکے لئے دعائے مغفرت کی گئی یعنی آپ کے والد تارح۔۔یا۔۔ تارخ، وہ کافر نہ تھے۔ اور جو کافر تھا، یعنی آپ کا چچا آزر، اس کیلئے دعا نہیں کی گئی۔

۔۔الحاصل۔۔ جب حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا، (کہ کیا بناتے ہو بتوں کو معبود) جن کو تم نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے؟ (بیشک میری رائے میں تم اور تمہاری قوم) جو تمہاری تابع ہے (کھلی گمراہی میں ہے)، جن کی گمراہی طبع سلیم اور عقل مستقیم پر بالکل واضح ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝

اور اسی طرح دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو مملکت آسمانوں کی اور زمین کی، اور تاکہ چشم دید یقین کرنے والوں سے ہوجائیں۔

(اور اسی طرح) جس طرح اسکی قوم کی گمراہی ہم نے دکھادی تھی (دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو مملکت آسمانوں کی اور زمین کی)، چنانچہ حضرت ابراہیم کو صخرہ پہ لاکر عرشِ معلّیٰ سے تحت الثریٰ تک سب ان پر کھول دیئے اور زمین و آسمان کے طبقات کے سارے حجابات ہٹادیئے، تاکہ آپ اسے ملاحظہ فرمالیں اور انکے سبب سے خدائے قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ پر دلیل پکڑیں (اور تاکہ) حضرت ابراہیم (چشم دید یقین کرنے والوں سے ہوجائیں)۔

ویسے تو انھیں قدرت الٰہی کا 'علم الیقین' پہلے ہی حاصل تھا۔ اب خدا نے چاہا کہ وہ ان امور کے تعلق سے 'عین الیقین' والے بھی ہوجائیں۔ حضرت ابراہیم کی والدہ نے نمرود کے خوف سے آپ کو آپ کی ولادت کے بعد ایک غار میں چھپادیا تھا۔ سات [۷] ۔۔یا۔۔ تیرہ [۱۳] ۔۔یا۔۔ سترہ [۱۷] برس غار میں رہنے کے بعد، جبکہ آپ مکمل طور پر سن شعور تک پہنچ چکے تھے، تو آپ کی والدہ نمرود کے دربار میں پیش کرنے کی نیت سے آپ کو لیکر شہر کی طرف چلیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت ابراہیم اپنی ماں کے ساتھ شہر کو چلے۔۔۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

پس جب چھا گئی ان پر رات، ایک تارہ کو دیکھا اور کہا، "ایں یہ ہمارا پروردگار ہے"، پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا "میں ڈوبنے والوں کو

الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ

پسند نہیں کرتا● پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا، کہا "اچھا یہ ہے ہمارا پروردگار"، پھر جب ڈوب گیا، تو کہا، کہ "بیشک اگر راہ نہ دیتا مجھ کو

رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

میرا پروردگار، تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہوجاتا"● پھر جب دیکھا آفتاب کو چمکتا ہوا، کہا "افوہ یہ ہے ہمارا پروردگار"،

هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

"یہ بہت بڑا ہے"۔ پھر جب وہ ڈوب گیا،" کہا اے قوم بیشک میں بیزار ہوں ان سے جنکو تم شریک ٹھہراتے ہو●

(پس جب چھا گئی ان پر رات، ایک تارہ کو دیکھا) اور کچھ ستارہ پرستوں کو اسکا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ خاموش نہ رہے (اور کہا، ایں یہ ہمارا پروردگار ہے) بے وقوفو! کیا تم نے اسکو اپنا پروردگار گمان کرلیا ہے؟ (پھر جب وہ ڈوب گیا) تو اپنی حقیقت پسندی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے (کہا) کہ (میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ اس واسطے کہ جو پروردگارِ عالم ہے اسکے لئے زوال اور انتقال درست نہیں۔ پھر تھوڑی سی راہ اور چلے، اور چودھویں رات تھی، چاند نکلا۔۔۔

(پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا) جسکے سامنے ماہتاب پرست سجدے میں گر پڑے (کہا) فکرو دانش سے تہی دامنو! تمہارے خیال میں (اچھا یہ ہے ہمارا پروردگار، پھر جب ڈوب گیا) یعنی افق سے مغرب کی طرف جھکا، (تو کہا کہ بیشک اگر راہ نہ دیتا مجھ کو میرا پروردگار) اور مجھ کو اپنی معرفت نہ کرادیتا، (تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہوجاتا)۔ پھر وہاں سے چلے اور شہر کے قریب پہنچے، تو آفتاب طلوع ہوا۔۔۔

(پھر جب دیکھا آفتاب کو چمکتا ہوا) اسکے آگے بھی بہت لوگ متوجہ ہوکر سجدہ ریز ہوگئے، تو (کہا افوہ یہ ہے ہمارا پروردگار؟ یہ) تارا قرص اور روشنی میں (بہت بڑا ہے) دوسرے تاروں سے۔ تو آفتاب پرستوں نے اسکو ہمارا پروردگار خیال کرلیا ہے؟ (پھر جب وہ ڈوب گیا) اور زوال وانتقال کے آثار اس پر بھی ظاہر ہوگئے، تو اپنی سارے قوم کو مخاطب فرما کر (کہا، اے قوم بیشک میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک ٹھہراتے ہو)۔۔۔ اور سن لو کہ۔۔۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا

بیشک میں متوجہ کرچکا یکسو ہوکر، اپنے رخ کو اسکی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو،

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

(بیشک میں متوجہ کر چکا) خالصاً لوجہ اللہ (یکسو ہو کر اپنے رخ کو) قلبی جھکاؤ کے ساتھ (اسکی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو)۔ حال یہ ہے کہ میں سب باطل دینوں کی طرف سے مائل ہوں دین توحید کی طرف، (اور میں مشرکین سے نہیں ہوں)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب شہر میں آئے اور انھیں نمرود کو دکھانے لے گئے اور نمرود ایک بدصورت آدمی تھا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا کہ تخت پر بیٹھا ہے اور نہایت خوبصورت غلام اور لونڈیاں اسکے تخت کے گرد صف باندھے ہیں۔ انھوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے جسے دکھانے مجھے لایا گیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ سب کا خدا ہے۔ پھر پوچھا اسکے تخت کے گرد کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ سب اسکی مخلوق اور اسکے پیدا کئے ہوئے لوگ ہیں۔ حضرت ابراہیم یہ جواب سن کر مسکرانے لگے، اور فرمایا یہ کیسا خدا ہے جس نے دوسروں کو اپنے سے بہتر بنایا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا، کہ وہ ان سب سے بہتر ہوتا۔ غرضیکہ حضرت ابراہیم برابر بتوں کی مذمت کیا کرتے اور اس سلسلے میں ان کی قوم ان سے جھگڑتی رہتی ۔۔ چنانچہ ۔۔ جب کٹ حجتی کی ۔۔۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

اور حجت لڑائی ان سے ان کی قوم نے، تو کہا کہ کیا حجت بازی کرتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ مجھے راہ دے چکا، اور میں ڈرتا ہی نہیں

بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

انکو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی کچھ چاہے۔ چھا گیا ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر، تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے؟

(اور حجت لڑائی ان سے انکی قوم نے، تو کہا) حضرت ابراہیم نے (کہ کیا حجت بازی کرتے ہو مجھ سے اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں) اور اسکی وحدانیت کے تعلق سے؟ اور چاہتے ہو کہ مجھ پر غالب آجاؤ؟ (حالانکہ وہ مجھے راہ دے چکا) اور توحید کی طرف میری ہدایت فرما چکا۔ اور اے کافرو تم مجھے ڈراتے کیوں ہو؟ کہ تمہارے بتوں کے خلاف بولنے کی وجہ سے مجھ پر بلا نازل ہو جائیگی تو نادانو! سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (میں ڈرتا ہی نہیں انکو، جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک ٹھہراتے ہو)۔ انکو کسی کو

بنانے یا بگاڑنے کا کیا اختیار ہے۔

یہ پتھر تو چاہنے اور نہ چاہنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہیں، تو ذہن نشین کرلو، کہ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی کچھ چاہے) اور مکروہات میں سے کوئی چیز کسی کو اسکی طرف سے پہنچے۔ (چھا گیا ہے ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر)۔ کوئی چیز اسکے دائرہ علم سے باہر نہیں، (تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے) اور عاجز اور قادر، عالم اور جاہل میں تمیز نہیں کرتے۔ بے وقوفو! غور کرو۔۔۔

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ

اور میں کیسے ڈروں اسے جس کو تم نے شریک بنالیا ہے،؟ حالانکہ تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم نے اللہ کا شریک اس کو بنا رکھا ہے جس کی اس نے

عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾

نہیں نازل فرمائی کوئی سند۔ "تو ہر دو فریق میں امن کا حق دار کون ہے؟" بولو "اگر علم کا دعویٰ رکھتے ہو"۔۔●۔۔

(اور) سوچو کہ (میں کیسے ڈروں اُسے جسکو تم نے خدا کا (شریک بنالیا ہے، حالانکہ تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم نے اللہ) تعالیٰ (کا شریک اس کو بنا رکھا ہے جسکی اس نے نہیں نازل فرمائی کوئی سند)، یعنی کوئی کتاب اور کوئی دلیل۔ (تو) اب تم ہی بتاؤ کہ (ہر دو فریق میں) یعنی موحدوں اور مشرکوں میں سے اصولی طور پر (اس کا حقدار کون ہے، بولو اگر علم کا دعویٰ رکھتے ہو) اور بتاؤ کہ کون اس بات کے بہت لائق ہے کہ وہ عذاب الٰہی سے بے خوف رہے۔

حضرت ابراہیم کے سوال کا جواب فکر و دانش سے عاری یہ لوگ کیا دیتے؟ خود رب تعالیٰ نے جواب عطا فرمادیا، کہ اس کے حقدار وہ ہیں۔۔۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملایا اپنے ایمان کو باطل کے ساتھ، وہ کہ انھیں کیلئے امن ہے اور وہی راہ پائے ہیں●

(جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملایا اپنے ایمان کو باطل کے ساتھ)۔ (وہ) وہی ہیں (کہ انھیں کیلئے امن ہے، اور وہی راہ پائے ہیں)، یعنی وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے والے ہیں اور دوسرا انکا بالمقابل گروہ، وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ تو جو ہدایت یافتہ ہیں، وہی اسکے مستحق ہیں کہ دوزخ

کے عذاب سے محفوظ و مامون رہیں۔ اور وہ گفتگو جو فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡهِ الَّیۡلُ سے شروع ہو کر وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ تک ختم ہوتی ہے، ہماری طرف سے مضبوط دلیل۔۔۔

وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ

اور یہ ہماری جیتی بات ہے، جو دی تھی ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر۔ ہم بلند فرماتے ہیں درجے جسکے چاہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۸۳﴾

بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا علم والا ہے●

(اور یہ ہماری جیتی بات ہے)، یعنی جتا دینے والی اور کامیاب کردینے والی بات ہے، جسکو سن کر حریف صامت و ساکت اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اور جس کلام کی یہ خصوصیت ہو، اسکو حجت کہتے ہیں، جو ہر طرح کی کٹ حجتی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔۔ المختصر۔۔ یہ ہماری وہ مضبوط دلیل ہے (جو) دوستی کی راہ سے (دی تھی ہم نے ابراہیم کو)، تاکہ وہ اسکو بطور دلیل پیش کریں (انکی) اپنی (قوم پر) اور یہ تو ہماری سنت قدیمہ ایسی ہے کہ (ہم بلند فرماتے ہیں درجے جسکے چاہیں) علم و حکمت میں۔ (بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا) ہے، بندوں کے درجے بلند اور پست کرنے میں اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے کہ کونسا بندہ درجے بلند کرنے کا مستحق ہے اور کون سا نہیں۔۔ علاوہ ازیں۔۔ ہم نے ابراہیم پر بے حد نوازشیں کیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھیں ابوالانبیاء قرار دیا اور انکی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا۔۔۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ

اور دیا ہم نے ان کو اسحٰق و یعقوب۔ سب کو راہ دی۔ اور نوح کو ہم راہ دے چکے تھے پہلے سے، اور ان کی

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ؕ

نسل سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون کو۔

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۸۴﴾

اور اسی طرح ہم اجر دیتے ہیں مخلص بندوں کو●

(اور دیا ہم نے انکو اسحاق) جیسا بیٹا، جو انبیاء بنی اسرائیل کا باپ ہے (اور یعقوب) جیسا

پوتا عطا کیا، جن کو اسرائیل کہا گیا اور ان (سب کو) ہم نے (راہ دی) اور ہدایت بخشی، یعنی ان دو میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کلماتِ علمی وعملی کی توفیق بخشی۔ (اور) انکے جدِ کریم (نوح کو ہم راہ دے چکے تھے پہلے سے)، تو پھر یہ ایک اولوالعزم رسول کے فرزند جلیل بھی ہوئے (اور) نوح کی شان رفیع یہ ہے کہ (انکی نسل سے داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وہارون) جیسے عظیم المرتبت انبیاء کرام (کو) ظاہر فرمایا (اور) جس طرح ہم نے ابراہیم کو اجر اور جزا دی انکے درجے بلند کر کے، (اسی طرح ہم اجر دیتے ہیں مخلص بندوں کو)، یعنی نیک کام کرنے والوں کو انکے استحقاق کے موافق محض اپنے فضل وکرم سے۔ گو وہ اعمالِ صالحہ والے ہیں، مگر ان پر ہماری نوازش انکے اعمالِ صالح کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ صرف اپنے فضل بے پایاں اور کرم بے نہایت کے سبب ہے۔۔۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور زکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس، سب بڑی اہلیت والے ہیں●

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور اسماعیل والیسع ویونس ولوط۔ اور ہم نے سب کو فضیلت دی تھی دوسروں پر●

(اور) علاوہ ازیں ہم نے ہدایت کی (زکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس) کی، جو (سب بڑی اہلیت والے ہیں)۔

حضرت عیسیٰ کو حضرت نوح ۔۔ نیز۔۔ حضرت ابراہیم کی ذریت میں شمار کر کے ظاہر فرما دیا گیا، کہ نواسوں کا بھی شمار ذریت واولاد میں ہے۔ اسلئے کہ حضرت عیسیٰ ان دونوں بزرگوں سے صرف ماں کے وسیلے سے نسبی وابستگی رکھتے ہیں۔ اب حضرات حسنین کو اولاد رسول قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا۔ بلکہ بیٹی کی اولاد کا ذریت ہونا، نص قرآنی سے ثابت ہو گیا۔ یونہی ہم نے کرم فرمایا۔۔۔

(اور) ہدایت کی، (اسماعیل والیسع ویونس ولوط) کی (اور) شرف نبوت سے مشرف کر کے (ہم نے سب کو فضیلت دی تھی) اپنے عہد کے (دوسروں پر)۔

گو ان میں سے بعض کا افضل اور بعض دوسرے کا مفضول ہونا حق ہے، مگر یہاں مقصود کلام صرف یہ ہے کہ انھیں ان کے معاصرین پر فضیلت بخشی۔

وَمِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ

اور بعض ان کے باپ دادے اور اولاد اور بھائی لوگ، اور ہم نے انھیں مقبول بنایا اور چلادیا

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

ان کو سیدھی راہ پر●

(اور) ہدایت وفضیلت بخشی (بعض ان) مذکورہ بالا انبیاء کرام (کے باپ دادے) کو۔۔مثلاً: آدم وشیث وادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔

خیال رہے کہ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے، جو نہ نبی تھے اور نہ ہی انھیں فضیلت علمی وعملی حاصل تھی۔

(اور) انکی (اولاد) کو جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سید عالم ﷺ جو اگرچہ ان کی ذریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل واعلیٰ ہیں، (اور) انکے (بھائی لوگ) کو، جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی۔۔نیز۔۔وہ لوگ جو انکے ساتھ ایمان لائے، تو وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہوگئے۔۔الختصر۔۔یہ سب ہمارے منتخب تھے (اور ہم نے انھیں) اپنی بارگاہ کا (مقبول بنایا اور چلادیا انکو سیدھی راہ پر)، ایسی سیدھی کہ جو بھی اس پر چلے گا، وہ گمراہ نہ ہوگا۔الغرض۔۔ہم نے ان سب کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھا۔تو سن لو کہ۔۔۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا

یہ اللہ کی ہدایت ہے، کہ اس کی ہدایت فرمادے جسے چاہے اپنے بندوں سے۔ اور اگر شرک وہ کرتے،

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

تو اکارت جاتے جو ان کے اعمال تھے●

(یہ) دین (اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہے) تا (کہ اس) دین (کی ہدایت فرمادے جسے چاہے اپنے بندوں سے) جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں (اور اگر) بفرض محال (شرک وہ کرتے) اور غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہراتے، (تو) باوجود اس فضل وکمال کے، (اکارت جاتے جو ان کے اعمال تھے) اس واسطے کہ کفر عملوں کو نیست ونابود کردیتا ہے۔

اس آیت سے مشرکوں کی تہدید مقصود ہے۔اوپر جن انبیاء کا ذکر ہوا ہے، یہ۔۔۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ

وہ ہیں جنھیں دی ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت، تو اگر انکار کردیں اسکا یہ لوگ،

وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

تو ہم نے تیار کر رکھا ہے اسکے لئے ایسے لوگ، جو انکار کرنے والے نہیں●

(وہ ہیں جنھیں دی ہم نے کتاب)، تاکہ اسکے پیغام کو عام کریں (اور حکومت)، تاکہ حکمت و دانائی کے فیصلے فرمائیں (اور نبوت)، تاکہ براہِ راست آسمانی ہدایت کو بندوں تک پہنچائیں اور انھیں خدا کے قریب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔۔الختصر۔۔ہم نے ان انبیاء کو کتاب کے ذریعہ جتنے حقائق واسرار تھے سب سمجھا دیا۔ان حقائق واسرار سے متعلق ہر چھوٹا بڑا مسئلہ ان حضرات کے احاطہ علم میں آگیا۔خواہ وہ کتاب براہِ راست ان پر نازل ہوئی ہو، یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے ملی ہو۔اسلئے کہ مذکورہ انبیاء کرام پر ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں۔کتاب کے سوا ان کو حکم یعنی حکمت، اقتدار اور فصل خطاب جو حق وصواب کو مقتضی ہو، عطا کیا گیا۔۔نیز۔۔نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا۔

(تو اگر انکار کردیں اسکا یہ) مکہ کے (لوگ، تو) اس سے دین حق مٹ نہیں جائیگا، بلکہ (ہم نے تیار کر رکھا ہے اس) دین برحق پر ایمان لانے (کیلئے)، خود مکہ کے اندر اور مدینے میں بھی، (ایسے لوگ جو انکار کرنے والے نہیں)۔یہ مذکورہ بالا انبیاء کرام۔۔۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ

وہ ہیں جنھیں طریقہ پر رکھا اللہ نے، تو ان کے طریقہ پر چلا کرو۔ کہہ دو کہ ہم نہیں چاہتے تم سے اس پر کوئی اجرت۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

یہ نہیں ہے مگر نصیحت سارے جہان کیلئے●

(وہ ہیں جنھیں) اصولِ دین اور بنیادی اعتقادیات میں، جن میں نسخ نہیں ہوتا، ایک (طریقہ پر رکھا اللہ) تعالیٰ (نے، تو انکے طریقے پر چلا کرو) اور اپنے بنیادی اور اصولی عقائد و نظریات میں انکی موافقت و مطابقت پر قائم رہو اور انکے محاسن اخلاق اور مکارم اوصاف۔۔الغرض۔۔انکے جملہ صفات حمیدہ اور خصائل مرضیہ جو جدا جدا سب انبیاء میں تھیں، ان سب کو اپنی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع

فرما کر سب انبیاء سے افضل واکمل ہو جائیے۔

ان انبیاء کرام کی یہ عادت کریمہ تھی فریضہ دعوت وتبلیغ کیلئے کسی اجرت کے طلبگار نہیں تھے، تو پھر آپ بھی (کہہ دو کہ ہم نہیں چاہتے تم سے اسپر کوئی اجرت) اور یہی دوسرے انبیاء کی بھی سنت رہی ہے۔ ہماری دعوت وتبلیغ کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے اور جان لو کہ (یہ) کتاب الٰہی! (نہیں ہے مگر نصیحت سارے جہاں کیلئے)، یعنی قرآن مجید کسی مخصوص قوم کیلئے وعظ ونصیحت بن کے نہیں اترا بلکہ ہر ایک کیلئے برابر طور پر نازل ہوا۔ پھر نصیب اپنا اپنا۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم کی رسالت، رسالت عامہ ہے، وہ ہر قوم ہر جگہ اور ہر زمانے کے رسول ہیں۔ آپ رسول العالمین بھی ہیں، سید المرسلین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی ہیں۔ قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا، پھر انکو مزید مستحکم فرمایا، اور اب اللہ تعالیٰ رسالت کے اثبات کیلئے دلائل ذکر فرما رہا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ

اور نہیں قدر کی اللہ کی جو قدر کرنے کا حق ہے، جب کہ وہ بول پڑے کہ نہیں اتارا اللہ نے کسی انسانی چہرہ والے پر کچھ۔ پوچھو کہ

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ

کس نے نازل فرمائی وہ کتاب جس کو موسیٰ لائے، نور اور ہدایت لوگوں کیلئے، بناتے رہتے ہو اس کو جدا جدا کاغذ اسے

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ

ظاہر کرتے ہو اور زیادہ حصہ چھپا ڈالتے ہو۔ اور بتائی گئیں تم کو وہ باتیں، جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ تمہیں جواب دو، کہ اللہ

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾

پھر انہیں چھوڑ دو کہ اپنی ہٹ دھرمی کا کھیل کھیلا کریں●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ (نہیں قدر کی) یہود نے (اللہ) تعالیٰ (کی، جو قدر کرنے کا حق ہے)۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان نہ سکے اور کما حقہ اسکی تعظیم نہ کر سکے۔۔ نیز۔۔ اسکے احکام کی عظمت کا ادراک نہ کر سکے (جبکہ وہ بول پڑے کہ نہیں اتارا اللہ) تعالیٰ (نے کسی انسانی چہرہ والے پر کچھ)۔

۔۔چنانچہ۔۔ جب حضور اکرم ﷺ یہود کے سردار مالک بن صیف سے جو آپ سے

بحث کرتا تھا' پوچھا، کہ تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں، جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی ہے، کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور خود موٹا عالم تھا، اسلیئے غضبناک ہوگیا۔ پھر اس نے کہا کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اسپر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔۔۔

(پوچھو کہ کس نے نازل فرمائی وہ کتاب جسکو موسیٰ لائے) جو **(نور)** یعنی روشنی دینے والی ہے۔ خود بھی ظاہر اور دوسرے حقائق کو ظاہر فرمانے والی **(اور ہدایت)** دینے والی ہے **(لوگوں کیلئے)**۔ اور اے یہودیو! تمہارا تو حال یہ ہے کہ **(بنائے رہتے ہو اسکو جدا جدا کاغذ، اسے)** کچھ **(ظاہر کرتے ہو اور زیادہ حصہ چھپا ڈالتے ہو)**، یعنی تم کتاب تورات کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہو اور اسکے اوراق کو بدلتے رہتے ہو۔۔ نیز۔۔ اس میں سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو، جس سے تمہیں محبت ہے، مگر اسکے سوا بہت سے حقائق۔۔ مثلاً: نعتِ مصطفیٰ، آپ کے مناقب و کمالات اور تصرفات و معجزات وغیرہ کو چھپاتے ہو۔ اسی طرح آیت رجم اور اسکے علاوہ بھی بہت سے احکام چھپا رکھتے تھے، جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ اے یہودیو ذرا غور کرو **(اور)** سوچو کہ **(بتائی گئیں)** پیغمبر اسلام کے ذریعہ **(تم کو وہ باتیں جن کو تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادے)**، یعنی وہ علوم اور شرعی احکام جنکا علم تم کو پیغمبر اسلام ہی سے ہوا ہے، اب بھی تم اس نبی کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔

۔۔المختصر۔۔ یہودیوں نے تورات کے احکام میں اور اسکے مضامین میں جو ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی ہے، بہت برا کیا ہے۔ لیکن انکی بدبختی مزید برآں کہ وہ تورات جو انکے علم و معارف کا ماخذ تھی، اس سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔

اے محبوب! یہ سرکش یہود کیا جواب دینگے، تو اس سوال 'کہ کس نے کتاب کو نازل فرمایا؟' کا **انہیں جواب دو، کہ اللہ)** تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ اپنے محبوب کریم پر نازل فرمایا ہے۔ اور اسکی ہیئت کذائیہ، ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت سے نبی کریم کو کسی کا دخل نہیں، **(پھر انھیں چھوڑ دو کہ اپنی ہٹ دھرمی کا کھیل کھیلا کریں)**۔ دعوت تبلیغ کا آپ کا جو فریضہ آپ ادا کر چکے، اب آپ مطمئن ہو جائیں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری فرمادی۔

یہود کے اس قول کے باطل فرمادینے کے بعد کہ 'اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی'، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے تعلق سے بیان فرمارہا ہے۔۔۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

اور یہ کتاب ہے اس کو ہم نے نازل فرمایا، برکت والی، تصدیق کرنیوالی، جو اس سے آگے تھیں، اور تا کہ ڈرادو انسانی

حَوْلَهَا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۝

آبادیوں کی بنیاد کو، اور اسکے ہر جانب والوں کو، اور جو آخرت کو مانیں، وہ اس کو بھی مانیں،

اور وہ اپنی نمازوں پر نگرانی رکھیں●

(اور) ظاہر فرما رہا ہے، کہ (یہ کتاب ہے اسکو ہم نے نازل فرمایا) اپنے بندے پر جو بڑی (برکت والی) کثیر الفوائد کتاب ہے جو 'علوم نظریہ' اور 'علوم عملیہ' دونوں کو حاوی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ 'علوم نظریہ' میں سب سے برگزیدہ علم معرفتِ ذات وصفات وافعال واحکام الٰہیہ ہے اور وہ بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ یہی کیفیت 'علوم عملیہ' کی ہے، اسلئے کہ علوم عملیہ اعضاء سے متعلق ہیں۔۔یا۔۔قلب سے، ان ہر دونوں سے متعلق علوم کا دوسرا نام علم الاخلاق۔۔یا۔۔ تزکیہ نفس ہے، اسکا بیان بھی قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ مثالیں دیکر جس طرح بیان کیا گیا ہے دوسری کتابوں میں اسطرح نہیں۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (تصدیق کرنے والی) ہے ان تمام آسمانی کتابوں کی (جو اس سے آگے) اور اس سے پہلے نازل فرمائی گئی (تھیں)۔۔الغرض۔۔اس سے پہلے جو کتابیں گزری ہیں، قرآن پاک انکی تصدیق کرتا ہے اور ان سب کے کتاب الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اے محبوب! قرآن کریم میں برکات کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں (اور) یہ ہدایت بھی ہے کہ قرآن کریم کو اسلئے نازل فرمایا گیا ہے (تا کہ ڈرادو انسانی آبادیوں کی بنیاد) جہاں زمین کے بچھانے کا آغاز ہوا، یعنی شہر مکہ کے رہنے والوں (کو، اور اسکے ہر جانب) شرقی غربی علاقوں میں رہنے (والوں کو، اور جو آخرت کو مانیں)۔

آخرت کی تصدیق سببِ خوفِ عاقبت ہے، اور یہ خوف اس بات میں غور وفکر کرنے کا سبب ہے، کہ پیغمبر اسلام اور قرآن کریم کی متابعت سے نجات حاصل ہوگی، تو ان پر لازم ہے کہ (وہ اس) قرآن کریم (کو بھی مانیں) اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم پر ایمان، نبی کریم پر ایمان لانے کے بعد ہی ہوسکتا ہے، اسلئے کہ دونوں پر ایمان آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اب ایسا نہیں ہوسکتا، کہ قرآن کریم پر ایمان ہو، مگر نبی کریم پر ایمان نہ ہو۔۔یونہی۔۔ایسا بھی نہیں ہوسکتا، کہ نبی کریم پر ایمان ہو، مگر قرآن کریم

ایمان نہ ہو۔ اور یہ لوگ صرف ایمان ہی لا کر مطمئن نہ ہو جائیں، بلکہ نیک عمل کریں (اور) خاص طور (وہ اپنی نمازوں پر نگرانی رکھیں)، اسلئے کہ نماز ایمان کی علامت اور دین کا ستون ہے۔

اس سے پہلی آیت میں قرآنِ مجید اور نبی کی صفات بیان فرمائی تھی، اور اب اگلی آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنھوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ مسیلمہ کذاب اور اسود بن عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور انکے اس جھوٹے دعوے کے سبب حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو رنج ہوا، تو حق تعالیٰ نے ان دونوں کا خصوصاً اور ان جیسوں کا عموماً بیان فرمادیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون؟ جو تہمت باندھے اللہ پر جھوٹ کا، یا بولا ہو کہ میری طرف وحی آئی، حالانکہ اسے کچھ وحی نہ کی گئی۔

شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

اور جس نے ڈینگ ماری کہ بہت جلد میں نازل کیے دیتا ہوں، جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے، اور اگر دیکھتے تم جب کہ یہ ظالم

فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

موت کی تلخیوں میں ہیں، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہیں، کہ نکالو اپنی جانیں۔

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا، جو بکا کرتے تھے اللہ پر

غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ناحق۔ اور اس کی آیتوں سے شیخی مارتے تھے●

(اور) ارشاد فرمایا (اس سے زیادہ ظالم کون) ہے (جو تہمت باندھے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) یعنی یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، (یا بولا ہو کہ میری طرف وحی آئی، حالانکہ اسے کچھ وحی نہ کی گئی)۔

۔۔چنانچہ۔۔ مسیلمہ کذاب جھوٹ اور افتراء باندھتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ پر وحی آئی اور اسود بن عنسی بھی کہتا تھا، کہ ایک شخص مجھ پر ظاہر ہوتا ہے گدھے پر سوار ہو کر اور باتیں میرے دل میں ڈالتا ہے۔

(اور) علاوہ ازیں کون شخص بڑا ظالم ہے عبداللہ بن سعد کاتب وحی سے (جس نے ڈینگ

ماری کہ بہت جلد میں نازل کئے دیتا ہوں جیسا کہ اللہ) تعالیٰ (نے نازل کیا ہے)۔۔الغرض۔۔اپنے اس افتراء سے وہ مرتد ہوگیا۔

اسکے مرتد ہونے کا قصہ یہ ہے، کہ عبداللہ بن سعد ابی سرح کتابت وحی کی خدمت پر مامور تھا، تو جب آیات **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ** الایہ اترنے لگیں اور **اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ** پر مضمون پہنچا، تو عبداللہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ** تو حضور ﷺ نے فرمایا اس عبارت کو بھی قرآن کریم میں لکھ دے، کیونکہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ عبداللہ شک میں پڑ گیا اور مرتد ہوگیا اور کہنے لگا، کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں، تو مجھ پر بھی وحی آئی ہے جس طرح ان پر آئی ہے اور اگر جھوٹے ہیں، تو میں نے بھی تو وہی کہا جو انھوں نے کہا۔ پھر فتح مکہ سے پہلے تائب ہوکر آپ نے مخلصانہ طور پر اسلام قبول کرلیا اور پھر تاحیات دین کی سربلندی وسرفرازی کیلئے عظیم خدمات دیتے رہے اور بالآخر ایمان واسلام کی حالت میں وصال فرمایا۔

اے محبوب! دعویٰ نبوت کرکے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں (اور) انکے سوا کسی طرح کا بھی کفر کرنے والوں کو (اگر دیکھتے تم) انھیں، تو تمھیں بڑا کریہہ منظر محسوس ہوتا اس وقت (جبکہ یہ ظالم موت کی تلخیوں میں ہیں) اور ان پر حالت سکرات طاری ہے (اور) عذاب کے (فرشتے) روح قبض کرنے کیلئے (اپنے ہاتھ پھیلائے ہیں) اور خوفناک وگرجدار آواز میں بطور طنز کہتے ہیں (کہ نکالو اپنی جانیں)۔ خود بخود پھر نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

کافروں، مشرکوں اور ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں۔ تو یہ ایک طرح کا طنز ہے ان کی اس وقت کی بے کسی اور مجبوری پر، کہ اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے، تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو اور یہ بھلا تم سے کیسے ہوسکتا ہے۔ تو سنو! (آج) یعنی موت کے وقت۔۔یا۔۔اسکے بعد کا وقت، جسکی پھر کوئی انتہا نہیں ہے (تم کو ذلت کا عذاب دیا جائیگا)۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے (جو بکا کرتے تھے اللہ) تعالیٰ (پر ناحق)۔۔مثلاً: اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد اور اسکا شریک ثابت کرنا (اور اسکی آیتوں سے شیخی مارتے تھے)۔ نہ تو اس میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی اس پر ایمان لاتے۔

جب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے، تو اسکے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں، جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اسکی روح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا

جاتا ہے، اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل آ۔ تیرا رب تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف ڈھکیلا جائیگا۔ جب اسکی روح اسکے بدن سے نکالی جائیگی، تو اُسی انگارے میں بھرے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے۔ اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراونی آواز سے چیخے گا، لیکن اُسے فرشتے ڈھکیلتے ہوئے **سجین** میں لے جائینگے۔۔۔

اسکے برخلاف جب اہل ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے، تو اسکے ہاں رحمت کے فرشتے تشریف لاتے ہیں۔ جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر وکستوری سے معطر کیا جاتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اسکی روح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے، جیسے آٹے سے بال اور اُسے کہا جاتا ہے، اے پاکیزہ نفس! اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہوکر حاضری دے اور تجھ سے تیرا رب کریم بہت خوش ہے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اسکی روح اس کے بدن سے نکال لی جاتی ہے، تو اُسے اُسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ **علیین** کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

۔۔الحتصر۔۔اہل ایمان کی موت کے وقت احوال، کفار کی موت کے وقت کے احوال سے جداگانہ ہیں، جن میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ کا فرق ہے۔ رہ گئی کافروں کی متکبرانہ گفتگو، جو انھوں نے فقراء مسلمین کو دیکھ کر تحقیراً اور افتخاراً کہا، کہ چونکہ ہم دنیا میں اموال واولاد کے لحاظ سے کثیر ہیں، اسلئے آخرت میں بھی ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ اے کافرو! اپنی اس خام خیالی میں مت رہو۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ

اور بیشک تم لوگ آئے ہمارے پاس علیحدہ علیحدہ جس طرح سے کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلی بار۔ اور چھوڑ آئے جو ہم نے پونجی تم کو دی

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ

تھی اپنے پیٹھ پیچھے۔ اور نظر نہیں آتے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی، جن کو تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ تمہارے حق میں اللہ کے شریک ہیں۔

لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾

بیشک کٹ گئے آپس میں اور کھو گیا تم سے جو دعویٰ کرتے تھے ●

(اور) یاد رکھو کہ (بیشک تم لوگ آئے ہمارے پاس) حساب و کتاب، سزا و جزا کیلئے (علیحدہ علیحدہ)، یعنی آخرت میں تم اموال و اولاد اور خدم و حشم۔۔نیز۔۔یار و مددگار کے ساتھ نہیں ہو گے، بلکہ اکیلے اکیلے حاضر ہو گے اور اس وقت تم سے دنیا کے سارے اسباب چھین لئے جائینگے (جس طرح سے کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلی بار) ماں کے پیٹ سے ننگے سر، برہنہ پا (اور) تمہاری یہ حالت ہے کہ دنیا ہی میں (چھوڑ آئے جو ہم نے پونجی تم کو دی تھی اپنے پیٹھ پیچھے)، یعنی نہ تو پہلے سے تم نے بھیج رکھا اور نہ ہی اپنے ساتھ اٹھا لائے۔۔یا یہ کہ۔۔جو کچھ دنیا میں حاصل کیا، وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دو گے، بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔

بخلاف اہل ایمان کے، کہ انھوں نے دنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کیلئے جد و جہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے۔ اسلئے وہ اپنے عقائد حقہ اور اعمال صالحہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انھیں کام دے رہے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں، بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ انکے بہترین ساتھی ہیں۔

رہ گیا تمہارا حال، تو اے شیخی مارنے والے مشرکو! تمہاری بے کسی کی حالت تو یہ ہے کہ اموال و اولاد کس شمار میں، آج نہیں دیکھتے (اور نظر نہیں آتے تمہارے ساتھ تمہارے) خود ساختہ (وہ سفارشی جن کو تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ تمہارے حق میں) یعنی تمہارے تربیت کرنے، پرورش کرنے اور دنیا و آخرت کے مصائب سے بچانے میں اور استحقاق عبادت میں (اللہ) تعالیٰ (کے شریک ہیں)۔۔الغرض۔۔ ان بتوں نے بھی تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ (بیشک کٹ گئے آپس میں) یعنی تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جدائی واقع ہو گئی، اور اب جو تم کو ان سے محبت تھی وہ بھی منقطع ہو گئی (اور کھو گیا تم سے جو دعویٰ کرتے تھے) کہ یہ بت ربوبیت اور استحقاق عبادت میں خدا کے شریک ہیں ۔۔الغرض۔۔تم نے جن بتوں کو اپنا سفارشی گمان کر رکھا تھا، وہ تم سے عذاب الٰہی دور نہ کر سکے۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا۔ اور اب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری کے دلائل دیئے ہیں۔ لہٰذا اب ان امور کا ذکر فرمایا ہے جو خدا ہی کے قدرت و اختیار کے مظاہر ہیں۔ نہ یہ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ ہیں، اور نہ ہی انکے وجود میں بے جان بتوں کا کوئی دخل ہے۔ تو ہر سننے والا غور سے سنے کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

بیشک اللہ ہے پھاڑنے والا تخم اور گٹھلی کا۔ وہ نکالے زندہ کو مردہ سے،

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے تمہارا اللہ، تو کہاں منہ کے بل گرتے ہو●

(بیشک اللہ) تعالیٰ ہی (ہے پھاڑنے والا) تخم کا، تاکہ اس سے پودا نمودار ہو (اور) پھاڑنے والا ہے (گٹھلی کا) تاکہ اس سے درخت جمے۔ (وہ نکالے زندہ کو مردہ سے)، یعنی روح نباتی رکھنے والے پودوں اور درختوں کو بیج سے۔۔یا۔۔اولاد کو نطفہ سے اور پرندوں کو انڈوں سے اور مومن کو کافر سے اور عاقل کو جاہل سے وغیرہ، (اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے) یعنی درخت سے بیج، آدمی سے نطفہ، اور مرغی سے انڈا وغیرہ۔تو نادانو! (یہ ہے تمہارا اللہ) تعالیٰ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ روح والے سے بے روح کو پیدا فرماتا ہے، اور بے روح سے روح والے کی تخلیق فرماتا ہے (تو) تم (کہاں منہ کے بل گرتے ہو) اور کہاں بھٹک رہے ہو۔ اللہ اکبر کیا شان ہے اس قادر مطلق کی جو۔۔۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ

پھاڑ کر صبح کو لانے والا، اور بنادیا رات کو وقت سکون۔ اور سورج اور چاند کو وقت کا حساب۔

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

یہ باندھا ہوا ہے غلبہ والے علم والے کا●

(پھاڑ کر صبح کو لانے والا) ہے اور رات کی تاریکی دور فرما کر روشنی فرمانے والا ہے۔ (اور) جس نے (بنادیا رات کو وقت سکون)، تاکہ ساری مخلوق دن کی حرکتوں کی تھکن سے آرام کرلیں اور پھر صبح کو تازہ دم ہو جائیں۔۔۔یہ تو رہیں قدرتِ الٰہی کی وہ نشانیاں جن کا تعلق زمین سے ہے، اب آکر ذرا آسمان کا جائزہ لے لو (اور) کھلی آنکھ سے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا (سورج اور چاند کو وقت کا حساب)۔ انھیں مختلف گردشیں عطا فرمائیں، تاکہ اس سے سال اور مہینے متعین ہو جائیں۔ (یہ باندھا ہوا ہے) یعنی تقدیر ہے اس (غلبہ والے) خدائے واحد کی، جسکا حکم سب پر جاری ہے۔ اور یہ فیصلہ ہے اس (علم والے کا) جسے اپنی مملکت کی تدبیر کا بخوبی علم ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو کہ راہ پاؤ اس سے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾
ہم نے تفصیل کردی نشانیوں کی انکے لئے جو علم رکھتے ہوں●

(اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو) تمہارا رہنما، جو منزل کی طرف جانے والی راہ کی نشاندہی کریں، تا (کہ راہ پاؤ اس سے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی)۔۔الغرض۔۔خواہ بیابان کی تاریکیاں ہوں۔۔یا۔۔دریا کی، ان ستاروں کے سبب تمہیں منزل تک پہنچانے والے راستے کا پتا ملتا رہے۔

اس رہنمائی کے سوا ستاروں کے دوسرے بھی فائدے ہیں۔۔مثلاً: آسمان کی زینت ورونق ہونا اور شیطان پر رجم کرنا اور انھیں بھگانا۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں سے جس فائدے کا ذکر فرمایا، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں قدرت کی دلیل بالکل واضح ہے کہ باوصف اسکے کہ زمین اور آسمان میں بُعد مسافت ہے، مگر تاروں کو آسمان زمین کی راہیں پہچاننے کیلئے حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ ان سب کو بیان کردینے کے بعد فرماتا ہے کہ۔۔۔

(ہم نے تفصیل کردی نشانیوں کی) اور مفصل طور پر بیان کردیا۔ لیکن یہ سب (انکے لئے) ہے (جو) طبع مستقیم، فکر سلیم اور (علم رکھتے ہوں)، اور خدا کی طرف سے پیش کردہ دلیل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اسکی توحید پر نشانیوں کو بیان کردینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں، جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ
اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، تو جائے قیام بھی ہے اور محل وداع بھی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾
بیشک تفصیل فرمادی ہم نے آیتوں کی انکے لئے جو سمجھیں●

(اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تم کو) تمہاری کثرت کے باوجود، صرف (ایک جان سے) یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اسلئے کہ ہم تمام انھیں سے پیدا کئے گئے ہیں، اور بی بی حواء بھی انکی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔

اس سے ثابت ہوا سارے انسان صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے، اور وہ اپنے آباء وامہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس میں اگر ایک طرف قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ ہے، کہ اس نے ایک ہی اصل سے کروروں اور اربوں انسانوں کی تخلیق فرمائی اور تخلیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ بے شمار آدمیوں کے اجزاء مادیہ کو پشتِ سیدنا آدم میں رکھ دیا، جن کو انکے وقت پر ظاہر فرماتا رہا اور وہ بھی اس عجیب قدرت وحکمت کے ساتھ، کہ یہ اربوں انسان شکل وصورت، رنگ وروپ، قد وقامت، زبان وبیان، طبیعت ومزاج اور ذہن وفکر وغیرہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف وممتاز ہیں۔ یہاں تک کہ ان کروروں انسانوں کے انگوٹھے کا نشان بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔۔۔

دوسری طرف یہ اسکا عظیم احسان ہے، کہ اس نے ہم سارے انسانوں کا دادا صرف ایک کو بنایا، اسلئے کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اسکا ہمارا دادا ایک ہے، تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں، تو محسوس نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں فطرت سلیمہ، انسانیت، کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ کرتی ہے۔

(تو) اے ایک جان یعنی ایک ذات سے پیدا ہونے والو! تمہارے واسطے پشت پدر۔۔۔ یا۔۔۔ روئے زمین میں (جائے قیام بھی ہے اور) رحم مادر میں (محل ودائع بھی) ہے، جہاں بطور امانت رکھا جاتا، پھر نکال لیا جاتا ہے۔

ایک قول کے مطابق قرار کی جگہ قبر ہے اور امانت کی جگہ دنیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جہاں آدمی کو قرار نہ ہو، امانت رہنے کی جگہ وہی ہے۔ تو اس حساب سے صلب پدر، رحم مادر اور قبر سب امانت کی جگہ ہے، جسکو بہرحال چھوڑنا ہوتا ہے۔ رہ گئی قرار کی جگہ، جہاں جاکر پھر نکلنا ہی نہ ہو، تو وہ ایمان والوں کیلئے بہشت ہے اور کافروں کیلئے دوزخ ہے۔

(بیشک) مذکورہ بیان سے (تفصیل فرمادی ہم نے آیتوں) یعنی اپنی وحدانیت کی نشانیوں

(کی، انکے لئے جو سمجھیں)، یعنی ان لوگوں کیلئے جو اپنی عقل وفکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ جب ذکر نجوم اور آیات آفاق کا تذکرہ فرمایا، تو یہ کہا کہ یہ نشانیاں انکے لئے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔۔ لیکن۔۔ جب تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ فرمایا، تو یہ ارشاد فرمایا کہ 'یہ انکے لئے ہیں جو سمجھیں'۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آیات آفاق اظہر واجلی اور ظاہر وروشن ہیں، جن میں کوئی پوشیدگی نہیں، خاص طور سے اہل علم کیلئے۔ اسکے برخلاف آیات انفس ادق اور اخفی یعنی نہایت دقیق اور بہت زیادہ پوشیدہ ہیں، تو اسکو سمجھنے کیلئے فقہ کی ضرورت ہے، جس سے خفی معنی معلوم کئے جاتے ہیں، اسی لئے پہلی جگہ **لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ** ہے، تو دوسری جگہ **لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ** ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا۔ دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا۔ پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا۔ چوتھی بار نفس انسان سے استدلال کیا۔ اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آنے والی آیت میں وجود باری اور اسکی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان بھی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ اللہ قادر مطلق۔۔۔

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ

وہی جس نے برسایا آسمان سے پانی، پھر نکالا ہم نے اس سے ہر قسم کے پودے، پھر نکالا ہم نے اس سے

خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَةٌ

ہرا بھرا، جس سے ہم نکالتے ہیں دانے تلے اوپر تلے۔ اور کھجور کے گابھے سے گچھے لپٹے ہوئے،

وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

اور باغ، انگور اور زیتون اور انار کے، کسی بات میں یکساں اور کسی میں جدا۔

اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾

تم لوگ دیکھو پھل کو جب پھلے اور اس کا پکنا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں انکے لئے جو مانیں●

(وہی) ہے (جس نے برسایا) ابر سے یا (آسمان) کی طرف (سے پانی، پھر نکالا ہم نے

اس سے ہر قسم کی پودے)۔۔۔ پہلے مجمل ذکر فرمایا، اب اسکی تفصیل ارشاد فرماتا ہے۔۔۔(پھر نکالا ہم نے اس سے ہرا بھرا) یعنی گھاس، جو کہ بیج سے اُگی ہے اور اس نے جڑ اور شاخ پیدا کی (جس سے ہم نکالتے ہیں دانے تلے اوپر تلے)، یعنی دانہ ایک پر ایک ملا ہوا یعنی خوشہ، (اور) نکالا ہم نے (کھجور کے گابھے) یعنی اسکے شگوفے اور غنچہ (سے گچھے لپٹے ہوئے)۔۔۔ بتانا یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔۔ (اور) نکالا ہم نے (باغ انگور اور زیتون اور انار کے)۔۔ الغرض ۔۔ان سب کے درختوں کو ہم نے زمین سے پانی کے سبب سے نکالا۔ ان کا حال یہ ہے کہ (کسی بات میں یکساں) یعنی ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل ہیں اور اوّل سے آخر تک ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (اور کسی میں جدا)، یعنی کوئی میوہ نہایت ترش ہوتا ہے اور بعض خوب شیریں اور بعض کھٹ مٹھا۔

تو اے مخاطبو! غور و فکر کر کے (تم لوگ دیکھو پھل کو جب پھلے) یعنی جب پھلنا شروع ہو اور بہت چھوٹا اور کچے پن کے سبب سے بے مزہ ہو (اور) پھر دیکھو (اسکا پکنا) یعنی یہ دیکھو کہ پکنے اور ٹپکنے کے وقت اسکا کیسا رنگ، کیسی بو، کیسا مزہ اور کیسا فائدہ اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ (بیشک اس میں) قادر حکیم کے موجود ہونے پر (نشانیاں ہیں انکے لئے جو مانیں)۔ اہل ایمان کی تخصیص اسلئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کر کے نفع پاتے ہیں اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے اور انکے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ

اور بناڈالا انھوں نے اللہ کا شریک قوم جن کو، حالانکہ جنات کو اس اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، اور ان لوگوں نے تراش لیا اللہ کیلئے بیٹے

وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور بیٹیاں نادانی سے۔ پاک اور بالا ہے وہ اس سے جو جھک مارتے ہیں●

ع ۱۲ / ۱۸

اپنے گمانِ فاسد (اور) خام خیالی سے (بناڈالا انھوں نے) یعنی مجوسیوں نے (اللہ) تعالیٰ (کا شریک قوم جن کو)، اور کہہ پڑے کہ جو چیز نیک ہے، اُسے خدا پیدا کرتا ہے اور اسے 'یزداں' کہتے

ہیں، اور جو چیز بد ہے، اُسے شیطان پیدا کرتا ہے اور اُسے 'اہرمن' کہتے ہیں۔ (**حالانکہ جنات کو اس اللہ) تعالیٰ (ہی نے پیدا فرمایا ہے)** اور ان بے وقوفوں کا حال یہ ہے، کہ یہ **مخلوق کو خالق کا شریک کہتے ہیں**۔ انکے سوا بعض کافروں نے اپنی بے عقلی کا مظاہرہ کیا (**اور ان لوگوں نے تراش لیا اللہ) تعالیٰ (کیلئے بیٹے اور بیٹیاں نادانی سے)**، جیسے کہ یہودیوں نے کہا، عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔۔نیز۔۔نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ حالانکہ (**پاک اور بالا ہے وہ**) حق سبحانہ تعالیٰ (**اس سے، جو جھک مارتے ہیں**) اور عقل ودانش کے خلاف بات کرتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی بتائی ہوئی صفتوں سے دور ہے، نہ اسکا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اسکی کوئی اولاد۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اب اس اگلی آیت میں انکے باطل ہونے پر دلائل قائم کیے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ۔۔۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

بدعت فرمانے والا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ اسکے اولاد کہاں؟ جبکہ اسکی کوئی زوجہ نہیں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور پیدا فرمایا اسی نے ہر چیز۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے●

اللہ تعالیٰ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ وہ (**بدعت فرمانے والا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں**) یعنی بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے انکو پیدا فرمانے والا ہے۔ تو اب عیسائیوں کا یہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جسکی پہلے کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کا باپ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کیا، تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے۔ اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ نہیں ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہوسکتا ہے؟۔۔اور۔۔اگر عیسائیوں کی مراد یہ ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے، اسطرح سے حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اللہ

تعالیٰ نے اسکا رد فرمایا کہ ذرا سوچو۔۔۔

(اسکے اولاد کہاں جبکہ اسکی کوئی زوجہ نہیں)۔یعنی جب اسکی بیوی ہی نہیں، تو اسکا بیٹا کیسے ہوگا؟۔۔نیز۔۔معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں وہ شخص محتاج ہوگا، جو علی الفور کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ نو ۹ ماہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کریگا۔لیکن جس کی شان یہ ہو (اور) جوایسا قادر ہو کہ (پیدا فرمایا اس نے ہر چیز) صرف لفظ کُنۡ کہہ کر۔اِدھر اس نے کُنۡ فرمایا، اُدھر وہ چیز اسی وقت موجود ہوگئی۔تو جوایسا قادر ہو، تو وہ اس معروف دنیاوی طریقے سے اولاد کو کیوں حاصل کریگا؟ یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے (وہ سب کچھ جاننے والا ہے) یعنی اسکی شان یہ ہے کہ وہ مخلوق وغیر مخلوق کو ازلاً ابداً جانتا ہے۔اس سے کوئی شے مخفی نہیں، جو گزری۔۔یا۔۔آئیگی۔شے کی ذات ہو یا صفات یا احوال، من جملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن ہیں۔۔یا۔۔اسکے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ

یہ ہے اللہ تم سب کا پروردگار۔نہیں ہے کوئی معبود اسکے سوا۔ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو اسی کو پوجو۔

وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ وَّكِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾

اور وہ ہر ایک کا کارساز ہے●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور (تم سب کا پروردگار) ہے (نہیں ہے کوئی معبود) مستحق عبادت (اسکے سوا) اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے۔وہ (ہر چیز کا) جو ہو چکی۔۔یا۔۔ہے۔۔یا۔۔ہوگی، سب کا (پیدا کرنے والا) ہے، تو جو ان صفات کا جامع ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے (تو اسی کو پوجو)۔اس بات کو غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (وہ ہر ایک کا کارساز ہے)۔۔لہٰذا۔۔تم اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کردو اور اپنے جملہ دینی اور دنیوی امور کی کامیابی کیلئے اسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ، اور یوں تصور کرو کہ اس ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا۔۔یا۔۔سزا دیگا۔۔اور۔۔

لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ۟ وَهُوَ یُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾

نہیں پاتیں اس کو آنکھیں۔اور وہ خوب جانتا ہے ساری آنکھوں کو۔اور وہ لطافت والا باخبر ہے●

(نہیں پاتیں اسکو آنکھیں) یعنی آنکھیں نہ ہی اسکی ذات کی حقیقت سے واقف ہوسکتی ہیں اور نہ ہی اسکی ذات کا احاطہ کرسکتی ہیں۔
۔۔الختصر۔۔اس آیت میں 'ادراک' کی نفی ہے اور یہ 'رویت' کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ اسلئے کہ 'رویت' عام ہے اور 'ادراک' خاص ہے۔اور ظاہر ہے کہ خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔تو 'رویت' بے 'ادراک' کے ممکن ہے۔۔یا۔۔مطلب یہ ہے کہ نہیں دیکھتی نظریں اُسے عام طور پر اس دنیا میں۔اس واسطے عقبیٰ میں خدا کو دیکھنا قرآن اور حدیث سے صاف ثابت ہے۔ہاں صرف اور صرف ایک نگاہ محمدی ہے، جس نے معراج کی رات رب تعالیٰ کو دیکھا۔ یاد رہے کہ دنیا میں دیکھنے کے جو اصول ہیں، آخرت میں رویت الٰہی کے ضابطے اس سے الگ ہیں، لہٰذا ان دونوں میں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔
(اور وہ خوب جانتا ہے ساری آنکھوں کو) یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور 'ادراک' سے 'علم' مراد لیا گیا ہے۔
اب حاصل ارشاد یہ ہوگا کہ اسکا علم تمام آنکھ والوں اور نظر والوں کو محیط ہے۔ایسی صورت میں 'آنکھ کے ادراک کی تخصیص' اسلئے ہے کہ آنکھ کا خاصہ ہے کہ اپنے سوا ہر شے کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا ادراک حاصل نہیں ہوتا۔اور نہ ہی اسکے لئے ممکن ہے۔ذہن نشین رہے کہ یہاں بصر سے وہ حقیقت مراد ہے جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔
(اور وہ لطافت والا) نہایت باریک بیں ہے، کہ جن اشیاء کا آنکھ کو ادراک حاصل نہیں، ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور وہ ہر ہر شے کے ہر ہر بھید سے (باخبر ہے)۔۔الختصر۔۔کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ وہ دیکھتا ہے۔اور کوئی نہیں جانتا، جو کچھ وہ جانتا ہے، تو لوگو!۔۔۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ
بیشک آگئیں تمہارے پاس آنکھ کھولنے والی باتیں تمہارے رب کی طرف سے۔تو جس نے آنکھ کھولی تو اپنے بھلے کو۔
وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝
اور جو اندھا رہا تو اپنے برے کو۔ اور میں نہیں ہوں تم پر نگرانی کا ذمہ دار●

(بیشک آگئیں تمہارے پاس آنکھ کھولنے والی باتیں)۔ کھلی ہوئی نشانیاں یعنی توحید کے دلائل اور نبوت کی حقانیت کا بیان اور بعث ونشر، حساب وکتاب اور جزاء وسزا کی حقانیت کا ذکر (تمہارے رب کی طرف سے، تو جس نے آنکھ کھولی) اور ان نشانیوں کو دیکھا اور ایمان لایا (تو اپنے بھلے کو)۔ اسکا فائدہ اسی کو ملے گا (اور) اسکے برخلاف (جو اندھا رہا) اور ان کھلی ہوئی دلیلوں کو نہ دیکھا ۔۔یا۔۔ دیکھ کر اندھا بنا رہا، (تو اپنے برے کو)، یعنی اسکا نقصان اسی کو اٹھانا ہے (اور میں نہیں ہوں تم پر نگرانی کا ذمہ دار) کہ تمہارے اعمال کی محافظت کروں اور ان پر تمہیں جزا دوں۔ مجھ پر یہی تبلیغ ہے اور بس۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور اسی طرح ہے، طرح طرح سے ہم آیتیں بیان کرتے ہیں اور تا کہ سب کہہ پڑیں کہ تم نے تو لکھ پڑھ لیا،

اور تا کہ روشن کردیں ہم اس کو علم والی قوم کیلئے●

(اور اسی طرح سے طرح طرح سے ہم آیتیں بیان کرتے ہیں اور) یہ اسلئے (تا کہ سب اہل مکہ (کہہ پڑیں، کہ تم نے تو لکھ پڑھ لیا) اور رومی قیدیوں یسار اور حسیر سے سیکھ لیا، اور علماء یہود سے مذاکرہ ومباحثہ کر کے اس بحث وتمحیص کے حاصل کو اکٹھا کیا اور پھر اسکو مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھال دیا، پھر اسکو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے، ورنہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا، تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ یکبارگی پوری کتاب نازل ہوتی۔

انکے شبہ کا قرآن کریم نے متعدد بار جواب دیا ہے کہ اگر تمہارے گمان میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا سکھایا ہوا ۔۔یا۔۔ بنایا ہوا کلام ہے، تو تم اسکی کسی چھوٹی سورت ہی کی مثال بنا کر لے آؤ۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک سورت کی بھی نظیر نہ لاسکا ۔۔المختصر۔۔ جابجا آیاتِ وعد کے آیاتِ وعید کی طرف ۔۔یونہی۔۔ آیاتِ خوف کے آیات امید کی طرف پھیرنے میں ایک مصلحت تو یہ ہے، کہ کفار کی جہالت واضح ہوجائے اور وہ اپنی بک جھک پر اتر آئیں۔

(اور) دوسری حکمت یہ ہے (تا کہ روشن کردیں ہم اسکو علم والی) ۔۔۔اور طبع سلیم ۔۔نیز۔۔ فہم مستقیم رکھنے والی (قوم کیلئے)، جو خوب جانتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ علم والے کی تخصیص اسلئے کی کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں ۔۔۔ تو اے محبوب! کفار جو آپ کو اپنے آباء واجداد کے باطل

دین کی طرف بلاتے ہیں۔۔یا۔۔آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ادھر آپ التفات نہ فرمائیں، بلکہ حسب معمول۔۔۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

چلو، جو وحی فرمائی جائے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے۔نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، اور رخ پھیرلو مشرکین سے●

(چلو جو وحی فرمائی جائے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی طریقہ توحید۔ اور جانے رکھو کہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اس) رب ذوالجلال معبود برحق (کے سوا، اور) مشرکین کی طرف توجہ نہ فرماؤ، بلکہ (رخ پھیرلو) ان (مشرکین سے) جو ایمان وتوحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اپنے اختیار کو ایمان پر صرف ہی نہیں کرتے، بلکہ لاکھ سمجھانے کے باوجود کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ انکے ایمان وتوحید کا ارادہ کیوں فرمانے لگا۔تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ انکی گمراہیوں ہی میں رہنے دیتا ہے، جن گمراہیوں پر وہ خود اپنے عزم وارادہ سے جمے ہوئے ہیں۔اب اگر بالفرض وہ مذکورہ بالا ذہن وفکر اور ضد وعناد والے نہ ہوتے۔۔۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا

اور اللہ کا چاہا ہوتا تو وہ مشرک نہ ہوتے۔اور نہیں کیا ہم نے تم کو ان پر نگرانی کا ذمہ دار۔

وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور نہ تم ان کے جواب دہ ہو●

(اور) پھر (اللہ) تعالیٰ (کا چاہا ہوتا، تو وہ مشرک نہ ہوتے) اور موحد ہوجاتے۔مگر اے محبوب! آپ فکر مت کریں اور انکے تباہ کن حالات کو ملاحظہ فرما کر زیادہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں (اور) یہ اسلئے کہ (نہیں کیا ہم نے تم کو ان پر نگرانی کا ذمہ دار)۔۔لہٰذا۔۔انکو کسی نقصان رساں چیز سے بچانا آپ پر لازم نہیں، (اور نہ) ہی (تم انکے جواب دہ ہو)، یعنی انکا کام تم پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ انکے لئے کسی طرح بھی نفع رسانی کی تدبیر بنانا آپ پر واجب نہیں۔

مشرکین مکہ بھی عجیب تھے، کہ جس کلام سے انھیں ہدایت حاصل کرنی چاہئے، اسکو سن کر وہ برہم ہوجاتے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب ان سے کہا گیا اے کافرو! کہ 'تم اور تمہارے باطل معبود، جو خدا سے بیگانے ہیں، سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں'۔یہ سن کر کفار چڑھ

گئے اور انھوں نے اسے گالی سمجھ لیا، حالانکہ کسی بھی لفظ کا اسکے صحیح مصداق پر استعمال کرنا، گالی نہیں۔ اسی لئے شیطان کو شیطان، کافر کو کافر، مشرک کو مشرک، مردود کو مردود، منافق کو منافق، مرتد کو مرتد، چور کو چور، شرابی کو شرابی، بدکار کو بدکار، یہود کو یہود، عیسائی کو عیسائی وغیرہ وغیرہ کہنا گالی نہیں۔

خود قرآن کریم میں کافر، مشرک، مردود، ملعون، منافق، زنیم جو بدکاری کا نتیجہ ہو، وغیرہ وغیرہ الفاظ کا اطلاق انکے صحیح مصادیق پر کیا گیا ہے، تو کیا قرآن کریم کو گالیوں کی کتاب قرار دے دیا جائیگا؟۔۔ الختصر۔۔ کفار گالی کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور چیخ پڑے کہ اے محمد ﷺ ' ہمارے بتوں کو گالی دینے سے زبان بند کرو، ورنہ ہم بھی تیرے خدا کی، جسے تو صفاتِ کمال سے یاد کرتا ہے، ہجو کرینگے۔۔ تو۔۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ

اور مت برا کہو انھیں، جن کو اللہ کو چھوڑ کر معبود بنائے ہیں، کہ وہ بھی بے ادبی کرنے لگیں اللہ کی بڑھ بڑھ کر نادانی سے۔ اسی طرح

زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

خوب صورت دکھا دیا ہم نے ہرامت کو انکا کیا دھرا۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف انکا پھرنا ہے، تو بتا دیگا وہ ان کو جو کرتے دھرتے تھے ●

اے محبوب! ایمان والوں کو سمجھا دو (اور) ہدایت فرما دو کہ (مت برا کہو انھیں جن کو اللہ کو چھوڑ کر معبود بنائے ہیں) یعنی انکی برائیوں کا ذکر نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو (کہ وہ بھی) انتقاماً (بے ادبی کرنے لگیں اللہ) تعالیٰ (کی بڑھ بڑھ کر) حق سے درگزر کر کے ظلم کی رو سے (نادانی سے)، یعنی نادانی کی وجہ سے اپنی مزعومہ برائیوں کا ذکر کرنے لگیں۔۔ الختصر۔۔ جس طرح کافروں کے اعمال کو ان کی نظر میں ہم نے آراستہ کر دیئے (اسی طرح خوبصورت دکھا دیا ہم نے ہرامت کو انکا کیا دھرا)، یعنی جب طاعت اور معصیت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا عزم کرتے، تو اللہ تعالیٰ انھیں انکی طرف طبیعت کا میلان پیدا کر دیتا اور پھر نیکی کی توفیق بخشتا۔۔ یا۔۔ برائی کا خوگر بنا دیتا۔ اور یہ آخر کب تک؟

(پھر) بالآخر (اپنے پروردگار کی طرف انکا پھرنا ہے)، یعنی اس رب کریم کی طرف جو جملہ امور کا مالک ہے اسکی بارگاہ میں حاضر ہونے کیلئے مرنے کے بعد اٹھنا ہے، (تو بتا دے گا وہ انکو جو کرتے دھرتے تھے) پھر ان برے اعمال کا نتیجہ سزا کی صورت میں انکے سامنے آ جائیگا، جو دنیا میں انھیں اچھے لگتے تھے۔

ان کافروں کی ہٹ دھرمی تو دیکھئے، کہ نبی کریم کے عظیم الشان معجزات دیکھ لینے کے بعد کسی دوسرے معجزے کا مطالبہ کررہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ کے رسول سے کہتے کہ اے محمد ﷺ' آپ ہی نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ نے پتھر پر عصا مارکر بارہ چشمے جاری کردیئے، حضرت عیسیٰ نے مردہ کو زندہ کردیا اور حضرت صالح نے پتھر سے اونٹنی نکال دی، وغیرہ وغیرہ، تو آپ بھی کوئی اس طرح کا معجزہ دکھائیں، تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم کون سا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ بولے کوہ صفا کو آپ سونے کا بنادیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہوجائے، تو تم مجھ پر ایمان لاؤ گے؟ سب نے ایمان لانے کا عہد کیا اور سخت قسمیں کھا کر عہد کو اور بھی پکا کیا، کہ اگر یہ معجزہ ہمیں دِکھا، تو مومنین کی طرح ہم بھی تم پر ایمان لائینگے اور آپ کی متابعت کرینگے۔ اس درمیان مومنین میں سے بھی بعض نے معروضہ پیش کردیا، کہ حضور انکا مطالبہ پورا ہی کردیجئے، تا کہ شاید یہ ایمان لے آئیں۔

ابھی حضور دعا فرمانے کو سوچ ہی رہے تھے، کہ حضرت جبرائیل وحی الٰہی لیکر حاضر ہوگئے اور آپ کو پیغام الٰہی سنایا، کہ اے محبوب! ہم تیری دعا سے پہاڑ سونے کا کردیں، مگر ہماری عادت اور مشیت اس بات پر جاری ہوتی ہے، کہ امتیں جب انبیاء سے انکی نبوت پر کوئی علامت اور معجزہ چاہیں اور وہ معجزہ ظاہر ہوجائے، پھر وہ ایمان نہ لائیں اور اپنا عہد پورا نہ کریں، تو ان سب کو ہلاک کردینے والا عذاب ان پر بھیجتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ خواہش ہو، تو یہ معجزہ ہم ظاہر کردیں، مگر اسکے پیچھے عذاب لگا ہوا ہے، اسلئے کہ مجھے علم ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ تو اب اگر چاہو تو ان کو انکے حال پر چھوڑ دو تا کہ وہ توبہ کریں۔ کیونکہ ان میں بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہونے والی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے دوسری بات اختیار فرمائی اور پوری قوم کو ہلاکت سے بچالیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، کہ اے محبوب! ان کافروں کی لغو کلامی۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور قسم کھا بیٹھے اللہ کی، بڑے زور کی قسم، کہ اگر آگئی ان کے پاس عذاب کی نشانی، تو ضرور مان لینگے اس کو۔ کہہ دو،

عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

کہ "ساری نشانیاں اللہ کے پاس ہیں"، اور کیا پتہ کہ جب نشانی آتی تو نہ مانتے ●

(اور) دیدہ دلیری تو دیکھئے، کہ (قسم کھا بیٹھے اللہ) تعالیٰ (کی) اور وہ بھی (بڑے زور کی قسم کہ اگر آ گئی انکے پاس عذاب کی نشانی) یعنی ایسی نشانی جسکو دیکھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی ایمان نہ لائے، تو اسپر عذاب نازل فرما دیا جائے، (تو ضرور مان لینگے اسکو)۔ان سے (کہہ دو کہ ساری نشانیاں اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہیں)، یعنی سارے معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، تو وہ جو معجزہ ظاہر فرمانا چاہے اس پر قادر ہے۔(اور) اے ایمان والو! تمہیں (کیا پتا کہ جب نشانی آتی تو نہ مانتے) اور پھر عذاب الٰہی کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو جاتے۔معجزے کے ظہور کے بعد بھی یہ ماننے والے نہیں۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ

اور ہم الٹ پلٹ دیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کو، جیسا کہ انھوں نے نہیں مانا اس کو پہلی بار، اور چھوڑ دیں گے انھیں،

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

کہ اپنی سرکشی میں چکراتے رہیں●

ع ۱۳/۱۹

یہ جہنم کا کفر کمانے والے (اور) ایمان کی صلاحیت واستعداد کھو دینے والے، کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔اسلئے کہ (ہم الٹ پلٹ دینگے انکے دلوں کو) کہ وہ تصدیق نہ کرسکیں (اور) انکی (آنکھوں کو) تا کہ راہِ حق نہ دیکھ سکیں۔۔الحاصل۔۔وہ ماننے والے نہیں (جیسا کہ انھوں نے نہیں مانا اس کو) جو معجزات میں سے ظاہر ہوئی (پہلی بار) جیسے شق قمر وغیرہ۔تو جس طرح ہم نے اہل ایمان کو نوازا ہے، وہ سلوک انکے ساتھ نہیں ہوگا۔(اور) ہم (چھوڑ دینگے انھیں کہ اپنی سرکشی میں) تا کہ اپنی بے راہی میں (چکراتے رہیں)، یعنی سرگشتہ و حیران رہیں اور اسی حال میں مرجائیں۔۔الحاصل۔۔انکی استعداد ختم کردی گئی۔وہ حق سے بہت دور ہو چکے۔اور چونکہ انکی استعداد ہی خود انکے کرتوتوں سے اور انکی اپنی شیطانی سوچ کے نتیجے میں ختم ہو چکی ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت بھی نہیں دی۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ء۔۔مطابق۔۔ ۲۹ اگست ۲۰۰۹ء

ساتویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۹ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۳۱، اگست ۰۹

بروز دوشنبہ آٹھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور دوسرے باقی پاروں کی تفسیر

کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس سے پہلے، آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا، کہ تمھیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی، تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ انکے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کردے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کردے، کہ فرشتے نازل کردے اور مردے ان سے کلام کریں ۔۔ بلکہ۔۔ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کردی جائے، تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے۔
یہ صحیح ہے معجزے سے نبی کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت ہوتی ہے، لیکن اس دلالت سے فائدہ اٹھانا ہر ایک کا نصیب نہیں۔ اسی لئے معجزات کی دلالت سے کفار فائدہ نہ اٹھاسکے اور اپنے کفر پر قائم رہے۔ مذکورہ بالا آیت ۱۰۹ میں جو بات اجمالاً ارشاد فرمائی گئی اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ

اور اگر ہم نے اتارا ہوتا ان کی طرف فرشتوں کو، اور باتیں کرتے ان سے مردے، اور ہانک کر کردیتے

كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ

ہر چیز کو ان کے سامنے، تو بھی یہ لوگ نہ مانتے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی کی مشیت ہوتی۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

لیکن ان کے بہتیرے تو جاہل ہیں ●

(اور اگر ہم نے اتارا ہوتا انکی طرف فرشتوں کو) جبکہ وہ کہتے ہیں، کہ 'کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے' (اور باتیں کرتے ان سے مردے)، جیسا کہ وہ درخواست کرتے ہیں، کہ 'ہمارے باپ دادا کو ہمارے پاس واپس لا'۔
۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو کے زندہ کرنے کا سوال کیا جو انکی برادری کے سردار بھی تھے اور انکے نزدیک سچے بھی تھے۔۔ چنانچہ۔۔ کہا کہ اگر آپ انکو زندہ فرمادیں، اور وہ آپکی نبوت کی شہادت دیں، تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے۔
(اور ہانک کر، کردیتے ہر چیز کو انکے سامنے) اور حشر کا منظر پیش کردیتے، تا کہ وحدت الٰہی اور نبوت محمدی پر گواہی دیں، (تو بھی یہ لوگ نہ مانتے) اور اپنے کفر ہی پر اَڑے رہتے، (مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کی مشیت ہوتی)، یعنی انکا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لیکن وہ تو

ہمیشہ گناہوں میں منہمک رہتے ہیں اور تمرد وطغیان میں یکتا ہیں، پھر انکے لیئے انکے ایمان لانے کی مشیت الٰہی کس طرح ہوسکتی ہے؟

اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ایمان پیدا کردے، یہ تب ہی ایمان لائینگے۔لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔سنت الٰہیہ یہی ہے کہ جب کوئی اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسمیں ایمان پیدا کردیتا ہے۔۔الختصر۔۔ بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

(لیکن انکے بہتیرے تو جاہل ہیں) وہ نوشتۂ تقدیر سے بے خبر ہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ نہیں جانتے ہیں کہ اگر سارے کے سارے معجزے انھیں دکھادیئے جائیں، جب بھی وہ ایمان نہ لائینگے۔۔یونہی۔۔ جب آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، تو اہل ایمان کو یہ امید ہوجاتی ہے کہ شاید اب یہ کافر ایمان لائیں۔ انکو یہ امید اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری کے سبب ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

اور اسی طرح سے بنایا تھا ہم نے ہر نبی کا دشمن انسان اور جن کے شیطانوں کو، کہ ڈالیں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتوں کو دھوکا دینے کو۔اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

تو یہ ایسا نہ کرتے، تو چھوڑ دو انکو اور جو وہ افترا کرتے رہتے ہیں●

اے محبوب! جس طرح ابوجہل اور دیگر کفارِ مکہ آپ کے دشمن (اور) آپکے دلی بدخواہ ہیں، (اسی طرح سے بنایا تھا ہم نے ہر نبی کا دشمن، انسان اور جن کے شیطانوں کو)۔

شیاطین انس سے کفار مراد ہیں، جو رحمتِ الٰہی سے دور ہونے میں شیطان کی طرح ہیں۔۔الختصر۔۔ اے محبوب! ان شیاطین کی عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں، بلکہ پہلے انبیاء کرام اور انکی امتوں کے ساتھ بھی یہ اپنی شیطنت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ انکی شیطنت یہ ہے، (کہ ڈالیں ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتوں کو، دھوکہ دینے کو)۔۔الغرض۔۔ان شیاطین کا کام ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنا، تاکہ جسکے دل میں وسوسہ ڈالا جائے، وہ اس خوبصورت انداز میں پیش کیۓ ہوئے جھوٹ سے فریب کھاجائے۔

وسوسہ ڈالنے کی ایک شکل یہ ہے کہ ایک جن دوسرے جن کے دل میں وسوسہ ڈالے، دوسری شکل یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی جن کسی انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ چونکہ ان باتوں کے اندر باطل ہوتا ہے، اسلئے اسکو ملمع کاری کر کے خوبصورت انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تا کہ لوگ فریب کا شکار ہوجائیں۔ اس مقام پر یہ جاننا فائدہ سے خالی نہیں، کہ عام لوگوں کیلئے شیاطین جن سے زیادہ خطرناک، شیاطین انس ہیں۔ اسلئے کہ شیاطین جن کو 'لاحول' پڑھ کر ۔۔۔نیز۔۔۔ 'آیۃ الکرسی' کی تلاوت کر کے بھگایا جاسکتا ہے، لیکن شیاطین انس کو اپنے سے دور کردینا اتنا آسان نہیں۔

تو اے محبوب! ان خفیف الحرکاتیوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اور ان تک دین کا پیغام پہنچا کر فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ یہ سچ ہے کہ تمام انبیاء کرام اور بالخصوص آپ سے انکی عداوت (اور) انکا جو بغض و عناد ہے، (اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو یہ ایسا نہ کرتے) اور کسی بھی پیغمبر کی دشمنی انکے دل میں نہ ہوتی ۔۔لیکن ۔۔۔ جو چیز علم الٰہی میں انکا مقدر ہوچکی ہے، وہ تو ہو کے رہے گی۔ (تو چھوڑ دو انکو اور جو وہ افتراء کرتے رہتے ہیں)، یعنی جھوٹوں اور انکی جھوٹی باتوں کو، اور انکے کفر۔۔نیز۔۔انکی تمام مکاریوں غداریوں کو نظر انداز فرمادو۔ چونکہ آپ سے انکی عداوت مشیت باری تعالیٰ کی وجہ سے ہے، اسلئے انکو انکے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ انکے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کیلئے بہت اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔ رہ گیا شیاطین کا وسوسہ ڈالنا۔۔۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ

اور تا کہ مائل ہوں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں مانتے آخرت کو، اور تا کہ وہ اس سے خوش ہوں،

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تا کہ بٹور لیں جو بٹورنا ہو●

(اور) خفیہ بات بطورِ راز دل میں ڈالنا، تو وہ اسلئے ہے (تا کہ مائل ہوں اس کی طرف انکے دل، جو نہیں مانتے آخرت کو)۔ رہ گئے اہل ایمان، تو وہ انکے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں

کرتے، اسلئے کہ انھیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور انکا انجام بھی برا ہے۔ رہ گئے وسوسہ ڈالنے والے (اور) بناوٹی باتوں کو آراستہ کر کے دل میں ڈالنے والے، تو انکی غرض یہ ہے (تاکہ) جن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا گیا ہے، (وہ اس سے خوش ہوں اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ غرض بھی ہے (تاکہ) وہ (بٹورلیں جو بٹورنا ہو)۔ یعنی ان باتوں سے خوش ہو کر ان گناہوں اور ناقابل ذکر قبائح کا ارتکاب کریں جنکا ارتکاب کرنے والے ہیں۔۔ الختصر۔۔اے محبوب! ان کو انکے حال پر چھوڑ دو، وہ خود اپنا انجام دیکھ لینگے۔ اے محبوب! ذرا انکی دیدہ دلیری تو دیکھو، کہ آپ سے درخواست کرتے ہیں 'اے محمد ﷺ' ہمارے اور اپنے مابین پوپوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حکم مقرر فرمایئے، تاکہ وہ حق و باطل کا فرق بتادیں، اسلئے کہ انھوں نے سابقہ نازل شدہ آسمانی کتابوں کو پڑھا ہے' تو اے محبوب! ان سے واشگاف انداز میں فرمادو۔۔۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ

تو کیا اللہ کے غیر کا ہم فیصلہ چاہیں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے اتارا تمہاری طرف کتاب مفصل۔

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ

اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے جانتے ہیں، کہ بیشک یہ تمہارے پروردگار کا اتارا ہے، بالکل حق،

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾

تو شکیوں کے ساتھ تم نہ رہا کرو●

(تو کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کا ہم فیصلہ چاہیں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے اتارا تمہاری طرف کتاب مفصل) جس میں حق و باطل، حلال و حرام اور دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور پہ بیان کیا گیا ہے، کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک وشبہ اور ابہام نہیں رہا۔ جب ہمارے پاس ایسی کتاب موجود ہے، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا حکم اور فیصل قرار دیں۔ ویسے بھی اے محبوب! یہ علمائے یہود (اور) علمائے نصاریٰ (جن کو ہم نے) انکے انبیاء کے توسط سے (کتاب دی ہے) وہ بخوبی (جانتے ہیں کہ بیشک یہ تمہارے پروردگار کا اتارا ہے، بالکل حق) راستی اور درستی کے ساتھ، (تو شکیوں کے ساتھ تم نہ رہا کرو)۔ جب قرآن کی حقیت پر دلیلیں ظاہر ہو چکیں، تو کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن کریم کی صداقت وحقانیت پر شک کرے اور شک کرنے والوں میں ہو جائے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور کامل ہے تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف۔ کوئی نہیں ہے بدل دینے والا اسکی بات کا۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾

اور وہ سننے والا علم والا ہے●

اے محبوب! تم پر واضح (اور) روشن ہے کہ (**کامل ہے تمہارے پروردگار کی بات سچائی**) کی راہ سے خبروں اور وعدوں میں، اور توحید کی دلیل اور نبوت کے بیان میں، (**اور**) فیصلوں اور حکموں میں عدل و (**انصاف**) کی رو سے۔ (**کوئی نہیں ہے بدل دینے والا اسکی بات کا**)۔ جس طرح کہ توریت کی آیتیں بدل ڈالیں، اس طرح قرآن کریم میں کسی طرح کی تبدیلی کا امکان نہیں، اسلئے کہ ربِ کریم نے خود اسکی حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے (**اور وہ سننے والا**) ہے سب کی باتیں اور (**علم والا ہے**) یعنی جاننے والا ہے سب کے بھید۔

یہ اہل مکہ بھی کس قدر عقل سے کورے ہیں، کہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں، کہ جسے تم چھری سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے، تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے، وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوا۔ یہ بے وقوف 'ذبیحہ' اور 'میتہ' کا فرق سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور اسپر انکی جسارت تو دیکھئے، کہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان تو بغیر اپنے رسول کی اجازت کے مردار خوری کیلئے دعوت قبول کرنے والے نہیں۔ تو اب اگر وہ رسول سے مردار خوری کے تعلق سے مسئلہ پوچھیں اور آپ۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اسکی اجازت مرحمت فرمادیں، تو خواہ آپ خود دعوت میں شریک نہ ہوں، لیکن مردار خوری کی حلت کے تعلق سے کافروں کی بات ماننے والوں سے ہو جائینگے، تو بھلا رسول کریم ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ تو آپ کا مردار خوری کی حرمت کا حکم دینا ہی کفار کی بات نہ ماننا ہے۔۔۔ تو اے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے ہمیشہ راہ راست پر رہنے والے ہیں۔۔۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اور اگر کہنا مانتے تم آبادی کی بھیڑ کا، تو بے راہ کر دیتے اللہ کی راہ سے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

وہ لوگ صرف خیالات کے پیچھے لگے ہیں، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہیں●

(اور اگر)۔۔بالفرض۔۔(کہنا مانتے تم آبادی کی بھیڑ کا، تو بے راہ کردیتے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔

اسمیں خاص طور پر آپ کے امتیوں کیلئے درس ہے، کہ وہ اپنے کو گمراہوں، بے دینوں کی اتباع سے بچاتے رہیں۔

رہ گئے (وہ) گمراہ (لوگ) جنکا اوپر ذکر ہوا ہے، (صرف خیالات کے پیچھے لگے ہیں) اور اپنی خام خیالی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں، کہ انکے آباء واجداد حق پر تھے۔ (اور) یہ لوگ مسائل واحکام بتانے میں (محض اٹکل سے کام لیتے ہیں) اور خدا پر افتراء کرتے ہیں کہ اس نے مردار کو حلال قرار دیدیا اور بَحائِرُ کو حرام۔۔یونہی۔۔خدا کی طرف فرزند کو منسوب کرنے اور خدا کی عبادت میں شریک پکڑنے کے باب میں صرف اپنے گمان فاسد سے کام لیتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ بہت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، لیکن وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے دلوں کے احوال پر مطلع ہے۔ اسکو معلوم ہے یہ گمراہی کے راستے میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی وادیوں میں سرگرداں ہیں ۔۔الختصر۔۔اے محبوب!

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۱۷﴾

بیشک تمہارا پروردگار وہ خوب جانتا ہے جو اسکی راہ سے بھٹکیں، اور خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں●

(بیشک تمہارا پروردگار، وہ خوب جانتا ہے جو اسکی راہ سے بھٹکیں اور) انھیں بھی (خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں)۔ ویسے بھی اے محبوب آپ تو باخبر ہو ہی چکے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں، بلکہ انکا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اسکے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا دیگا۔

فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ بِاٰيٰتِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾

تو مسلمانو کھاؤ ذبیحہ کو جس پر اللہ کا نام لیا گیا، اگر تم اس کی آیتوں کو مانتے ہو●

(تو مسلمانو! کھاؤ ذبیحہ کو جس پر) ذبح کرتے وقت (اللہ) تعالیٰ (کا نام لیا گیا) ہو (اگر تم اسکی آیتوں کو مانتے ہو)۔ اسلیئے کہ آیاتِ قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ

نے حلال کیا ہے، انکا کھانا مباح ہے۔ اور جنھیں حرام فرمایا ہے، ان سے اجتناب ضروری ہے۔۔ چنانچہ
۔۔وہ نہ کھاؤ، جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔۔یا۔۔اسکے نام کے ساتھ دوسرے کا نام
لیا گیا ہو۔۔یا۔۔اسکی ناک بند کر کے اسکی جان نکالی گئی ہو۔

ارشادِ مذکور کا حاصل یہ ہے، کہ اپنے کھانے کو صرف اس پر مقصور و منحصر رکھو جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے۔ رہ گئے کفار، تو انکا حال اسکے برعکس ہے، کہ وہ مردار کو بھی چٹ کر جاتے ہیں اور صرف ذبیحے پر اکتفاء نہیں کرتے۔ مسلمانو! ذرا غور کرو۔۔۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ

اور تمہیں کیا حق ہے کہ نہ کھاؤ وہ ذبیحہ، جو ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر، جب کہ بیشک مفصل بتادیا تم کو جو حرام فرمادیا

عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم

ہے تم پر، مگر جس کی طرف تم بے قابو ہو جاؤ۔ اور بیشک بہتیرے وہ ہیں کہ گمراہ کرتے ہیں وہمی باتوں سے،

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾

نادانی سے۔ بیشک تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے حد سے بیحد ہو جانے والوں کو●

(اور) سوچو، کہ (تمہیں کیا حق ہے کہ نہ کھاؤ وہ ذبیحہ جو ذبح کیا گیا) ہو (اللہ) تعالیٰ (کا نام لیکر، جبکہ بیشک مفصل بتادیا) ہے (تم کو) اللہ تعالیٰ نے (جو حرام فرمادیا ہے تم پر)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے جس کی حرمت نازل فرمادی ہے، اسکو کھانے سے لازمی طور پر اپنے کو بچاتے رہو۔ ہاں (مگر جسکی طرف تم بے قابو ہو جاؤ) ایسی حالتِ اضطرار میں جان بچانے کیلئے صرف اتنی ہی مقدار میں جس سے مقصود حاصل ہو جائے، یعنی جان بچانے کیلئے جتنا ضروری ہو، اتنا ہی استعمال کر کے اپنی جان بچالو۔

مگر یہ خیال رہے، کہ اس حالتِ اضطرار میں بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا حرام ہی رہیگا۔

رہ گیا اپنے جی سے حلال سمجھنا (اور) حلال بتانا، یہ کافروں کا طریقہ ہے۔۔چنانچہ۔۔(بیشک بہتیرے) کافر (وہ ہیں)، جو (کہ گمراہ کرتے ہیں) اپنی خود ساختہ (وہمی باتوں سے) اور وہ بھی لاعلمی اور (نادانی) کی وجہ (سے)۔۔۔اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعت مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔ ایسے علم سے چونکہ وہ کورے ہیں۔۔لہٰذا۔۔وہ جہالت کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ (بیشک تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے حد) شرع (سے بے حد ہو جانے والوں کو)، یعنی تمہارا رب حق سے باطل کی

طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔۔لہٰذا۔۔یہ اسکے عذاب اور اسکی [illegible]
سے اپنے کو بچا نہ سکیں گے۔تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اپنے کو بچاؤ۔۔۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ

اور مسلمانو چھوڑ دو کھلا ڈھکا ہر طرح کا گناہ۔ بیشک جو گناہ کو کمائیں، بہت جلد بدلہ دیئے جائینگے

بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

جو بٹورا ہے●

(اور) اے (مسلمانو! چھوڑ دو کھلا ڈھکا ہر طرح کا گناہ)۔گناہِ ظاہر سے مراد وہ برے کا[م]
اور بری باتیں ہیں، جو اعضائے ظاہری سے ہوں، اور گناہِ باطن، فاسد عقیدے اور برے اراد[ے]
ہیں۔تو اے مسلمانو! ظاہری اور باطنی، ہر طرح کے گناہوں سے اپنے کو بچاتے رہو۔کیونکہ (بیشک ج[و]
گناہ کو کمائیں، بہت جلد بدلہ دیئے جائینگے) بہ سبب اس چیز کے (جو بٹورا ہے) اور کمایا ہے۔
مسلمانو! کفار جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں آکر یہ کہتے ہیں، کہ یہ کس قدر حیرت کی بات [ہے]
جس جانور کو خدا مارے وہ تو حرام ہو، اور جسکو مسلمان ماریں وہ حلال ہو۔اور وہ اس طرح سے بعض
مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالیں۔یہ سب انکی کٹ حجتی ہے اور حکم الٰہی کے نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ ہے
تو تم انکی ان خرافاتی باتوں کی طرف دھیان نہ دو۔۔۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ

اور مت کھاؤ جس پر ذبح کرتے اللہ کا نام یاد نہیں کیا گیا۔اور بیشک وہ نافرمانی ہے۔اور بیشک شیطان

لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـِٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ضرور اپنے یاروں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑتے رہیں۔اور اگر تم لوگ انکے کہے پر چلے، تو بیشک تم بھی مشرک ہو[ے]

(اور مت کھاؤ جس پر ذبح کرتے) وقت (اللہ) تعالیٰ (کا نام) بالقصد (یاد نہیں کیا گیا)
ہو، (اور) جان لو کہ (بیشک وہ نافرمانی ہے)۔یعنی اسکا کھانا گناہ ہے جس جانور پر ذبح کے وقت [اللہ]
تعالیٰ کا نام عمداً نہ لیا گیا ہو، (اور بیشک شیطان ضرور اپنے) کافر (یاروں کے دل میں ڈالتے ہیں) او[ر]
انھیں وسوسہ دیتے ہیں تا (کہ) وہ (تم سے جھگڑتے رہیں) اور کٹ حجتی کرتے رہیں، کہ جو بکری [م]

خود مار ڈالتے ہوا سے تو کھاتے ہو، اور جو خدا مار ڈالتا ہے اُسے نہیں کھاتے۔ مسلمانو سنو! (اور) دھیان رکھو! کہ (اگر تم لوگ انکے کہے پر چلے) اور حرام کو حلال قرار دینے میں انکے باطل خیالات کی موافقت کی، (تو) سمجھ لو (بیشک تم بھی مشرک ہو) گئے۔ اسلئے کہ جو طاعت الٰہی ترک کر کے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے، گویا اس نے دین حق کو چھوڑ دیا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا، اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا، اسلئے وہ بھی انھیں سے ہو گیا۔۔ تو۔۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

کیا جو بے جان تھا، پھر ہم نے اس کو جان دی اور بنادیا اسکے لئے روشنی، جس سے چلے پھرے لوگوں میں، اسکی مثال

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اسکی طرح ہے جو اندھیریوں میں ہے؟ کہ اس سے نکلنا نہیں۔ اسی طرح بھلے دکھا دیئے گئے کافروں کو ان کے کرتوت ●

(کیا) وہ شخص (جو) کفر یا جہالت یا ضلالت کے سبب (بے جان تھا) اور حیاتِ ایمانی سے خالی تھا۔ مثلاً: سید الشہداء حضرت حمزہ اور سیدنا فاروق اعظم، (پھر ہم نے اسکو جان دی) اسلام یا علم یا ہدایت کی وجہ سے، (اور بنادیا اسکے لئے روشنی جس سے چلے پھرے لوگوں میں)، یعنی دیا ہم نے اُسے نور واضح دلیلوں کے سبب سے، تاکہ حق اور باطل میں تمیز کرے اور اس نور کے سبب لوگوں میں سیدھی راہ پر چلتا رہے۔ تو کیا (اسکی مثال اس) ابوجہل (کی طرح ہے، جو) کفر وطغیان کی (اندھیریوں میں ہے، کہ اس سے نکلنا) اسکی تقدیر میں (نہیں)۔۔ چنانچہ۔۔ ابوجہل اور اس جیسے لوگ کفر ہی پر مرے ۔۔ الختصر۔۔ جس طرح مسلمانوں کے دلوں میں ایمان آراستہ کیا گیا، (اسی طرح بھلے) خوبصورت اچھے (دکھا دیئے گئے کافروں کو انکے کرتوت اور) ہم نے یہ بھی چھوٹ دیدی، کہ جس طرح مکے میں بڑے بڑے گنہگار اور سرکش موجود ہیں۔۔۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ

اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر آبادی میں جرائم پیشہ کے سردار، کہ دھوکہ دھڑی کرتے رہیں اس میں۔

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور وہ داؤں نہیں کرتے، مگر خود اپنے سے، اور انھیں اس کا پتہ نہیں چلتا ●

(اسی طرح بنایا ہم نے ہر آبادی میں جرائم پیشہ کے سردار)، تا (کہ دھوکہ دھڑی کرتے رہیں اس میں) اور وہاں کے لوگوں کو ایمان سے باز رکھیں۔ جس طرح رؤسائے مکہ نے چاروں راہوں پر لوگ ٹھہرا رکھے ہیں، کہ حج کے موسم میں کوئی آتا ہے اور نبی کریم کا حال پوچھتا ہے، تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو شاعر اور ساحر اور کاھن ہیں۔ (اور) حقیقت یہ ہے کہ (وہ داؤں نہیں کرتے، مگر خود اپنے سے)۔ اسلئے کہ انکی داؤں بازی اور انکے مکر وفریب کا وبال انھیں پر پڑنے والا ہے۔ (اور انھیں اسکا پتہ نہیں چلتا)، یعنی وہ اتنی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ، مکر کا وبال مکر کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔۔۔

اب رہ گیا ابوجہل اور اسکے پیروکاروں کا یہ کہنا 'کہ عبدمناف کی اولاد جو شرف رکھتی ہے، اس میں ہم بھی شریک ہیں، اب جو یہ بات کہتے ہیں کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے کہ اسپر وحی آتی ہے، تو جب تک ہم پر بھی وحی نہ آئے ہم راضی نہ ہونگے۔' انکی اس بات کو قرآن کریم نے اسطرح بیان فرمایا ہے کہ۔۔۔

وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ

اور جب آئی انکے پاس کوئی نشانی، تو بولے کہ ہم نہ مانیں گے، یہاں تک کہ خود ہم کو بلاواسطہ دیا جائے، جس طرح

اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ‌ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا

اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔۔۔ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ بہت جلد پہنچے گی انھیں، جنھوں نے جرم کیا،

صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ ۝

ذلت اللہ کے یہاں، اور سخت عذاب، جو داؤں کھیلتے رہے●

(اور جب آئی انکے پاس کوئی نشانی) یعنی کوئی آیت قرآن میں سے۔۔یا۔۔کوئی معجزہ نبی کی نبوت کے اثبات میں، (تو بولے کہ ہم نہ مانیں گے) اور نہیں ایمان لائینگے اس آیت پر۔۔یا۔۔معجزہ پر (یہاں تک کہ خود ہم کو بلاواسطہ دیا جائے، جس طرح اللہ) تعالیٰ (کے رسولوں کو دیا گیا)۔ یعنی وحی و کتاب ہم پر بھی نازل ہو، جیسے کہ رسولوں پر نازل ہوتی ہے۔

ولید ابن مغیرہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ 'اے محمد ﷺ اگر نبوت حق ہے، تو میں تجھ سے زیادہ نبوت کا سزاوار ہوں، اسلئے کہ سن میں، تجھ سے بڑا اور مال میں زیادہ ہوں۔ اسپر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نبوت سن اور مال سے نہیں، بلکہ فضل اور کمال سے ہے۔

اور (اللہ) تعالیٰ (بہتر جانتا ہے) اس ذاتِ ستودہ صفات کو، (جہاں اپنی رسالت رکھے)۔ ابوجہل اور ولید ابن مغیرہ جیسے مکاروں اور انکے سارے پیروکاروں کو بغور سن لینا چاہئے، کہ (بہت جلد پہنچے گی انھیں جنھوں نے) کفر وشرک کا ارتکاب کر کے (جرم کیا، ذلت) اور رسوائی (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) اور اسکے نزدیک، (اور سخت عذاب)، بسبب اسکے کہ (جو داؤں کھیلتے رہے) اور مسلمانوں کے ساتھ مکر کرتے رہے اور انھیں برا کہتے رہے۔ منکرو! اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فضل فرمایا اور انہیں ہدایت فرمائی، تو تم جلتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ اگر کسی پر فضل فرمانا چاہے، تو اسے کون روک سکتا ہے۔۔۔

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ

تو جسے اللہ چاہے کہ ہدایت دے، کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے۔ اور جسے چاہے کہ

يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ؕ

اس کی گمراہی دکھاوے، تو کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بند، گویا زبردستی آسمان چڑھایا جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

اسی طرح اللہ بنا دیتا ہے ناپاک، بے ایمانوں کو●

(تو جسے اللہ) تعالیٰ (چاہے کہ ہدایت دے) اسے طریق حق بتائے اور اُسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے، تو (کھول دیتا ہے اسکے سینہ کو اسلام کیلئے)۔ اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرما دیتا ہے اور اُسے حق کو قبول کرنے کی استعداد مرحمت فرما دیتا ہے۔ (اور جسے چاہے کہ اسکی گمراہی دکھاوے) یعنی جسکی گمراہی کو ظاہر فرما دینا چاہے، تو (کر دیتا ہے اسکے سینے کو تنگ بند)۔ یعنی ایسا تنگ کہ ہر طرف سے اسکی بندش ہو جاتی ہے۔ فہم ودانش کے سارے راستے اسکے لئے مسدود ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر ایمان داخل نہیں ہوسکتا۔ المختصر۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ کفر پر رہنے دینے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قرب کے اسباب تیار فرما دیتا ہے، تو ایمان لانا اسکے لئے اتنا دشوار ہو جاتا ہے، (گویا) اسے (زبردستی آسمان چڑھایا جاتا ہے)۔

یعنی ایمان لانا اسکے لئے اتنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے، جس طرح آسمان پر چڑھنا مشکل اور ناممکن ہوتا ہے۔۔یا۔۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق بات ماننے سے بھاگتا ہے اور چاہتا ہے کہ آسمان پر چڑھ جاؤں اور بہت دور نکل جاؤں۔

جان لو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کا دل تنگ کرتا ہے، (اسی طرح اللہ) تعالیٰ (بناد یتا ہے) کفر کی نجاست سے (ناپاک)، عذاب یا لعنت کا مستحق (بے ایمانوں کو)۔

یعنی ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے اور توحید کی تصدیق نہیں کرتے۔۔یا یہ کہ۔۔بنا دیتا ہے بے ایمانوں کو ناپاک۔ ناپاک سے مراد عذاب۔۔یا۔۔رسوائی۔۔یا۔۔لعنت۔۔یا۔۔شیطان ہے، یعنی اسپران میں سے کسی کو مسلط کر دیتا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ تمہارے پروردگار کی راہ ہے سیدھی۔ بیشک مفصل کر دیں ہم نے آیتیں سبق لینے والی قوم کیلئے●

(اور یہ) بیان جسے قرآن مجید لایا ہے (تمہارے پروردگار کی) وہی (راہ ہے) جس سے وہ راضی ہے اور یہ راہ بالکل (سیدھی) ہے اسکے لئے جو اس پر چلتا ہے، تو اُسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لیجاتا ہے۔ (بیشک مفصل کر دیں ہم نے آیتیں) یعنی انھیں واضح اور کھلے طور پر بیان کیا ہے، کہ اسکا ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا، (سبق لینے والی قوم کیلئے) یعنی ان لوگوں کیلئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں، اسلئے کہ صرف وہی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں، تو انھیں کن انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے، کہ۔۔۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

انکے لئے سلامتی کا گھر ہے انکے پروردگار کے یہاں، اور وہ انکا مددگار ہے، اجر میں اسکے جو وہ عمل کرتے تھے●

(انکے لئے سلامتی کا گھر ہے) جس سے ہر قسم کے درد، دکھ اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں یعنی انکے لئے بہشت ہے (انکے پروردگار کے یہاں)۔۔۔یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہونگے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ آج ہم فلاں کے ہاں ہونگے، یعنی اسکی مہمانی اور کرم فرمائی سے سرشار ہونگے۔۔یا یہ کہ۔۔ایسے لوگوں کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کفیل ہوگا۔۔۔(اور وہ انکا مددگار) یعنی مالک، محب اور دشمنوں

دفرمانے والا (ہے) (اجر میں اسکے جو وہ عمل کرتے تھے)، یعنی انکے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔
آیت مذکورہ میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہوا ہے۔ا۔۔ایمان کا حسن۔۲۔۔کفر کا قبح۔
۳۔۔سعادت منداور بدبخت کا انجام۔۴۔۔انبیاء واولیاء کے طریقوں پر چلنے کی ترغیب۔
۵۔۔وہ عمل صالح جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دارالسلام یعنی بہشت میں داخلے کا پروانہ ہے اور دارالسلام وہ قرار و اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا، وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہو جائیگا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اور انھیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لیجاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۖ

اور اس دن جب یکجا کرے گا ان سب کو، کہ اے گروہ جن تم نے بہت اپنا لیا تھا انسانوں کو،

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا

اور بولے انکے دوست انسان سے، کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے اپنی غرض نکالی، اور پہنچ گئے

أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا

اس وقت کو، جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمادیا تھا۔ فرمان ہوا کہ "جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے"۔ ہمیشہ اس میں رہو،

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۸﴾

مگر جسے اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا علم والا ہے●

(اور) یاد کرو (اس دن) کو (جب یکجا کریگا) اللہ تعالیٰ جن وانس۔۔الغرض۔۔(ان سب کو)، پھر کہے گا (کہ اے گروہ جن) یعنی اے قوم جن کے شیطانوں (تم نے بہت اپنا لیا تھا انسانوں کو) اور اغوا کر کے انھیں اپنا تابع بنالیا تھا، اس وقت خاموش نہ رہ سکے (اور بولے ان) شیاطین (کے دوست انسان سے) یعنی انسانوں میں سے جو لوگ شیطانوں کے فرمانبردار ہو گئے تھے بول پڑے، (کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے اپنی غرض نکالی) یعنی شیاطین نے ہمیں نفس کی خواہشوں کی راہ بتائی، یہ ہمارا فائدہ رہا اور ہم ان شیاطین کے مطیع ومنقاد ہو گئے، تو یہ انکا فائدہ رہا۔ الختصر۔۔ہم دونوں نے ایک دوسرے سے اپنی اپنی غرض پوری کرلی۔۔الغرض۔۔ہم گناہوں میں ایک دوسرے کے مددگار رہے۔

شیاطین ہم کو گناہ کی طرف بلاتے رہے ہیں اور ہم شیطانوں کا بلانا مانتے رہے (اور) یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ہم (پہنچ گئے اس وقت کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمادیا تھا) یعنی قبروں سے نکل کر ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ اب آگے ہمارا کیا حال ہوگا؟۔۔۔ جواباً (فرمان ہوا کہ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے، ہمیشہ اس میں رہو) گے۔ یعنی ہمیشہ تمھیں جہنم کی آگ میں رہنا ہے، (مگر جو اللہ) تعالیٰ (چاہے) اسے جہنم کے 'طبقہء نار' سے نکال کر 'طبقہء زمہریر' یعنی ٹھنڈے طبقے میں پہنچادے ایسی ٹھنڈک میں جو نا قابل برداشت ہو۔۔ چنانچہ۔۔ وہاں بھی لوگ اسکی تکلیف کی شدت سے چیخ پڑینگے، تو اللہ تعالیٰ پھر انھیں آگ کے طبقے میں واپس کردیگا۔۔ الختصر۔۔ وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہونگے (بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا) ہے اس بات میں جو کچھ جن اور آدمیوں کے ساتھ وہ کریگا، اور (علم والا ہے) انکے اعمال اور احوال کا، تو جس طرح چھوڑ دیتے ہیں ہم کفارِ جن وانس کو انکی مرضی پر۔۔۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

اور اسی طرح حاکم بنادیتے ہیں، ہم بعض ظالموں کو بعض پر۔۔۔ بدلہ اس کا جو کماتے تھے●

(اور) انکی طبیعت پر، (اسی طرح حاکم بنادیتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض پر)، تاکہ وہ ظالم ان پر اپنی مرضی چلائیں اور ان سے اپنی طبیعت کے موافق جیسا چاہیں سلوک کریں (بدلہ اسکا جو کماتے تھے) یعنی یہ انکی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ جن گناہوں کو انھوں نے کمایا، اب انکا بدلہ بھی حاصل کرلیں۔۔۔ الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کبھی ظالموں اور بدکرداروں کو ظالموں ہی کے ذریعہ نیست ونابود کر دیتا ہے، اور کبھی اپنے دوستوں کے ذریعہ ظالموں کا صفایا کرادیتا ہے۔ یہ سب کچھ فرمانے کے بعد حق تعالیٰ ملامت کرنے کی راہ سے دوبارہ خطاب فرماتا ہے۔۔ کہ۔۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جن وانسان کے گروہ، کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے؟ بتاتے تم کو ہماری

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا

آیتیں، اور ڈراتے تم کو آج کے دن ملنے سے۔ بولے، کہ "ہم اپنے خلاف خود گواہ ہیں"

وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اور دھوکا دے دیا تھا ان کو دنیاوی زندگی نے، اور گواہی اپنے اوپر دینی پڑی، کہ بے شک وہ کافر تھے●

(اے جن وانسان کے گروہ، کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے)؟ اگر چہ پیغمبر آدمیوں کے سوا اور کسی جنس میں نہیں ہوئے، مگر چونکہ انسانوں کو جنوں کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس جگہ جمع کیا ہے، اسلئے یہ خطاب صحیح اور درست ہے۔ یہاں جنوں کے مبلغین اور منذرین کو بھی تغلیباً رسول کہہ دیا گیا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ کے رسول تو نہیں ہوتے تھے، مگر خود اللہ تعالیٰ کے رسول کے رسول، یعنی اپنے عہد کے رسولِ انس کے پیغام کو اپنی قوم تک پہنچانے والے ہوتے تھے۔ اور انھیں عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہوتے تھے۔۔۔

تو اے انسانو! اور جنو! بولو تمہارے پاس کوئی ایسا نہیں آیا، جو **(بتاتے تم کو ہماری آیتیں)** یعنی ہماری کتاب، **(اور ڈراتے تم کو آج کے دن ملنے سے)** یعنی قیامت کے دن سے؟ اس پر وہ **(بولے کہ ہم اپنے خلاف خود گواہ ہیں)**، یعنی ہم اقراری مجرم ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم کافر تھے اور ہم عذاب کے لائق ہیں۔ **(اور)** حال یہ ہے کہ **(دھوکا دیدیا تھا انکو دنیاوی زندگی نے)**، تو انھیں اعتراف حق کرنا پڑا **(اور گواہی)** خود **(اپنے اوپر دینی پڑی، کہ بیشک وہ کافر تھے)**۔۔الحاصل۔۔دنیا کی زندگی سے وہ فریب کھا گئے اور سمجھا کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے، یہاں تک کہ بعث ونشر سب بھول گئے اور پھر جب میدان حشر میں آئے، تو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے۔ لوگو! ان رسولوں کو مبعوث کرنا۔۔۔

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

یہ یوں کہ تمہارا پروردگار، نہیں ہے آبادیوں کو اجاڑنے والا ظلم سے، جبکہ اسکے بسنے والے بے خبر ہیں●

(یہ یوں) ہے، یعنی اسلئے ہے، **(کہ تمہارا پروردگار نہیں ہے آبادیوں کو اجاڑنے والا ظلم سے)**، یعنی بسبب اس ظلم کے جو وہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شہروں اور دیہات کے رہنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا **(جبکہ اسکے بسنے والے بے خبر ہیں)** اور کوئی پیغمبر انکے پاس نہ آیا ہو، اور انھیں خدا اور قیامت کی خبر نہ دی ہو۔۔الغرض۔۔کسی قوم کا بالکلیہ استیصال نہیں ہوتا، مگر پہلے وعید بھیج کر۔ اگر ایسا نہ ہو، تو کافروں کو یہ کہنے کی گنجائش مل جاتی کہ' کیوں نہیں رسول بھیجا تو نے ہماری طرف کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی'۔ جاننا چاہیے کہ' مکلفین' خواہ وہ جنات ہوں، یا انسان، مومن ہوں یا کافر ان میں۔۔۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ہرایک کا درجہ ہے جیسا عمل کیا۔ اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل، جو وہ کرتے ہیں ●

(ہرایک کا درجہ ہے جیسا عمل کیا)۔۔چنانچہ۔۔اعمال صالحہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہونگے اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہونگے، جوایک دوسرے سے عذاب میں سخت تر ہیں (اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل جو وہ کرتے ہیں) یعنی تیرا رب انکے اعمال سے غافل نہیں ہے، کہ اس پر انکے اعمال مخفی ہوں، نیکی ہو۔۔یا۔۔برائی۔تو ہرایک کو اسکے عمل پر جز۔۔یا۔۔سزا دیگا۔۔۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

اور تمہارا پالنے والا بے پرواہ رحمت والا ہے۔ اگر چاہے تم لوگوں کو ہٹادے، اور تمہاری جگہ تمہارے بعد

مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

جسے چاہے لائے، جس طرح تم کو پیدا فرمادیا دوسرے لوگوں کی نسل سے ●

سنو (اور) یاد رکھو! کہ (تمہارا پالنے والا) تمہاری عبادتوں سے (بے پرواہ) ہے۔وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں، مگر انسان محتاج ہے کہ اسکی عبادت کرکے اور اسکے احکام کی اطاعت کرکے اپنی نجات کا سامان فراہم کرے، اور خود کو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کے لائق بنا سکے۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور (رحمت والا ہے) ان پر۔اور عبادت کی تکلیف دینا، ان ہی کی تکمیل کے واسطے ہے۔اس رب غنی اور خداوند کریم کی شان یہ ہے، کہ (اگر چاہے)، تو (تم لوگوں کو ہٹادے)، یعنی تم لوگوں کو لیجائے اور تم کو تباہ و ہلاک اور برباد کرڈالے۔ (اور) پھر (تمہاری جگہ تمہارے بعد جسے چاہے لائے)، یعنی ایسی مخلوق پیدا کردے جو بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو، (جس طرح تم کو پیدا فرمادیا دوسرے لوگوں کی نسل سے)، یعنی تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی، گو وہ تمہارے ہی آبا و اجداد تھے۔تو اگر ان نوح علیہ السلام کی کشتی والوں کو ہم نے نہ بچایا ہوتا، تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا۔تو سن لو اے مکہ والو!

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اسے آنا ہے۔ اور تم کو بچنا نہیں ہے ●

(بیشک جس) روزِ قیامت (کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اسے) یقیناً (آنا ہے)۔ اسکے واقع ہونے میں کسی قسم کا خلاف نہیں (اور تم کو بچنا نہیں ہے)۔ یعنی کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگرچہ کتنا ہی جدوجہد کر کے دور بھاگو۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

کہدو، کہ "اے لوگو تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر، میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ تو جلد جان لوگے،

مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کہ جنت کی عاقبت کس کی ہوئی"۔ بے شک انجام بخیر نہ ہوں گے ظالم لوگ●

اے محبوب اہل مکہ سے (کہدو، کہ اے لوگوں تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر) یعنی اپنی قوت و طاقت کو آزمالو، اور جتنی جدوجہد ہو سکتی ہے کرلو، اور اپنے کفر و عداوت پر ڈٹے رہو، اور (میں اپنا کام کر رہا ہوں) یعنی صبر وشکر کے ساتھ اعمالِ صالحہ انجام دیتا ہوں اور اسپر ثابت قدم ہوں۔۔ نیز۔۔ ان پر مداومت کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا آیت میں امر، تہدیدیٔ امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا ہے یہ ہوکر رہے گا، اسلئے کہ یہ انکی جبلی اور فطری عادت تھی۔

تو اپنی من مانی کرنے والو! کرتے رہو، ایک وقت آئیگا (تو جلد جان لوگے)۔ یعنی تمہیں سمجھنے میں دیر نہ لگے گی اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا، کہ (جنت کی عاقبت کس کی ہوئی)۔ یعنی محمود اور اچھی عاقبت کس کو میسر ہوئی۔ یادرکھو کہ (بیشک انجام بخیر نہ ہونگے) مکہ کے اور ان جیسے (ظالم لوگ)، یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہونگے۔۔ الختصر۔۔ قیامت میں تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوئی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ضعیفوں، کمزوروں اور درویشوں کو کرامت وشرافت نصیب ہوگی، انھیں بہشت کے محلوں میں نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ لے جائینگے اور دنیادار سرکشوں کو ذلت وخواری کے ساتھ جہنم کو لے جائینگے۔

عرب کے جن مشرکین کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ عجیب وغریب ذہن وفکر والے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ انکا طریقہ تھا اپنی کھیتیوں میں ایک خط کھینچتے اور آدھے میں خدا کے واسطے اور

آدھے میں بتوں کیلئے نشان کر دیتے۔ اور اسی طرح چوپایوں کی بھی تقسیم کر دیتے۔ بعضے اللہ کے واسطے، بعضے بتوں کے واسطے۔ جو خدا کا حصہ مقرر ہوتا، وہ مہمانوں اور فقیروں کو دیتے اور جو بتوں کے نام کا مقرر کرتے، وہ بتخانوں کے خادموں کو بانٹ دیتے۔ پھر اگر خدا کا حصہ بہتر ہوتا، تو اسے اپنے معبودوں کے حصے سے بدل دیتے، اور اگر انکے معبودوں کا حصہ اچھا ہوتا، تو اُسے اپنے حال پر چھوڑتے۔ اور اگر خدا کے حصے سے کچھ بتوں کے حصے میں پڑ جاتا، تو اُسے نہ نکالتے اور کہتے کہ خدا غنی ہے، اسکی احتیاج نہیں رکھتا اور بتوں کے حصے میں سے کچھ خدا کے حصے میں اگر مل جاتا، تو نکال کر پھر بتوں کے حصے میں ملا دیتے اور کہتے کہ بت تو فقیر اور محتاج ہیں۔ حق تعالیٰ انکے اس حال سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان مشرکین عرب نے اپنی خام خیالی کا عجب مظاہرہ کیا۔۔۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ

اور کر دیا اللہ کیلئے جو اس نے پیدا فرمایا کھیتی اور مویشی سے ایک حصہ، تو کہنے لگے کہ یہ اللہ کا ہے

بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

ان کے نزدیک، اور یہ ہمارے بتوں کیلئے ہے۔ تو جو بتوں کا ہے نہیں پہنچتا اللہ کو۔

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جو اللہ کا ہے تو وہ پہنچ جاتا ہے بتوں کو۔ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں●

(اور) مقرر (کر دیا اللہ) تعالیٰ (کیلئے) اس میں سے (جو اس) خالق کائنات (نے) خود (پیدا فرمایا)۔ یعنی اپنی اپنی (کھیتی اور) اپنے اپنے (مویشی سے ایک حصہ) اور بتوں کے واسطے ایک حصہ۔ (تو کہنے لگے کہ یہ اللہ) تعالیٰ (کا ہے ان) کے گمان فاسد اور دعویٰ باطل (کے نزدیک، اور یہ) دوسرا حصہ (ہمارے بتوں کیلئے ہے) یعنی انکے لئے ہے جن کو ہم نے خدا کا شریک ٹھہرایا۔ (تو وہ حصہ (جو) انکے زعم باطل میں انکے (بتوں کا ہے، نہیں پہنچتا اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی اس میں خدا کا حق نہیں بنتا۔۔ چنانچہ۔۔ اس میں کچھ تصرف نہیں کرتے کہ اس میں سے کچھ نکال کر خدا کے حصے میں ڈال دیں۔ اس کے برخلاف انکے نزدیک اس میں حق (اور) حصہ (جو اللہ) تعالیٰ (کا ہے، تو وہ پہنچ جاتا ہے بتوں کو)۔ غور کرو کہ بہتر چیز کو خدا کے حصے سے نکال کر بتوں کیلئے نامزد کر دینے کا جو وہ فیصلہ

کرتے ہیں، تو (کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں)۔۔الحقصر۔۔بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت کرتے ہیں، جسکا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں۔ظاہر ہے یہ عمل وہ لوگ صرف اپنے بتوں سے محبت کی وجہ سے کرتے تھے۔ان مشرکین کے ظلم وزیادتی کا عالم یہ تھا کہ جس طرح شیاطین نے اُس مذکورہ تقسیم کو انکے نزدیک پسندیدہ بنادیا ہے۔۔۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ

اور اسی طرح اچھا لگادیا بہتیرے مشرکین کو انکے معبودوں نے اپنی اپنی اولاد کو قتل کرڈالنا،

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ

تاکہ ان کو ہلاک کردیں اور ان پر انکے دین کو مشتبہ کردیں۔ اور اگر اللہ چاہتا، تو وہ یہ نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾

تو ان کو اور ان کے افتراؤں کو چھوڑو●

(اور) انکو اس میں اچھائی نظر آنے لگی ہے۔(اسی طرح اچھا لگادیا) اور خوبصورت محسوس کرادیا (بہتیرے مشرکین کو انکے معبودوں) کے دوستوں نے، جو شیاطین جن میں سے ہیں۔۔یا۔۔ان بتوں کے خادموں (نے، اپنی اپنی اولاد کو قتل کرڈالنا) فقر کے خوف سے۔۔یا۔۔اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔۔یا۔۔اس خوف سے کہیں کوئی ان کو بچپنے میں اغواء کرکے قیدی نہ بنالے۔شیاطین جن۔۔یا۔۔شیاطین انس کے یہ سارے وسوسے صرف اسلئے تھے (تاکہ ان کو ہلاک کردیں) اور گمراہ کردیں (اور ان پر انکے دین کو مشتبہ کردیں)۔۔نیز۔۔انھیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر نئے دین پر چلادیں اور پھر انھیں معلوم نہ ہوسکے، کہ وہ کس دین پر ہیں؟۔۔الحقصر۔۔کھیتیوں اور مویشیوں کی مذکورہ تقسیم ہو۔۔یا۔۔قتل اولاد کے تعلق سے ان مشرکین کے احکام اور افعال، دونوں ہی لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

(اور اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو وہ یہ نہ کرتے)۔یعنی شیطانوں کے وسوسہ سے بچوں کو قتل نہ کرتے۔اے محبوب! جب انکا یہ فعل مشیت الٰہی پر موقوف ہے، (تو انکو اور انکے افتراؤں کو چھوڑو) جو وہ یہ کہتے ہیں کہ بچیوں کا زندہ دفنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، حالانکہ یہ انکا صریح جھوٹ ہے اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ کہ انھیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انھیں کچھ نہیں کہتا، تو آپ

بھی انھیں انکے حال پر چھوڑ دیجئے، اسلئے کہ انکے لئے حساب کا ایک وقت مقرر کیا گیا ہے، اس وقت ان سے پورا پورا حساب لیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ اپنے امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے۔ ان مشرکین نے اپنے دیگر باطل اور جاہلانہ خیالات کو ظاہر کیا۔۔۔

وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ

اور بولے کہ یہ مویشیاں اور کھیتی اچھوتی ہیں۔ نہیں کھائیگا ان کو مگر جسے ہم چاہیں، اپنے خیال میں،

وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً

اور کچھ مویشیاں ہیں جن کی سواری حرام ہے، اور کچھ مویشی ہیں کہ جنکے ذبح ہونے پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اللہ پر یہ سب افتراء۔

عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾

بہت جلد بدلہ دے گا اللہ، جو افتراء باندھتے تھے●

(اور بولے کہ یہ مویشیاں اور کھیتی) جو ہمارے بتوں کا حصہ ہیں (اچھوتی ہیں)، یعنی نرالی حرمت رکھنے والی ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ (نہیں کھائے گا ان کو مگر جسے ہم چاہیں)، یعنی بت خانوں کے خدام اور مردوں کے سوا اسکو کوئی کھا نہیں سکتا اور اسکا کھانا عورتوں پر حرام ہے ان مشرکین کے (اپنے خیال میں، اور) یونہی (کچھ مویشیاں ہیں) یعنی بحائر، سوائب اور حوامی (جن کی سواری حرام ہے اور) ایسے ہی (کچھ مویشی ہیں کہ جن کے ذبح ہونے پر اللہ) تعالیٰ (کا نام نہیں لیتے) تھے، بلکہ ان کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور دعویٰ یہ کرتے تھے کہ یہی خدا نے فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (پر یہ سب) کچھ انکا (افتراء) ہے۔ وہ کس خیال میں ہیں؟ (بہت جلد بدلہ دیگا اللہ) تعالیٰ انکو اس پر، (جو) اللہ تعالیٰ پر (افتراء باندھتے تھے)۔ ایسے ہی انکے احکام باطلہ میں سے یہ بھی ہے۔۔۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ

اور بولے کہ ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے صرف مردوں کا ہے، اور عورتوں پر

أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ

حرام ہے۔ اور اگر مرا ہوا پیدا ہو، اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔ بہت جلد بدلہ دیگا اللہ انکے اس من گڑھت کا۔

اِنَّهٗ حَكِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۳۹﴾

بیشک وہ حکمت والا علم والا ہے●

(اور) یہ بھی انکی جہالت ہے، کہ (بولے کہ ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے صرف مَردوں کا ہے) یعنی بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے، صرف مردوں کیلئے پاک اور حلال ہے (اور عورتوں پر حرام ہے) اگر زندہ پیدا ہو۔ (اور اگر مرا ہوا پیدا ہو)، تو (اس) کے کھانے (میں سب برابر کے شریک ہیں)۔ تو وہ کس گمان میں ہیں؟ (بہت جلد بدلہ دیگا اللہ) تعالیٰ (انکے اس من گھڑت کا) حرام وحلال کے تعلق سے، جسے انھوں نے خود ہی گڑھ لیا ہے۔ (بیشک وہ حکمت والا) ہے حلال و حرام کردینے میں، اور (علم والا ہے)۔ وہ بخوبی جانتا ہے بندوں کی مصلحتیں حلال اور حرام ہونے میں۔ من مانی کرنے والے کبھی فائدہ میں نہیں رہتے۔۔ چنانچہ۔۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا

بیشک گھاٹے میں پڑ گئے جنھوں نے مار ڈالا اپنی اولاد کو بے وقوفی میں نادانی سے، اور حرام قرار دے دیا جو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

اللہ نے انھیں روزی دی، اللہ پر بہتان لگاتے ہوئے۔ بیشک وہ گمراہ ہو گئے اور نہیں ہیں راہ پر●

(بیشک گھاٹے میں پڑ گئے) ربیعہ، مضر اور دوسرے بعض اہل عرب، (جنھوں نے مار ڈالا اپنی اولاد کو بے وقوفی میں نادانی سے)، یہاں تک کہ قبر میں زندہ دفن کر دیا، اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ یہ عرب کے لوٹ مار کرنے والوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں، جو انھیں اغوا کر کے قیدی بنالیں ۔۔یا۔۔ اس خیال سے کہ اگر یہ لڑکیاں بڑی ہو گئیں، تو انکے لئے جہیز اور شادی کے دوسرے اسباب کا اٹھانا پڑیگا، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ (اور) قتل اولاد کے ساتھ ساتھ، خواہ مخواہ کیلئے، (حرام قرار دیدیا) بحائر، سوائب وغیرہ کو، (جو اللہ) تعالیٰ (نے انھیں روزی دی، اللہ) تعالیٰ (پر بہتان لگاتے ہوئے) کہ خدا نے انھیں حرام فرمایا ہے۔ تو (بیشک وہ گمراہ ہو گئے) اور راہِ ضلالت میں کھو گئے (اور نہیں ہیں راہ) حق (پر) آنے والے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو سرزنش کی تھی جو شرک کرتے تھے۔ اسکے بعد اب پھر اصل کی طرف متوجہ کیا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا کہ۔۔

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنْشَأَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوشٰتٍ وَّالنَّخْلَ

اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا باغ، چھائی بیلیں، اور بے چھائے درخت۔ اور کھجور

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

اور کھیتی جدا جدا کھانے۔ اور زیتون اور انار، ملتے جلتے اور بے میل والے۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ

تم لوگ اس کا پھل کھاؤ جب سے پھلنے لگے، اور اسکی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور بے محل خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا بے محل خرچ کرنے والوں کو●

(اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا باغ) انگور کے، (چھائی بیلیں) ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئیں (اور بے چھائے درخت) زمین پر پڑے ہوئے۔۔یا۔۔ مَعْرُوشٰتٍ سے مراد وہ ہیں، جو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بٹھلائے ہوں اور غَيْرَ مَعْرُوشٰتٍ سے مراد وہ ہیں، جو پہاڑ اور جنگل میں خود اُگے ہوں (اور کھجور) کا درخت (اور کھیتی)، یعنی وہ کھیت جس میں دانے پیدا ہوں۔ حال یہ ہے کہ (جدا جدا کھانے) والے پھل، جن کی ہیئت اور کیفیت ایک جیسی نہیں۔۔یا یہ کہ۔۔اپنی حالت اور ذائقے میں ایک جیسے نہیں۔۔چنانچہ۔۔بعض بہت شیریں، بعض بہت ترش اور بعض کھٹ مٹھے۔۔یونہی۔۔بعض اچھے اور بعض خراب، وغیرہ۔ (اور زیتون) کا درخت (اور انار) کا پیڑ۔ حال یہ ہے کہ (ملتے جلتے) ہیں بعض بعض سے اپنی پتیوں کے لحاظ سے، (اور) یہ (بے میل والے) بھی ہیں اپنے ذائقے کے لحاظ سے۔۔الختصر۔۔مثلاً: انار کے سارے درختوں کی پتیاں ایک جیسی ہیں، مگر ہر درخت کے پھل کا ذائقہ الگ الگ ہے۔ یہی حال سارے میووں کے درختوں کا ہے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے ہی لئے پیدا فرمایا ہے، تو (تم لوگ اسکا پھل کھاؤ جب سے پھلنے لگے)۔۔الحاصل۔۔اسکا پھل کھاؤ اگر چہ کچا ہی کیوں نہ ہو (اور اسکی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن)، یعنی جس دن فصل کی کٹائی ہو، تو اسکی زکوٰۃ میں دسواں۔۔یا۔۔بیسواں، جو تم پر لازم ہو نکال کر زکوٰۃ کے مستحقین کو دیدو۔

یہ تفسیر بقول انکے ہے، جو آیت کریمہ کو مدنی قرار دے رہے ہیں۔ یہی حضرت مترجم قدس سرہ کے نزدیک راجح ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن کے نزدیک یہ آیت مکی ہے، تو یہاں صدقہ مراد ہے، زکوۃ مفروضہ نہیں۔ اس سلسلے میں یہی مشہور بھی ہے۔ صدقہ وخیرات کرنے میں اس بات کا خیال رہے، کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے جذبہء خیر کی نقل نہ کرو، جن کی ملک میں پانچ سو کے قریب خرمے کے درخت تھے، انھوں نے اس سے خرمے توڑے اور تصدق کردیئے، کچھ باقی نہ رکھے۔۔۔

توتم ایسا نہ کرو، یعنی جو کچھ ہے اُسے ایک ہی بار تصدق نہ کردو، کہ تم خود محتاج ہوجاؤ۔ (اور) یہ بھی خیال رکھو کہ (بے محل خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا بے محل خرچ کرنے والوں کو)۔ یعنی انکے اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتا۔

ذہن نشین رہے کہ ہر وہ خرچ بے محل اور نتیجہ کے لحاظ سے اسراف جیسا بیجا خرچ ہے، جو فی سبیل اللہ اور خدا کی رضا کیلئے نہ ہو، بلکہ صرف اور صرف حظ نفس کیلئے ہو، ایسا کہ آخرت میں کسی اجر وثواب کا مستحق نہ قرار پاتا ہو، خواہ وہ ایک تل کا دانہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جو کچھ خدا کے واسطے دے اور فی سبیل اللہ رضائے الٰہی کیلئے خرچ کرے، وہ اسراف نہیں، اگرچہ ہزار خزانے ہوں۔۔ بیشک۔۔

لَا خَیرَ فِی الاَسرَافِ۔۔ فضول خرچی میں کوئی بھلائی نہیں۔۔

۔۔۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے، کہ۔۔

لَا اَسرَافَ فِی الخَیرِ۔۔ نیکیوں کے کام میں کتنا بھی خرچ کرو فضول خرچی نہیں۔

۔۔۔ آؤ اور اللہ کی قدرت اور اسکی مزید کرم فرمائیاں دیکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے ہمارے فائدے۔۔۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اور مویشی میں بعض بار برداری والے ہیں، اور بعض چھوٹے کمزور، تم لوگ کھاؤ جو روزی دیدی تم کو اللہ نے، اور مت چلو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

قدموں پر شیطان کے۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے●

(اور) نفع کیلئے پیدا فرمایا (مویشی) کو جن (میں بعض بار برداری والے ہیں) جیسے اونٹ بیل وغیرہ (اور بعض) انکے اعتبار سے (چھوٹے کمزور)، جیسے بکرا وغیرہ جنھیں ذبح کرنے کیلئے زمین پر بآسانی پچھاڑا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ حمولۃ بڑے چار پائے ہیں اور فرش چھوٹے، کہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے زمین کے قریب قریب ہیں فرش کی طرح۔ لوگو! یہ جانور خدا نے تم کو اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں اور انکا کھانا تمہارے لئے حلال فرما دیا ہے، تو (تم لوگ) بے دھڑک (کھاؤ جو روزی دیدی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے) اور اسکے کہے سے حلال کو حرام نہ کرلو۔ (بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)۔ انسانوں سے جس کی دشمنی اظہر من الشمس اور دائمی ہے، وہ کبھی تمہارا دوست نہیں ہوسکتا۔

۔۔الحاصل۔۔درخت یا کھیت ہوں یا مویشی، سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کیلئے پیدا کیا، تو اسکو چاہئے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے۔ مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بنا رکھے تھے، اور عام لوگوں کیلئے ان پر سواری کرنا، بوجھ لادنا اور انکو کھانا اور انکا دودھ پینا حرام کردیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم ﷺ ' آپ ان سے پوچھئے، کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو نر حرام کئے ہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ نے نر کی صنف حرام کردی ہے، تو تم نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے مادہ کی صنف حرام کردی ہے، تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے دونوں حرام کردیئے ہیں، تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کو کیوں کھاتے ہو؟

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کیلئے فرمایا، کہ کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے۔ اور اگر تم سچے ہو، تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی۔۔یا۔۔کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہو، تو پیش کرو۔

مذکورہ بالا توضیح خلاصہ وحاصل ہے اس گفتگو کا، جو عوف بن مالک اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہوئی۔

۔۔چنانچہ۔۔جب عوف نے آپ کی بارگاہ میں آکر یہ کہا، کہ اے محمد ﷺ 'جو کچھ ہمارے باپ دادا نے حرام کیا تھا، وہ تو نے حلال کرلیا۔آپ نے فرمایا تمہارے باپ دادا کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔اسپر عوف بولا وہ خدا نے حرام کیا ہے۔اسپر ارشادِ الٰہی ہوا، کہ اے محبوب! ان سے معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں میں سے پیدا کیئے۔۔۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

آٹھ نر مادے، بھیڑ سے نر و مادہ دو، اور بکری سے نر و مادہ دو، پوچھو کہ کیا دونوں نر کو

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

حرام کیا، یا دونوں مادہ کو، یا اس کو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے؟

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

بتا تو دو مجھے کسی علم سے بھی اگر سچے ہو●

(آٹھ) جوڑے (نر مادے) ملا کر۔

جوڑا اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس سے جفتی کرے، تو نر مادہ کا جوڑا، اور مادہ نر کا جوڑا۔ یہاں مراد یہی ہے۔اگرچہ دونوں کو بھی جوڑا کہتے ہیں مگر یہاں مراد نہیں۔

(بھیڑ سے نر و مادہ دو، اور بکری سے نر و مادہ دو)۔کل چار جوڑے ہوگئے۔تو ان سے **(پوچھو کہ کیا دونوں نر کو حرام کیا، یا دونوں مادہ کو)** یعنی تم سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام کو جو حرام کہتے ہو، تو بتاؤ یہ ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔۔یا۔۔مادہ ہونے کی وجہ سے۔۔۔

اس پر عوف خاموش رہا۔پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو کہ نر ہونے کے سبب تحریم ہے، تو سب نر حرام ہونا چاہئے اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے تحریم ہے، تو سب مادائیں حرام ہونی چاہئیں۔

(یا اسکو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے) یعنی اگر تحریم اس وجہ سے ہے کہ رحم میں دونوں نر و مادہ رہے ہیں، تو چاہئے کہ سب حرام ہوجائے، کیونکہ سب ہی مادہ کے پیٹ میں رہ چکے ہیں۔**(بتا تو مجھے کسی علم سے بھی)** جو اس بات پر دلالت کرے کہ خدا نے انکو حرام کیا ہے، **(اگر)** تم اس بات میں **سچے ہو)** کہ انکو حرام کرنے کا حکم خدا کی طرف سے آیا ہے۔چار جوڑے تو وہ جو اوپر مذکور ہوئے۔۔۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

اور اونٹ سے نر و مادہ دو، اور گائے سے نر و مادہ دو۔ پوچھو کہ دونوں نر کو حرام کیا،

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۖ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ

یا دونوں مادہ کو، یا اس کو جسے دونوں مادہ کا پیٹ رکھے ہے؟ یا تم حاضر تھے،

اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

جب حکم دیا تھا تم کو اللہ نے اس کا۔ تو اس سے زیادہ ظالم کون؟ جس نے من گڑھت باندھا اللہ پر جھوٹ۔

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تا کہ گمراہ کردے لوگوں کو بے علمی سے۔ بے شک اللہ، نہیں راہ دیتا ظالم قوم کو●

(اور اونٹ سے نر و مادہ دو اور گائے سے نر و مادہ دو)، تو یہ بھی چار جوڑے ہوئے، جو اوپر ذکر کردہ جوڑوں سے مل کر آٹھ ہو گئے، تو انکے تعلق سے بھی (پوچھو کہ دونوں نر کو حرام کیا، یا دونوں مادہ کو، یا اسکو جسے دونوں مادہ کا پیٹ رکھے ہے)۔ یہاں بھی اگر تحریم کا سبب نر ہونا ہے، تو سارے نر کو حرام ہونا چاہئے۔ ایسے ہی اگر تحریم کا سبب مادہ ہونا ہے، تو پھر سب مادائیں حرام ہو جانی چاہئیں۔ یونہی اگر تحریم کا سبب مادہ کے شکم میں رہنا ہے، پھر تو سارے نر و مادہ کو حرام قرار دیدو۔ رہ گیا تمہارا یہ دعویٰ کہ حرمت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، تو کیا یہ کسی غیر محرف آسمانی کتاب میں مذکور ہے؟ (یا تم حاضر تھے) اور مشاہدہ کرنے والے تھے اس وقت (جب حکم دیا تھا تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اس) کی حرمت (کا)۔

عوف مسلسل خاموش رہا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا عوف! تو بولتا کیوں نہیں، تو اس نے کہا کہ آپ ہی کچھ فرمائیں، تا کہ میں سنوں۔ تو آپ نے اسکے سامنے یہ آیت پڑھی۔۔۔

(تو اس سے زیادہ ظالم کون، جس نے من گھڑت باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) اسکی طرف تحریم اور تحلیل کو منسوب کر کے (تا کہ) اپنی اس خود ساختہ گڑھی ہوئی بات سے (گمراہ کردے لوگوں کو) انکی (بے علمی) کے سبب (سے)۔۔۔یا۔۔خود اپنی لاعلمی و جہالت کے سبب سے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا ظالم قوم کو)۔ یعنی جو دین جاہلیت پر مضبوط ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نہیں فرماتا۔

مشرکوں نے جب یہ آیت سنی، تو بولے کہ سب چار پائے حلال ہو گئے، پھر حرام کون سے جانور ہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اے محبوب!۔۔۔

قُل لَّآ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ

کہدو کہ میں نہیں پاتا اس میں جو وحی بھیجی گئی ہے مجھ پر، کسی کھانے والے پر کوئی غذا حرام، مگر یہ کہ وہ

مَیۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَیۡرِ

مردار ہو، یا بہتا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کہ یہ تو نجاست ہے، یا نافرمانی کا جانور، کہ ذبح کیا گیا اللہ کے سوا دوسرے

اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾

کے نام پر۔ پھر کوئی بے قابو ہو گیا، نہ تو خواہشمند ہے اور نہ حاجت سے زیادہ لینے والا، تو بیشک تمہارا پروردگار غفور رحیم ہے●

(کہہ دو کہ میں نہیں پاتا اس میں جو وحی بھیجی گئی ہے مجھ پر کسی کھانے والے پر کوئی غذا حرام، مگر یہ، کہ وہ مردار ہو۔۔یا۔۔بہتا خون ہو)۔

اس سے وہ خون مراد ہے جو ذبح کے وقت مذبوح کی رگوں سے بہے۔۔یا۔۔زندگی میں اسکے بدن کے کسی حصے سے نکلے۔کلیجی اور تلی اس میں داخل نہیں۔

(یا سور کا گوشت ہو) اور جو کچھ اس میں سے آدمی کھا سکے، کیوں (کہ یہ تو نجاست ہے) اور وہ بھی نجس العین، کہ جسکے کسی بھی حصہ سے نجاست دور ہی نہ ہو سکے۔ (یا) حکم الٰہی کو نظر انداز کر کے نافرمانی کا) مارا ہوا (جانور) جو (کہ ذبح کیا گیا) ہو بوقت ذبح (اللہ) تعالیٰ (کے سوا دوسرے کے نام پر۔ پھر) اگر (کوئی) شخص (بے قابو ہو گیا) یعنی اسپر ایسی بے بسی طاری ہوئی، کہ وہ حالت اضطرار کا شکار ہو گیا اور حالت یہ ہے، کہ وہ (نہ تو خواہش مند ہے اور نہ) ہی (حاجت سے زیادہ لینے والا)، تو اسکے لئے جان بچانے کیلئے، جس قدر میں جان بچ سکے، اتنا ہی حرام کردہ جانور سے کھانا حلال ہے۔ اور رب کریم کی طرف سے یہ رخصت کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ وہ (تو) بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔ (بیشک تمہارا پروردگار غفور) ہے بخشنے والا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس سے مواخذہ نہ فرمائیگا، جو بقدر ضرورت حرام چیزوں میں سے کھالے۔اور (رحیم ہے)، کہ بے بس اور حالت اضطرار میں پہنچ جانے والوں کو بھی اجازت دیتا ہے۔

چونکہ عوف نے پوچھ لیا تھا کہ اگر ہمارے حرام کردہ حرام نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے کس جانور کو حرام فرمایا؟ اسکے جواب میں پہلے ان حرام چیزوں کا ذکر فرمایا جسکو مسلمانوں پر حرام فرمایا گیا ہے۔ پھر اب ان حرام چیزوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر حرام فرمادیا تھا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

اور جو یہودی تھے ان پر ہم نے حرام فرمادیا تھا، سب ناخن والے جانوروں کو۔ اور گائے اور بکری کی ہم نے حرام

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

کردیا تھا ان پر چربی۔ مگر جو پیٹھ اور آنتوں پر ہو، یا ہڈی سے لگی ہو۔

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾

یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی سرکشی کی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں●

(اور جو یہودی تھے)۔۔۔ یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے، نہ پہلے لوگوں کیلئے اور نہ ہی بعد والوں کیلئے۔۔ تو۔۔ **(ان پر ہم نے حرام فرمادیا تھا سب ناخن والے جانوروں کو)**۔

خیال رہے کہ ہر انگلی والا جانور ذِي ظُفُرٍ کہلاتا ہے، خواہ اُسکی انگلیوں کے درمیان کشادگی ہو، جیسے درندوں اور کتوں اور بلیوں کی تمام اقسام، یا نہ ہو، جیسے اونٹ، شترمرغ، مرغابی اور بطخ۔ ان یہودیوں پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے۔ پھر جب انھوں نے نافرمانی کی تو تمام ذِي ظُفُرٍ حرام ہوگئے۔

(اور گائے اور بکری کی ہم نے حرام کردیا تھا ان پر چربی)، نہ کہ گوشت۔ یعنی انکا گوشت انکے لئے حلال تھا، صرف چربی حرام تھی۔ **(مگر)** وہ چربی **(جو پیٹھ اور آنتوں پر ہو، یا ہڈی سے لگی ہو)**۔ یعنی وہ چربی جو انکی پیٹھوں اور کروٹوں پر ہے، یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں کے اندر اور باہر والی چربی انکے لئے حلال ہے اور آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی انکے لئے حلال ہے۔ اور وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہے یعنی رانوں کی ہڈیوں سے۔۔ یا۔۔ دُم کی ہڈیوں سے جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے ملی ہوئی ہو، یہ چربی بھی انکے لئے حلال ہے۔

یہ خیال رہے کہ ہم نے ان پر جو بعض حلال چیزیں حرام فرمادیں **(یہ ہم نے انکو سزا دی تھی انکی سرکشی کی)**۔۔۔ مثلاً: انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، سود لینا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا۔۔۔ الختصر۔۔ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو ان پر حرام کردیا جاتا تھا۔ چونکہ اب انکے منکر ہوگئے اور کہنے لگے ہیں کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں، گزشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے اُسے پھر مؤکد فرمایا **(اور بیشک ہم سچے ہیں)** انکی ہر بات کی خبر دینے میں۔۔ اور۔۔

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ

اب اگر وہ لوگ تمہیں جھٹلائیں، تو کہہ دو کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُهٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اس کا عذاب پلٹا نہ جائے گا مجرم قوم سے ●

(اب اگر وہ) مشرکین اور یہودی **(لوگ تمہیں جھٹلائیں)** اور حلال وحرام کی تفصیل جو تم نے بیان فرمائی ہے، اسکا انکار کردیں اور اسکو تسلیم نہ کریں۔۔الغرض۔۔اسکو سچ نہ قرار دیں، **(تو)** ان سے کہہ دو کہ **تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے)** جو تمہاری تکذیب کے باوجود، تمہاری سزا میں عجلت نہیں فرماتا۔لیکن تمہیں اس سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے۔اسلئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ سنبھل جاؤ اور سچائی کا اعتراف کرلو۔۔لہٰذا۔۔اس تصور میں نہ رہو، کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دیگا۔۔چنانچہ سن لو **(اور)** یادرکھو کہ **(اسکا عذاب پلٹا نہ جائیگا مجرم قوم سے)**۔جبکہ نازل ہوگا تو مجرمین اسکو نازل ہونے سے روک نہ سکیں گے۔لہٰذا مجرمین اس مہلت سے فائدہ اٹھالیں اور عذاب نازل ہونے سے پہلے راہِ راست پر آجائیں، ورنہ پھر انھیں کوئی سہولت نہیں ملے گی۔اے محبوب! ان مشرکین کی دیدہ دلیری اور بے جا جسارت کا منظر عنقریب تمہیں دیکھنے کو ملے گا، کہ صرف یہ ثابت کرنے کیلئے کہ جو کچھ ہم کررہے ہیں خواہ وہ ہمارا شرک ہو۔۔یا۔۔حلال کو حرام کرنے کا عمل، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔۔عنقریب۔۔

سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا

اب کہیں گے جنھوں نے شرک کیا ہے، کہ اگر اللہ چاہتا، تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم نے حرام

مِنۡ شَىۡءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ حَتّٰى ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ

کیا ہوتا کچھ۔اسی طرح جھٹلایا تھا انھوں نے جو ان سے پہلے ہوئے، یہاں تک کہ چکھ لیا ہمارا عذاب۔

قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ

پوچھو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے، کہ اس کو نکالو ہمارے لئے۔تم لوگ تو صرف گمان سے کام

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾

لیتے ہو، اور تم لوگ محض اٹکل لگاتے رہتے ہو●

(اب کہیں گے) اور بکیں گے وہ، (جنھوں نے) غیر خدا کو خدا کا (شریک کیا ہے، کہ اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، اور نہ) ہی (ہمارے باپ دادے) شرک کرتے، (اور نہ ہم نے) اور ہمارے مورثوں نے (حرام کیا ہوتا کچھ)۔

اس مقام پر قرآن کریم کا اعجاز بھی ظاہر ہو گیا، کہ جو بات وقوع میں نہ آئی تھی اسکی پیشگوئی کی -- چنانچہ -- اس آیت کے نازل ہونے کے بعد، مشرکوں نے مذکورہ بالا بات کہی ---

تو اے محبوب! جس طرح یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور' کہہ رہے ہیں کہ آپکی یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور ہمارے حرام کردہ کو حرام نہیں کیا ہے'، بالکل (اسی طرح جھٹلایا تھا انھوں نے) یعنی انکے مورثین نے ان انبیاء کرام کو (جوان سے پہلے ہوئے)، اور انکی اس تکذیب کا سلسلہ چلتا رہا (یہاں تک کہ چکھ لیا ہمارا) وہ (عذاب) جو کہ انکی تکذیب پر ہم نے ان پر نازل کیا۔

اے محبوب! ان سے (پوچھو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے)، یعنی کوئی امر معلوم ہے، کہ اُسے اپنی بات کی سچائی پر بطور دلیل پیش کر سکو۔ اور اگر ہے، تا (کہ اس کو نکالو ہمارے لئے)، تو پھر دیر کیا ہے؟ اُسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، جس سے تم اپنے باطل مزعومات کو حق ثابت کر سکو۔ اور حقیقت تو یہ ہے، کہ اس سلسلے میں (تم لوگ تو صرف گمان سے کام لیتے ہو)۔ یعنی شرک کو صحیح کہنے اور حلال چیزوں کو حرام قرار دینے میں تم اپنے گمان کے تابعدار ہو، حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے، ذرّہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ (اور تم لوگ محض اٹکل لگاتے رہتے ہو) اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں، اور صرف ظن وتخمین کی بنیاد پر اپنے ناشائستہ اور باطل امور کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ومرغوب بتاتے ہو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾

کہہ دو، کہ دل نشین دلیل تو اللہ کیلئے ہے۔ تو وہ چاہتا، تو تم سب کو راہ پر لاتا●

اے محبوب! واشگاف لب ولہجے میں ان سے (کہہ دو، کہ دل نشیں دلیل تو اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے) جو متانت اور ثبات کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے -- نیز -- وہ ایسی دلیل ہے، جو مدعی کو اسکے دعویٰ پر صحیح قرار دینے والی ہے۔ (تو) اگر (وہ) حجت بالغہ والا (چاہتا، تو تم سب کو راہ پر لاتا) اور تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشتا -- نیز -- تمہارے لئے ہدایت کے اسباب تیار فرما دیتا، کیونکہ وہ جسے ہدایت دینا

تا ہے، تو اُسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور اگر کسی کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے، تو اسکے ارادے
علام کے خلاف کر دیتا ہے۔ تو اے محبوب! ان پر حجت قائم کرنے کیلئے تا کہ انھیں معلوم ہو جائے، کہ
واقعی وہ گمراہی میں ہیں اور انکے دعویٰ کی دلیل نہ انکے پاس ہے اور نہ ہی انکے لیڈروں کے پاس، انکو
تبلیغ کر دو، اور۔۔۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا

کہہ دو، کہ لاؤ تو اپنے گواہوں کو جو گواہی دیں، کہ بیشک اللہ نے حرام کیا اس کو۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وہ گواہی دے دیں، تو تم گواہی نہ دینا ان کے ساتھ۔ اور نہ مانو ان کے اوہام کو جو جھٹلا چکے

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾

ع ١٨ ٥

ہماری آیتوں کو، اور جو نہ مانیں آخرت کو، اور وہ اپنے پروردگار کا برابر گڑھیں●

(کہہ دو، کہ لاؤ تو اپنے گواہوں کو) یعنی اپنے ان لیڈروں کو جن کے اقوال و اعمال کو تم اپنا
مذہب سمجھتے ہو۔۔الغرض۔۔اس سے وہ گواہ مراد نہیں، جو الٹی سیدھی مار کر انکا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔۔المختصر
اپنے لیڈروں کو سامنے لاؤ (جو گواہی دیں، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے حرام کیا) ہے (اسکو)۔ اور
(پھر) (اگر) بالفرض (وہ) کذب و افتراء پر اتر آئیں اور جھوٹی (گواہی دے) ہی (دیں)، (تو
تم) حسب معمول یعنی جھوٹوں کے ساتھ جو تمہارا طریقہ رہتا ہے (گواہی نہ دینا انکے ساتھ)۔ یعنی
ان کی گواہی کی تصدیق نہ فرمانا، اسلئے وہ جو کچھ کہتے ہیں خالص جھوٹ ہے اور واضح طور پر اسکا فساد بیان
کیا جا چکا ہے۔۔لہٰذا۔۔نہ تو تم تصدیق کرو (اور نہ مانو انکے) باطل (اوہام کو)، اور (جو جھٹلا چکے) عناد
کی راہ سے (ہماری آیتوں کو اور جو نہ مانیں آخرت کو)۔

ظاہر ہے آیاتِ الٰہیہ کا جھٹلانا اور آخرت پر ایمان نہ لانا، یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ جو
ان میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوگا، وہ دوسرے کا بھی مرتکب ہوگا۔

صرف یہی نہیں کہ وہ آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ ان امور
کے ساتھ ساتھ انکا حال (اور) طریقہ یہ ہے کہ (وہ اپنے پروردگار کا برابر گڑھیں) اور اپنے بتوں کو اللہ
تعالیٰ کا ہمسر قرار دیں۔۔الغرض۔۔جو ایسے بدبخت ہیں، کہ ان جملہ امورِ مذکورہ کے جامع اور صفات قبیحہ
سے موصوف ہیں، وہ اس لائق نہیں کہ انکے اوہام وخیالات کی تصدیق کی جائے۔۔۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

کہہ دو، کہ آؤ میں بتادوں جو حرام فرمایا تھا تمہارے پروردگار نے تم پر، یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا

احسان کا۔ اور نہ قتل کر ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیں اور انھیں بھی۔ اور

تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ

قریب نہ جاؤ بے شرمیوں کے، جو ان میں ظاہر ہیں اور جو چھپی ہیں۔ اور نہ قتل کرو اس کو، جسے

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اللہ نے حفاظت میں لے لیا ہے، ناحق۔ یہ ہے جس کا حکم دیا تم کو کہ عقل سے کام لو●

اے محبوب! ان بے جا طور پر حلال کو حرام کرنے والوں سے (**کہہ دو، کہ**) اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حرام فرمایا تھا، تو (**آؤ**) میری بارگاہ میں، تا کہ (**میں بتادوں جو حرام فرمایا تھا تمہارے پروردگار نے**)، تو سنو! نمبر ایک یہ کہ (**تم پر یہ**) لازم ہے (**کہ اسکا کوئی شریک نہ بناؤ**)، نمبر دو یہ کہ اللہ نے حکم دیا ہے (اور) 'امر' فرمایا ہے (**ماں باپ سے احسان کا**) یعنی ہمیشہ انکے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ انھیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔ انکے اس حکم کے سوا جس میں خدا کی نافرمانی ہو، دوسرے سارے حکم کی اطاعت کرو اور انکی نافرمانی نہ کرو۔ جس چیز سے انھیں اذیت پہنچے، اس سے باز رہو۔ اور اگر بالفرض ظالم و جابر بھی ہوں، تو بھی انھیں اُف تک نہ کہو۔

اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں والدین پر احسان کی اہمیت کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسکے بیان کو توحید کے بیان کے ساتھ ملا دیا ہے، اسلئے کہ ماں باپ وجود اور تربیت میں سبب قریب ہیں، اور یہ دو واسطے ہیں جنھیں حق تعالیٰ نے اپنی صفت ایجاد و ربوبیت کے آثار وانوار کا مظہر بنا دیا ہے۔

نمبر تین! یہ کہ ہوش سے کام لو (**اور نہ قتل کر ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیں اور انھیں بھی**)۔ یعنی تم دونوں کے رازق ہم ہی ہیں، اور چونکہ تمہاری اولاد کا رزق ہمارے ہی ذمہ کرم میں ہے تمہارے ذمہ نہیں، تو تم کیوں انکے قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہو۔ نمبر چار! یہ کہ شرم و حیاء سے کام لو (**اور قریب نہ جاؤ بے شرمیوں کے**)۔ نہ ان بے شرمیوں کے (**جو ان میں ظاہر ہیں**) (اور) نہ ہی ان بے شرمیوں کے (**جو چھپی ہیں**)۔ یعنی ہر ایسے کاموں سے بچو جو شرم و حیاء کے

واضوں کے خلاف ہیں، خواہ وہ ظاہر ہوں۔یا۔خفیہ۔۔یا یہ کہ۔۔زنا اور بدکرداری سے بچو۔نہ تو رؤساے عرب کی طرح چھپ کر زنا کرو، اور نہ ہی عرب کے اوباش اور بے باک لوگوں کی طرح کھلم کھلا زنا کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ظاہری فحش کام شراب نوشی ہے، اور باطنی فحش کام زنا کاری ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ظاہری فحش کام زنا کاری وشراب نوشی وغیرہ اور باطنی فحش کام انکا ارادہ کرنا ہے۔

نمبر پانچ! یہ کہ رحم سے کام لو **(اور نہ قتل کرو اسکو جسے اللہ) تعالیٰ (نے حفاظت میں لے لیا ہے)** احکام اسلام کی رُو سے۔۔یا۔۔اس سے معاہدہ کی وجہ سے۔۔المختصر۔۔نہ کسی مسلمان کو قتل کرو اور نہ ہی کسی ذمی کافر کو **(ناحق)**۔یعنی اُسے کسی حال میں بھی نہ قتل کرو۔ہاں اگر شرع کا حق اس سے وابستہ ہوگیا ہے اور شرع نے اسکے قتل کردینے کی اجازت دی ہے، تو اسے حاکم اسلام قتل کردے اور وہ یہ ہیں۔﴿۱﴾۔۔مرتد ہونے کے بعد۔﴿۲﴾۔۔شادی شدہ کا زنا کرنا۔﴿۳﴾۔۔نفس معصومہ کو قتل کرنے کے بدلے میں۔یاد رہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنے میں، 'امر حق' کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں 'امر' دین کی بنیاد ہیں۔

تو سنو! کہ **(یہ)** چار 'نہی' اور ایک 'امر' وہ **(ہے جسکا حکم دیا تم کو)** اللہ تعالیٰ نے، **تا (کہ عقل سے کام لو)** اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی میں اسکی نافرمانی نہ کرو۔۔نمبر چھ۶ یہ ہے کہ بدنیتی سے کام نہ لو۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ

اور قریب نہ پھٹکو یتیم کے مال کے، مگر اس طرح جو اسکے لئے زیادہ بہتر ہو، یہاں تک کہ بالغ جوان ہو۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ

اور پورا رکھو ناپ کو، اور تول کو، انصاف سے۔ہم کسی سے کام نہیں لیتے مگر جو کر سکے۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ

اور جب بولو تو انصاف کی بات بولو، گو رشتہ دار ہو۔اور اللہ کا عہد پورا کرتے رہو۔

ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾

یہ ہے جس کا حکم دیا تم کو کہ نصیحت حاصل کرو●

(اور قریب نہ پھٹکو یتیم کے مال کے)۔یعنی اسکے مال کے جسکا سن بلوغت سے پہلے باپ فوت ہوجائے۔۔اور۔۔یہ خطاب یتیموں کے متولیوں اور وصیّوں کو ہے۔۔۔**(مگر اسطرح جو اسکے**

لئے زیادہ بہتر ہو)۔یعنی اسکے مال کی حفاظت کرتے ہوئے، بقدر ضرورت کچھ کھالیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ یہ حفاظت کب تک؟ (یہاں تک کہ بالغ جوان ہو) جائے۔اور جب وہ بالغ اور سمجھدار ہوجائے، تو اسکا مال اسکے حوالے کردو۔

چونکہ پختہ عمری پچیس سال تک ہوجاتی ہے، تو جب لڑکا اس عمر کو پہنچے، تو اسکا مال اسکے حوالے کردیا جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو۔یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اسلئے دیا کہ یتیم عاجز ہوتا ہے، اسکے عجز کے پیش نظر اللہ تعالیٰ خود اسکا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظر شفقت فرما کر اسکے حقوق کی نگرانی کریں۔

نمبر سات[۷]! یہ کہ بددیانتی نہ کرو (اور پورا رکھو ناپ کو) ناپی جانے والی چیزوں میں، (اور تول کو) ترازو پر تولی جانے والی چیزوں میں، (انصاف سے)۔یعنی عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھو۔یعنی دینے والے کو چاہئے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے، اسی طرح لینے والے پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے حق کا مطالبہ کرے، لالچ کرکے زائد کا طالب نہ ہو۔

اس آیت کے نزول پر صحابہ ءکرام نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں، کہ تول میں ترازو کی ڈنڈی دونوں طرف ایسی برابر ہو کہ بال برابر بھی نہ جھکے۔تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

(ہم کسی سے کام نہیں لیتے مگر جو کرسکے) یعنی اگر ناپ اور تول میں تمہارے قصد وارادہ کے بغیر کمی واقع ہو اور تمہارا قصد پورا رکھنے کا ہو، تو اس کمی کو معاف کردینگے۔

نمبر آٹھ[۸]! یہ کہ ہمیشہ سچائی سے کام لو (اور جب بولو) حکومت کے متعلق۔۔یا۔۔گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں (تو انصاف کی بات بولو)، اور اس میں کسی طرح کی جانبداری سے کام نہ لو (گو) وہ شخص جسکے واسطے حکم کرو۔۔یا۔۔جس پر حکم کرو۔۔یا۔۔جسکے واسطے گواہی دو۔۔یا۔۔جس پر گواہی دو، (رشتہ دار ہو)۔۔الغرض۔۔ایسے مواقع پر حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے، رشتہ داری اور قرابت داری کا پاس ولحاظ نہیں ہونا چاہئے۔۔۔

نمبر نو[۹]! یہ کہ جرأت بے جا سے اپنے کو بچاتے رہو (اور اللہ) تعالیٰ (کا عہد پورا کرتے رہو)۔ یعنی احکام شرع ادا کرتے رہو اور جو نذر مانی ہے اُسے وفا کرو۔(یہ) تین امر اور ایک نہی وہ (ہے، جسکا حکم دیا) اللہ تعالیٰ نے (تم کو)، تا (کہ نصیحت حاصل کرو) یعنی انکی تاکید کو سمجھ کر انکے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

اور بے شک یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چلو، اور دوسری راہیں نہ چلو، کہ تم کو دور کر دیں اللہ

عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

کی راہ سے۔ یہ ہے جس کا حکم دیا کہ تم ڈر والے ہو جاؤ●

اس سلسلے کا دسواں حکم یہ ہے کہ اچھی طرح سے جان لو (اور) یاد رکھو کہ (بیشک یہ) یعنی جو کچھ اس سورہ میں مذکور ہوا، یعنی توحید کی دلیلیں، نبوت کا اثبات اور شریعت کا بیان (میری) بنائی ہوئی اور وضع کردہ وہ (راہ ہے) جو بالکل (سیدھی) ہے، اور سیدھے جنت میں لیجانے والی ہے جس میں کسی طرح کی کجی اور غیر فطری ٹیڑھا پن نہیں۔ (تو) تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ (اُس پر چلو) اور ہمیشہ چلتے رہو (اور دوسری) جو (راہیں) ہیں۔۔ مثلاً: یہودیت، نصرانیت اور دوسری گمراہ کن ملتیں اور باطل فرقے، وغیرہ وغیرہ: ان پر (نہ چلو)، بلکہ اسکو مڑ کر پسندیدہ نظر سے دیکھو بھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو (کہ) یہ ٹیڑھے میڑھے راستے (تم کو دور کر دیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔۔ الختصر۔۔ پراگندہ راہوں اور مختلف دینوں کی اتباع سے اپنے کو بچاتے رہو۔ (یہ) راہ حق کی پیروی تمہاری وہی (ہے، جسکا حکم دیا) اللہ تعالیٰ نے تا (کہ تم ڈر والے ہو جاؤ) اور گمرہی اور راہِ حق سے دوری سے اپنے کو بچاتے رہو۔

سابقہ آیات میں نو۹ احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس میں رمز یہ ہے کہ انبیاء کرام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا، بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لیکر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تورات میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے لہٰذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپکی نبوت کے تمام دلائل ہیں۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے، تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لائیں۔ اللہ کی ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے، اس سے ملاقات پر ایمان لائیں۔ تو اے محبوب! مذکور بالا احکام جو ہر نبی کے عہد میں جوں کا توں رہے اور ان میں نسخ نہیں ہوا، کو واضح طور پر بیان کر دینے بعد۔۔۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا

پھر دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پورا کرم کرنے کو اس پر جس نے نیکی کی، اور تفصیل

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾

ہر چیز کی، اور ہدایت و رحمت، کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کو مان جائیں●

(پھر) یہ بھی انکو سنا دیجئے، کہ (دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت (پورا کرم کرنے کو اس پر جس نے نیکی کی)۔ یعنی اسکے احکام پر خوب خوب مخلصانہ عمل کیا۔ تو ان نکوکاروں پر کرامت ونعمت کی تکمیل (اور) جو کچھ دین میں کام آئے اس سے متعلق (تفصیل ہر چیز کی)۔ یعنی انکا تفصیلی بیان فرمادیا (اور) وہ گمراہی سے بچا کر (ہدایت) دینے والا ہے (و) نیک عمل کرنے والوں کو عذاب سے نجات دلا کر (رحمت) عطا فرماتا ہے۔ ان خدائی انعامات اور کرم فرمائیوں کا بیان سن لینے کی وجہ سے شاید (کہ وہ) بنی اسرائیل (اپنے پروردگار سے ملنے کو مان جائیں)، اور مر کر اٹھنے پر ایمان لاکر ثواب و عقاب کی تصدیق کریں۔ منکرین کا یہ کہنا کہ پیغمبر اسلام نے اپنی طرف سے یہ کتاب بنالی ہے، یہ کلام الٰہی نہیں ہے۔۔۔ تو وہ غور سے سن لیں۔۔۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾

اور یہ کتاب ہے جس کو اتارا ہم نے برکت والی، تو اس کی پیروی کرو، اور ڈرو کہ تم رحم کیے جاؤ●

(اور) یاد رکھیں! کہ (یہ) عظیم المرتبت (کتاب ہے، جسکو اتارا ہم نے)۔ اسکو رسول اکرم نے اپنی طرف سے نہیں بنایا ہے۔ یہ (برکت والی) ہے۔ یعنی دینی اور دنیوی منافع سے پُر ہے۔ (تو اس) کے احکام (کی پیروی کرو اور) اسکی مخالفت سے (ڈرو)، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) اسکی متابعت کے سبب۔ ہم نے اس کتاب کو اسلئے بھی نازل کیا، کہ ہمیں اے مکہ والو! یہ چیز ناگوار و ناپسند تھی، کہ تم۔۔۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا

آئندہ یہ کہہ ڈالو کہ کتاب اتاری جا چکی ہے، صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے۔ اور ہم ان لوگوں

عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ

کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے● یا یوں کہ ڈالو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی، تو ہم ان سے

اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لہٰذا آگئی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی کھلی دلیل اور ہدایت ورحمت۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ

تو اس سے زیادہ ظالم کون ہے، جس نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور بے رخی برتی ان سے۔ ہم بہت جلد سزا دیں گے انھیں،

یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے۔ بری سزا منہ پھیرنے کی●

(آئندہ) قیامت میں عذر پیش کرتے ہوئے (یہ کہہ ڈالو)، کہ ہم پر کتاب ہی کب اتری؟ کیوں (کہ) جو (کتاب اتاری جا چکی ہے) وہ ہم پر کب اتاری گئی؟ وہ تو (صرف) ان (دو گروہوں پر) نازل کی گئی جو (ہم سے پہلے) تھے (اور ہم ان لوگوں کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے)۔ اسلئے کہ جن یہود و نصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی اسکو جب وہ پڑھتے تھے، تو ہماری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا تھا، کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں اسلئے کہ وہ کتاب ہماری زبان میں نہیں تھی۔۔(یا)۔۔عذر پیش کرتے ہوئے (یوں کہہ ڈالو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی، تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے) یعنی حق، کہ وہی انسان کا مقصودِ اعظم ہے، کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے۔۔یا۔۔بڑے بڑے احکام اور شرائع اور دقائق کو ہم ان سے زیادہ سمجھتے، اسلئے کہ ہم ان سے ذہنی طور پر تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ روشن ہیں۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔علمی فنون میں ہم ان سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، ہم قصص و اشعار اور خطابتوں کے زیادہ ماہر ہیں، اگر چہ ہم ان پڑھ ہیں۔تم قیامت میں اسطرح کا عذر نہ کرسکو۔ چونکہ تمہارے عذر کے دروازہ کو بند کردینا مقصود تھا، (لہٰذا آ گئی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی کھلی دلیل) یعنی قرآن کریم، جو تمہاری ہی زبان میں اترا (اور ہدایت)۔ جو کوئی اسکی پیروی کریگا اپنے مقصد اور مقصود کو پہنچ گا، (۔و۔رحمت) مسلمانوں کے واسطے۔قرآن 'بینہ' بھی ہے، 'ہدایت' بھی، اور 'رحمت' بھی ہے۔۔یوں۔۔صاحب قرآن رسول کریم بھی، ان تینوں صفات کے حامل ہیں۔آپ 'بینہ' ہیں: اسلئے کہ 'بینہ' کے معنی گواہ کے بھی ہیں، تو آپ اپنی امت کے گواہ ہیں۔اور مسلمانوں کیلئے خصوصی طور پر صاحب ہدایت و رحمت ہیں۔

(تو اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو اور بے رخی برتی ان سے۔ ہم بہت جلد سزا دینگے انھیں جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے، بری سزا منہ پھیرنے

کی)۔ یعنی ایسا عذاب جو سارے عذابوں سے بدتر ہوگا، کیونکہ وہ گمراہ ہونے کے ساتھ ساتھ گمراہ گر بھی تھے اور وہ حق کی طرف آنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور قرآن کریم ۔۔نیز۔۔ پیغمبر اسلام کی تکذیب کیلئے ان لوگوں نے اپنی حالت ایسی بنا رکھی ہے، گویا۔۔۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ

وہ لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتوں کے آنے کا وقت آجائے، یا تمہارے پروردگار کے دیدار کا وقت آجائے،

اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا

یا تمہارے پروردگار کی آخری نشانی آجائے، جس دن تمہارے پروردگار کی وہ نشانی آجائے، تو کسی کے کام اسکا ایمان

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ

نہ آئے گا، جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا۔ یا اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی تھی۔

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کہہ دو کہ خیر انتظار کیے جاؤ، ہم بھی منتظر ہیں ●

(وہ لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ) روح نکالنے والے ۔۔یا۔۔ عذاب الٰہی لانے والے (فرشتوں کے آنے کا وقت آجائے، یا تمہارے پروردگار کے دیدار کا وقت آجائے)۔ یعنی حشر کے دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے ۔۔یا۔۔ انکے عذاب کے واسطے ۔۔یا۔۔ اپنی آیتوں کی تمامی کیلئے تیرے رب کا حکم آجائے۔

ان آیتوں سے علاماتِ قیامت مراد ہیں اور وہ بہت ہیں، جن میں چند بڑے واقعوں میں سے 'دجال' اور 'دابۃ الارض' کا نکلنا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اترنا اور امام مہدی کا ظہور اور یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا اور مغرب سے آفتاب کا نکلنا وغیرہ ہے۔

(یا تمہارے پروردگار کی آخری نشانی آجائے) جسکو دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا سودمند نہ ہو۔ اور قیامت کی وہ آخری نشانی اکثر مفسرین کے بقول مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ اور جس رات کی فجر کو آفتاب مغرب سے نکلے گا، وہ رات بہت طویل ہوگی جسکی درازی تہجد اور اوراد و وظائف پڑھنے والوں ہی کو معلوم ہوسکے گی، کہ جب وہ اوراد سے فارغ ہونگے تو صبح کے منتظر رہیں گے اور صبح نہ ہوگی، تو وہ گمان اور شک میں پڑینگے اور پھر اوراد و وظائف

نئے سرے سے شروع کرینگے۔ جب دوبارہ اوراد و وظائف تمام ہونگے اور صبح کے آثار ظاہر نہ ہونگے، تو وہ لوگ سمجھ جائینگے کہ کوئی بڑی چیز ظاہر ہونے والی ہے۔ تو وہ تضرع وزاری اور توبہ واستغفار میں مشغول ہوجائینگے۔

یہاں تک کہ صبح کے آثار مغرب کی طرف نمایاں ہونگے اور آفتاب مغرب سے نکلے گا۔ اس میں کچھ روشنی نہ ہوگی، جیسے کہ گہن زدہ آفتاب کا حال ہوتا ہے اور تمام خلق اُسے دیکھے گی اور جب یہ بڑی نشانی ظاہر ہوجائیگی، تو غیب غیب نہ رہے گا اور وہ عین ہوجائیگا۔ اور اس وقت کا ایمان اضطراری ہوگا۔

۔۔الحاصل۔۔ **(جس دن تمہارے پروردگار کی وہ نشانی آجائے)** گی **(تو)** اس نشانی کو دیکھ لینے والوں میں سے **(کسی کے کام اسکا ایمان نہ آئیگا)**۔۔الختصر۔۔اس سلسلے میں صحیح تر اور اقوی قول کے پیش نظر توبہ وایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے، جو مغرب سے طلوعِ شمس کا مشاہدہ کرینگے۔۔لہٰذا۔۔جو شخص طلوعِ شمس کے بعد پیدا ہوا ہو۔۔یا۔۔اس وقت موجود تو تھا، لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی، اگر یہ طلوع شمس کے بعد بھی ایمان لائیں، تو قابل قبول ہے۔۔الغرض۔۔ مغرب سے طلوع شمس کا منظر وہ دیکھنے والا **(جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا)** اور اب قیامت کی آخری نشانی دیکھ کر ایمان لاتا ہے، تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نزع روح کے وقت موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے۔

۔۔الغرض۔۔دونوں ہی بے سود ہیں، اسلئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ومنظور ہے۔

(یا) یہ کہ ایمان تو پہلے لا چکا تھا، لیکن **(اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی تھی)** یعنی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔۔یا۔۔اخلاص کے ساتھ کوئی کارِ خیر انجام نہیں دیا تھا، تو ایسوں کیلئے خاص اس دن کیلئے جو مخصوص حکم ہے، وہ یہ ہے کہ انکی بھی اس وقت کی توبہ انکے لئے نفع بخش نہ ہوگی۔

۔۔الختصر۔۔اس دن نہ کافر کا ایمان مقبول ہے اور نہ فاسق کی توبہ۔ اسلئے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد، توبہ منقطع ہوجائیگی اور اسکا دروازہ بند کردیا جائیگا۔

اے محبوب! ان انتظار کرنے والوں سے، یعنی اپنے کو منتظرین جیسا بنا رکھنے والوں سے **(کہدو کہ خیر انتظار کئے جاؤ)** اور انتظار کرنے والوں کی طرح بنے رہو **(ہم بھی منتظر ہیں)**، کہ جب یہ

نشانیاں ظاہر ہوں، تو تم غم واندوہ کا شکار ہو جاؤ اور تمہاری اس حالت میں ہماری خوشی اور رضا کا اظہار ہو۔تو اے محبوب! آپ ان یہود ونصاریٰ۔۔یا۔۔اہل بدعت کی طرف سے فکر مند نہ ہوں۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

بیشک جنھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اپنے دین کو، اور ہوگئے شیعہ شیعہ، تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ سزا دے گا ان کو جو وہ کرتے تھے●

(بیشک جنھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اپنے دین کو)۔۔چنانچہ۔۔یہود کے اکہتر [۷۱]، نصاریٰ کے بہتر [۷۲]، اور اہل بدعت کے بکثرت فرقے۔۔الغرض۔۔وہ سب مختلف فرقوں میں بٹ گئے (اور ہوگئے شیعہ شیعہ)۔ ہر فرقہ نے اپنا ایک نیا دین بنالیا تھا اور اپنا علیحدہ امام بنالیا تھا۔تو اے محبوب! (تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں)، تو آپ انکے متفرق ہونے پر کسی بحث میں مت پڑیں، اور نہ ہی اپنے ہم عصر اہل کتاب سے انکے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔(انکا معاملہ اللہ) تعالیٰ (کے سپرد ہے)، وہی ایک انکے امور کا متولی ومتصرف ہے، اُنکے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔اپنی حکمت کے تقاضہ پر انکے امور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے فرماتا ہے۔(پھر وہ سزا دیگا انکو جو وہ کرتے تھے) یعنی قیامت میں انکے کرتوتوں کو ان پر ظاہر کرکے اور انکو آگاہ کرکے اسکے مطابق ان کو سزا دیگا۔ وہ عادل حقیقی ہے، اسکا کوئی کام عدل وانصاف کے خلاف نہیں۔ساتھ ہی ساتھ وہ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔اسکے فضل وعدل کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو ایک نیکی کرے تو اس کیلئے دس گنا ہے۔ اور جو برائی کرے، تو سزا نہ دی

فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

جائے گی مگر اس کے برابر، اور وہ ظلم نہ کیے جائینگے●

(جو) ایمان والا (ایک نیکی کرے، تو اسکے لئے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (دس گنا ثواب (ہے)۔یعنی ایک نیکی پر دس [۱۰] نیکی کا ثواب عطا فرماتا ہے۔(اور) اسکے برخلاف، (جو

برائی کرے، تو) بتقاضہءعدلِ خداوندی، اسے (سزا نہ دیجائے گی، مگر اسکے برابر)۔ یعنی اگر ایک برائی کی ہے تو اُسے ایک ہی برائی کی سزا دی جائیگی۔ (اور وہ ظلم نہ کیئے جائینگے)۔ نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائیگی، اور نہ ہی کسی کے عذاب میں زیادتی۔ تو اے محبوب جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالدیا ہے ان سے۔۔۔

قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

کہہ دو، کہ بیشک راہ دی مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی طرف۔۔ دین برحق، ابراہیم کی ملت،

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

جو ہر باطل سے الگ تھے۔ اور مشرک نہ تھے●

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

کہو کہ بیشک، میری نماز اور حج اور زندگی اور موت اللہ کیلیئے ہے، پروردگار سارے جہان کا●

(کہہ دو، کہ بیشک راہ دی مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی طرف)۔ یعنی (دین برحق) اور حضرت (ابراہیم کی ملت) کی طرف، (جو ہر باطل سے الگ تھے)۔ نہ وہ یہودی خیال تھے اور نہ ہی نصرانی مزاج، (اور) وہ بت پرست اور (مشرک) بھی (نہ تھے)۔ تو اے محبوب! سنادو اور ان سے۔۔۔

(کہو کہ) میں دین حنیف اور ملت ابراہیمی والا ہوں، تو (بیشک میری نماز اور حج) قربانی بھی جس میں اِفراد کی صورت میں مستحب اور باقی صورتوں میں واجب ہے، (اور زندگی)۔ یعنی میں زندگی میں جس کام پر ہوں اور جو میرے معمولات ہیں (اور موت) یعنی وہ چیز جس پر میں مروں ایمان وطاعت الٰہی میں سے، سب کا سب (اللہ) تعالیٰ (کیلیئے ہے)، جو (پروردگار) ہے (سارے جہان کا)۔۔۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا، اور میں پہلا مسلمان ہوں●

(اسکا کوئی شریک نہیں) یعنی میں اپنی عبادت میں بت پرستوں کی طرح کسی کو اسکا شریک نہیں کرتا ہوں، اور قربانی اُسی کے نام پر کرتا ہوں اسکے غیر کے نام پر نہیں۔ اور حج میں لبیک کہتے وقت،

اُسکے ساتھ اور کسی کو میں یاد نہیں کرتا، بخلاف اہل جاہلیت کے، جو کہا کرتے تھے کہ حاضر ہوں میں، نہیں شریک ہے کوئی واسطے تیرے، مگر ایک شریک کہ ہے وہ واسطے تیرے۔۔ چنانچہ۔۔ انکی لبیک یہ تھی۔۔

'لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكٌ هُوَ لَكَ'

۔۔۔ تو میں مشرکوں کی اس روش پر نہیں ہوں، بلکہ جو کچھ کرتا ہوں، کہتا ہوں اور رکھتا ہوں، وہ سب سب خدا کے واسطے ہے اور اسی کی رضا و خوشنودی کیلئے ہے (اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں) اسلئے کہ امت کے اسلام پر نبی کا اسلام مقدم ہوتا ہے۔

اور چونکہ آپ اول مخلوقات بھی ہیں، تو اب یہ کہنا بھی صحیح ہوگا، کہ تمام مخلوقاتِ اولین و آخرین کے ایمان پر آپ کا ایمان مقدم ہے۔ تو اب آپ حقیقی معنوں میں 'اول المسلمین' ہوئے۔

اے محبوب! ذرا کافروں کی جسارت تو دیکھو کہ وہ مسلسل آپ کو اپنے دین کی طرف پلٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ تو اے محبوب! ان سے صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

کہہ دو کہ کیا اللہ کے غیر کو اپنا پروردگار بنانے کیلئے جستجو کروں؟ حالانکہ وہ سب کا پالنے والا ہے۔ اور نہیں کماتا کوئی

اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

مگر اسکا ذمہ دار وہی ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تو بتادے گا تمہیں جس میں جھگڑا کرتے تھے●

(کہہ دو کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو اپنا پروردگار بنانے کیلئے جستجو کروں؟) اور عبادت کیلئے اور خدا کا شریک بنانے کیلئے، کوئی اور رب ڈھونڈوں؟ (حالانکہ) اسکے سوا کوئی دوسرا رب ہے ہی نہیں، اور وہ صرف (وہ، سب کا پالنے والا ہے)۔ اسکے سوا جتنے ہیں سب مخلوق و مربوب ہی ہیں اور مربوب ربوبیت کا سزاوار نہیں۔ اے محبوب! یہ ولید ابن مغیرہ بھی عجیب خرد ماغ ہے، جو کہتا ہے، اے عرب کے سردارو! تم میری پیروی کرو اور تمہارے گناہ میری گردن پر ہیں، یعنی تم فکر نہ کرو اسکی کہ میری پیروی کرتے ہوئے، تم جو بھی گناہ کرو گے، اسکا بوجھ میں اپنے سر لے لونگا۔

تو اے محبوب! سب پر یہ ظاہر کردو (اور) واضح کردو، کہ (نہیں کماتا کوئی مگر اسکا ذمہ دار

ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا) یعنی ہر ایک اپنے گناہ کا بوجھ خود اٹھائیگا۔ اور (پھر) حالت میں (اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا) طے شدہ (ہے)۔۔ الغرض۔۔ ہر شخص اپنے نیک بد ہر طرح کے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ خدا کی بارگاہ میں روز قیامت جب حاضری ہوگی، (تو) وہ بتادیگا تمہیں) دنیا میں (جس) کے بارے (میں) تم (جھگڑا کرتے تھے) اور آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ تو ان دنیوی امور کے تعلق سے، کہ ان میں کیا حق ہے اور کیا باطل ہے، یہ ساری باتیں پر ظاہر کردیگا۔ تو اے لوگو! آج ہی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرو اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرو اور جان لو کہ معبود برحق۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ

وہی ہے جس نے بنایا خود تم لوگوں کو زمین میں خلیفہ، اور بلند فرمادیا ایک کو ایک سے کئی درجے،

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ

تا کہ آزمالے تم کو اس میں جو دے دیا ہے تم کو۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے۔

وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌۢ ﴿۱۶۵﴾

اور بیشک وہ ضرور غفور رحیم ہے●

ع ۲۰ / ۷ / النصف

(وہی ہے جس نے بنایا خود تم لوگوں کو زمین میں خلیفہ) یعنی زمین میں نائب، جنات کے ۔۔یا۔۔ سابقہ امتوں کے بعد۔۔یا۔۔ تم اللہ تعالیٰ کے زمین میں نائب ہو، تو تم اسمیں تصرف کرتے ۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنا کر، ہر ایسے تصرف و اختیار کو بروئے کار لانے اجازت دیدی، جس میں خود اس سے بغاوت نہ ہو۔ (اور) اسکے علاوہ (بلند فرمادیا ایک کو ایک) بزرگی اور مالداری وغیرہ میں (کئی درجے، تا کہ آزمالے تم کو اس میں جو دیدیا ہے تم کو)۔ یعنی مال عطا کرنے میں جو فرق مراتب رکھا ہے، وہ صرف اسلئے ہے تا کہ مالداروں کا شکر اور فقیروں کھل کر ہر ایک کے سامنے آجائے، اور جو بے صبرے اور ناشکرے ہیں، وہ سن لیں، کہ (بیشک پروردگار) بے صبروں اور ناشکروں کو (جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ ضرور غفور رحیم) یعنی بخشنے والا ہے شکر گزاروں اور صابروں کو، اور خصوصی طور پر مہربان ہے ان دونوں پر۔۔۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر

انسان کو اپنا نائب بنایا، تو فریضۂ نیابت انجام دینے کیلئے جن صفاتِ حمیدہ کی ضرورت ہے، اس سے بھی آراستہ کردیا۔۔بلکہ۔۔انسان کو اپنی صفات یعنی حی، قیوم، سمیع، بصیر، حکیم، علیم، قدیر، مختار، متکلم اور صاحب ارادہ وغیرہا کا مظہر بھی بنادیا ہے۔ یہ انسانوں کیلئے بہت بڑا شرف ہے، اسپر وہ جتنا شکرادا کریں وہ کم ہے۔حقیقت تو یہی ہے کہ انسان اپنے رب کریم کا کماحقہٗ شکرادا کرنے سے عاجز وقاصر ہے، تو کم ازکم یہ تو کرے کہ خدا نے جو جاہ ومال اُسے عطا فرمایا ہے، اسکو اسکی نافرمانی میں صرف نہ کرے، اور حتی المقدور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی میں لگائے رکھے اور اسکی نافرمانی سے اپنے کو بچاتا رہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۵ ارمضان المبارک ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۶ ستمبر ۲۰۰۹ء

بروز یک شنبہ سورۂ انعام کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ قرآن کریم کے باقی حصوں کی تفسیر کی

توفیق عطا فرمائے اور اسے آسان فرمادے۔

آمین یا مجیب السائلین بحرمة

حبیبك سید المرسلین سیدنا محمد ﷺ

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۶ ارمضان المبارک ۱۴۳۰ء۔۔مطابق۔۔۷ ستمبر ۲۰۰۹ء

بروز دوشنبہ سورۂ اعراف کی تفسیر شروع کردی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکی تکمیل

کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یا مجیب السائلین بحرمة

حبیبك و نبیّك محمد ﷺ
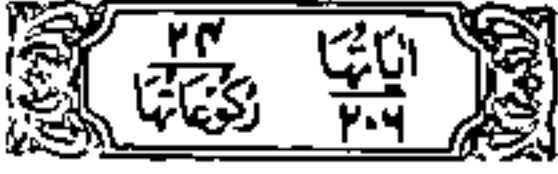
سُوۡرَةُ الۡاَعۡرَافِ

سورۂ اعراف مکیہ آیات ۲۰۶ رکوع ۲۴

قرآن کریم کی ساتویں[۷] سورت اور ترتیب نزول کے اعتبار سے انتالیسویں[۳۹] سورت ہے، جس میں چوبیس[۲۴] رکوع اور دوسو چھ[۲۰۶] آیتیں ہیں۔ اور تین ہزار تین سوستاسی[۳۳۸۷] کلمات ۔۔نیز۔۔ چودہ ہزار چھ سو پینتیس[۱۴۶۳۵] حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ بعض مفسرین اسکی آیت نمبر ایک سو تریسٹھ[۱۶۳] سے لیکر آیت نمبر ایک سو ستر[۱۷۰] تک کی آٹھ[۸] آیتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ یہ سورۂ ص کے بعد اور سورۂ جن سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت کی تمام آیات محکم ہیں، ان میں کوئی منسوخ نہیں۔ قرآن کریم میں سورۂ انعام کے بعد اسکا ذکر اسلئے ہے، کہ جو امور سورۂ انعام میں اجمالاً بیان کئے گئے ہیں، اس سورت میں انکا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے، جسکی وجہ سے سورۂ انعام اور سورۂ اعراف میں ایک خصوصی ربط پیدا ہو گیا ہے اور اس سورہ کو سورۂ انعام سے مناسبت حاصل ہو گئی ہے ۔۔الختصر۔۔ ایسی باعظمت اور مینارۂ نور و ہدایت سورۂ مبارکہ کو۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے سب پر اور مومنین کو (بخشنے والا) ہے۔ جسکی ابتداء عربی زبان کے حروف ھجا۔۔۔

الٓمّٓصٓ ①

ال م ص ●

(ال م ص) سے کی گئی۔

یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے تعلق سے اسلم راہ یہی ہے، کہ کہہ دیا جائے کہ اپنے اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ اسے وہی حق تعالیٰ ہی جانے ۔۔یا۔۔ اسکے بتانے سے اسکا وہ رسول جانے جن پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔ ان کلمات کو قرآن کریم میں رکھنے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے، تاکہ ایمان والوں کے ایمان کا امتحان ہو جائے، کہ کیا وہ قرآن

کریم کی انھیں باتوں کو مانتے ہیں جوانکی سمجھ میں آجائیں۔۔یا۔۔ان باتوں کو بھی مانتے ہیں جوانکی سمجھ سے باہر ہیں۔

پہلی صورت میں وہ کتاب کی بجائے اپنی سمجھ پر ایمان لانے والے ہوئے۔کتاب الٰہی پر ایمان لانا تو یہ ہے، کہ اسکی ہر ہر بات پر ایمان لاؤ،خواہ وہ تمہاری سمجھ میں آئے۔۔یا۔۔نہ آئے۔ہم تو صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ ان مقطعات کو کلام الٰہی مانیں، جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے اور بس۔رہ گیا اسکے اسرار ورموز کو سمجھنا؟ وہ ہمارے لئے ضروری نہیں۔اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور دوسرے نیک بندوں کو اسکے معانی اور خدائی مراد کا علم دیدے، تو یہ ایک دوسری بات ہے۔وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے۔یہ تو رہا اسلم راستہ اور اس میں ہی زیادہ احتیاط ہے۔۔مگر۔۔ایک سالم راستہ یہ بھی ہے کہ اسکی ایسی تاویل کی جائے، جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان گھٹائے۔۔نیز۔۔اس تاویل کو قبول کر لینے میں کوئی شرعی۔۔یا۔۔عقلی قباحت بھی نہ ہو۔

اسی نکتے کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے کہ **الٓمّٓصٓ** قرآن کریم۔۔یا۔۔اسی سورہ کا نام ہے ۔۔یا۔۔ان میں ہر ایک حرف اشارہ ہے خدا کے ناموں میں سے کسی ایک کی طرف، جیسے 'ا' سے الٰہ، 'ل' سے لطیف، 'م' سے ملک، اور 'ص' سے صبور۔۔یا۔۔ہر حرف کنایہ ہے ایک صفت سے، جیسے 'الف' سے اکرام، 'لام' سے لطف، 'میم' سے مجد اور 'صاد' سے صدق۔۔یا۔۔ بعضے حروف ناموں پر دلالت کرتے ہیں اور بعضے افعال پر۔تو اصل میں یوں ہوگا۔۔

'اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاُفَصِّلُ'

۔۔یعنی۔۔میں خدا ہوں کہ جانتا ہوں اور بیان کرتا ہوں۔۔یا۔۔سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہوں۔۔المختصر۔۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

کتاب جو اتاری گئی تم پر، تو نہ ہو تمہارے سینہ میں کوئی جھجک اس سے، تاکہ ڈراؤ تم اس سے،

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

اور نصیحت ہے مان جانے والوں کیلئے●

میں نے جبرائیل کے ذریعہ، اے میرے محبوب محمد عربی! آپ کی ذات مقدسہ اور صورت

شریہ پر جوکلام نازل فرمایا، وہ ایک عظیم (کتاب) ہے (جو اتاری گئی تم پر)۔ اسکی تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے، (تو نہ ہو تمہارے سینہ میں کوئی جھجک اس سے) یعنی اس پیغام رسانی کے تعلق سے آپ دل تنگ نہ ہوں اور قوم کی تکذیب سے غمناک نہ ہوں۔۔ الحتصر۔۔ یہ کتاب تم پر نازل ہی کی گئی اسلئے (تاکہ ڈراؤ تم اس سے) کافروں کو (اور) چونکہ یہ (نصیحت ہے مان جانے والوں کیلئے)، تو ان مومنین کی اس سے نصیحت کرتے رہو۔ تو اے مکلّف لوگو!

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

تم لوگ چلو اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے، اور مت پیروی کرو جو قرآن کو چھوڑ کر حاکم ہیں۔ تم لوگ کم نصیحت قبول کرتے ہو● اور کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا، تو وہاں آیا ہمارا عذاب رات کو سوتے میں، یا وہ دن میں قیلولہ کر رہے تھے●

(تم لوگ چلو اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے)۔ یعنی اوامر و نواہی یاد رکھ کر قرآن کریم کی متابعت کرو اور صرف اسی کی پیروی کرو۔ (اور مت پیروی کرو) انکی (جو قرآن کو چھوڑ کر حاکم ہیں) خواہ وہ شیاطین انس سے ہوں۔۔ یا۔۔ شیاطین جن سے۔ جو خلق خدا کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ تو اب اگر تم نے غیر حق کی متابعت کی، تو ظاہر ہو جائیگا کہ (تم لوگ کم نصیحت قبول کرتے ہو) تھوڑی سی نصیحت پکڑتے ہو۔ سنو! (اور) یاد رکھو کہ حق کی پیروی نہ کرنے والے کافروں اور فاجروں کی (کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا، تو وہاں) یعنی انکے دیہاتوں اور شہروں میں (آیا ہمارا عذاب رات کو سوتے میں) جیسے قوم لوط علیہ السلام پر آنے والا عذاب۔ (یا) اس وقت جبکہ (وہ دن میں قیلولہ کر رہے تھے) یعنی دوپہر میں سو رہے تھے، جیسے کہ قوم شعیب پر آنے والا عذاب۔

مذکورہ بالا دو وقتوں کی تخصیص اس جہت سے ہے کہ یہ اوقات آسائش اور استراحت کے ہیں، ان میں عذاب کا نہ تصور ہوتا ہے اور نہ ہی توقع ہوتی ہے۔ اور جو بلاءِ ناگہانی دفعتاً آ جائے، وہ بہت سخت ہوتی ہے۔ جیسے 'نعمت غیر مترقبہ' بہت خوب اور نہایت لذیذ و مرغوب ہوتی ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

تو نہ تھی ان کی کوئی بولی بات، جبکہ آ گیا ان پر ہمارا عذاب، مگر یہ کہ بولے کہ بے شک ہم ظالم تھے●

(تو نہ تھی انکی کوئی بولی بات جبکہ آگیا ان پر ہمارا عذاب) اور ہماری بلا، (مگر یہ کہ بولے کہ بیشک ہم ظالم تھے) اور رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے اوپر ظلم کررہے تھے۔۔الغرض۔۔وہ اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرلینگے، اور یہ گمان کرینگے کہ صرف اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیناہی عذاب سے نجات کا باعث ہوگا۔ حالانکہ عذاب کا نازل ہونا اور تکلیف طاعت کا اٹھ جانا، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔تو نزولِ عذاب کے وقت توبہ واستغفار کچھ مفید نہیں ہوتی۔

۔۔ہاں۔۔حضرت یونس کی قوم اس حکم سے مستثنیٰ ہے، جسکا ذکر انشاء المولیٰ تعالیٰ آگے آئیگا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶

تو ضرور ہم سوال کریں گے ان سے جن کی طرف رسول کیئے گئے۔اور ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے●

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ

پھر ضرور ہم خود ہی بتا دیں گے اپنے علم سے۔اور ہم تو کہیں سے غائب نہیں● اور عمل کی تول اس دن

الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸

ٹھیک ہے۔تو جس کا وزن بھاری ہوا، وہی کامیاب ہیں●

(تو ضرور ہم) قیامت کے دن (سوال کرینگے ان سے، جن کی طرف رسول) روانہ (کیئے گئے) تاکہ وہ پیغام رسالت کو قبول کریں اور رسولوں پر ایمان لائیں۔۔۔یہ سوال بھی ملامت اور عذاب کے طور پر ہوگا۔۔۔(اور) یونہی (ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے) کہ کیا تم نے فریضہ رسالت ادا کردیا تھا اور حکم پہنچا دیا ہے۔

ان سے یہ سوال سرفرازی اور تکریم کیلئے ہوگا، تاکہ انکے جواب سے اہل محشر پر انکی فضیلت وعظمت ظاہر کردی جائے۔۔یا یہ کہ۔۔امتوں سے یہ سوال ہوگا، کہ کیا تم نے انبیاء کرام کی فرمانبرداری کی تھی اور انبیاء سے یہ استفسار ہوگا، کہ کیا تم نے امت پر مہربانی کی تھی۔لیکن وہ ایسا وقت ہوگا کہ خوف وہیبت کی وجہ سے امتی لوگ کچھ نہ بول سکیں گے۔۔نیز۔۔انبیاء کرام ادب ولحاظ کر کے خاموش رہیں گے۔۔تو۔۔

(پھر ضرور ہم خود ہی بتا دینگے اپنے علم سے) کہ ہر ایک نے کیا کیا ہے اور انکا کہنا سننا کیا تھا۔

(اور) ہماری شان تو یہ ہے، کہ (ہم تو کہیں سے غائب نہیں)۔۔الغرض۔۔نہ ہم ان سے دور تھے، نہ ان سے غائب، اور نہ ہی ان کے افعال واقوال سے بے خبر۔ قیامت کا دن عدل وانصاف کے ظہور کا دن ہے۔۔۔

(اور عمل کی تول اس دن) بالکل (ٹھیک ہے) جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

'عمل کی تول' سے مراد یہ ہے، کہ اس دن واضح کردیا جائیگا، کہ راجح عمل کون ہے؟ اور کمزور کون ہے؟ اوران میں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون ہے؟۔۔۔

(تو جسکا وزن بھاری ہوا، وہی کامیاب ہیں)۔۔الغرض۔۔جس کے اعمال بھاری ہونگے، یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائینگی اگر بوجھل ہونگی، تو ان نیکیوں کو انجام دینے والا کامیاب وسرفراز ہوگا۔

وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

اور جس کا پلہ ہلکا پڑا، تو وہ ایسے ہیں کہ گھاٹے میں ڈالا خود اپنے کو۔ یہ بدلہ ہے

بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۹﴾

جو ہماری آیتوں سے زیادتی کرتے تھے●

(اور) اسکے برخلاف (جسکا) نیکیوں کا (پلہ ہلکا پڑا) گناہوں کی نحوست کی وجہ سے، (تو وہ ایسے ہیں کہ گھاٹے میں ڈالا خود اپنے کو) یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی فطرت سلیمہ 'جس پر انکی تخلیق ہوئی تھی' ضائع کردیا، اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے، تو انھوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

ظاہر ہے کہ جو اپنے راس المال یعنی اصل پونجی کو ضائع کردیتا ہے، وہ گھاٹے والا ہوتا ہے۔ تو انسان کی اصل پونجی اسکا اپنا نفس ہے، پھر جب وہ برے اعمال سے ہلاک وتباہ ہوا، تو گویا اس نے نفس کو ضائع کردیا اور خسارے کا شکار ہوگیا۔

اور (یہ) خسران اور گھاٹا، (بدلہ ہے) اسکا (جو ہماری آیتوں سے زیادتی کرتے تھے) یعنی انکی تصدیق کی بجائے انکی تکذیب کرتے تھے۔ تو اے خدا کی نافرمانی کرکے اپنے کو خسارے میں ڈالنے والو! اور اپنے نفس کو ہلاک کردینے والو! غلط روی اختیار کرتے وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی خیال نہیں رہا، تو اے قریشیو! آؤ۔۔۔

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ‌ؕ

اور ضرور بیشک ہم نے جماؤ دیا تم کو زمین پر اور پیدا کر دیا تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان۔

قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۰

تم لوگ کم شکر گزار ہوتے ہو●

(اور) سنو (ضرور بیشک ہم نے جماؤ دیا تم کو زمین پر) اور قدرت دیدی تا کہ تم زمین پر مکان وغیرہ بنا کر اور کھیتی باڑی کر کے سکون سے اس پر رہ سکو۔ یہی ہماری عطا کردہ قدرت کا ثمرہ ہے، کہ تم گرمی اور جاڑے میں شام و یمن کی سیر کرتے رہتے ہو۔۔ الغرض۔۔ ہم نے تم پر احسان کیا (اور پیدا کر دیا تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان) کسب اور تجارت کے ذریعہ، اور انکے علاوہ جو وسعت معیشت کا سبب بن سکیں۔ مگر تمہارا حال یہ ہے کہ (تم لوگ کم شکر گزار ہوتے ہو) باوجود اسکے کہ ایسی نعمتیں تمہارے ساتھ مخصوص کر دی گئی ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ تم میں کم لوگ ہیں جو شکر گزاری کے مراسم پر قائم رہتے ہیں۔ ذرا ہمارے احسانات کا جائزہ تو لو۔۔۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰۤـئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ

اور البتہ ہم نے پیدا فرمایا تم کو، پھر صورت بخشی تمہیں، پھر فرمایا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کا۔

فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۝۱۱

تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے۔ کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں نہ ہوا●

(اور) غور کرو کہ (البتہ ہم نے پیدا فرمایا تم کو) تمہارے باپ آدم کی پشت میں، (پھر صورت بخشی تمہیں) تمہاری ماؤں کے شکم میں۔۔ الغرض۔۔ باپوں کی پشت میں تمہیں پیدا کیا، اور پھر ماؤں کے شکم میں تمہاری صورت گری کی۔ اور تمہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ تمہارے وجود کی اصل الاصول تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور انکا پیکر تیار کر کے اسمیں روح ڈالی، جس سے وہ موجود ہوگئے۔ (پھر) انکو زمین کی خلافت عطا فرمائی اور انھیں عزت و کرامت کی مسند پر بٹھا دیا اور انکی عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے (فرمایا ہم نے فرشتوں سے، کہ سجدہ کرو آدم کا) اور انکی تعظیم و تحیت بجالاؤ، (تو سب) فرشتوں (نے) فرمانبرداری کی راہ سے (سجدہ کیا، سوا ابلیس کے) کیوں (کہ) عُجب اور حسد کی راہ

نے (وہ سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا)۔ یہ تھا ابلیس کا عمل جس نے اُسے خداوندی لعنت کا مستحق بنادیا

۔۔الحتصر۔۔اللہ تعالیٰ نے اس سے۔۔۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

فرمایا کہ "کس چیز نے روکا تجھ کو، کہ تو نے سجدہ نہ کیا؟ جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا" بولا "میں بہتر ہوں اس سے"۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾

"مجھ کو تو نے آگ سے بنایا، اوران کو مٹی سے پیدا کیا"●

(فرمایا کہ کس چیز نے روکا تجھ کو، کہ تو نے سجدہ نہ کیا، جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا)۔تو وہ جواباً (بولا) کہ (میں بہتر ہوں اس سے)۔اسلئے کہ (مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اوران کو مٹی سے پیدا کیا)۔

اور آگ جو ہر لطیف علوی نورانی ہے، اسکے برعکس مٹی جسم کثیف، سفلی، ظلماتی ہے۔تو شیطان تعجب میں پڑ گیا اس بات سے، کہ مجھ جیسے کو اُس جیسے کے سجدہ کا حکم دیا جارہا ہے۔تو شیطان کا خود کو حضرت آدم سے بہتر سمجھنا ہی سجدہ کرنے سے مانع ہوا۔۔تو۔۔

'میں آدم سے بہتر ہوں'۔۔۔یہ ہوا شیطان کا عقیدہ

جسکی وجہ سے وہ ہمیشہ کیلئے مردود وملعون قرار دیدیا گیا اور نبی کی گستاخی کی اُسے یہ سزا ملی کہ اس سے توبہ کی توفیق ہی چھین لی گئی۔اسی لئے اس نے مہلت تو مانگی، لیکن مغفرت نہیں مانگی۔ویسے بھی شیطان نے زبردست مغالطہ کھایا، کہ عنصر کے اعتبار سے فضیلت کا لحاظ کیا۔۔۔اگر فاعل کے اعتبار سے، کہ:

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔۔۔

'واسطے اسکے کہ جسکو پیدا کیا میں نے دونوں ہاتھوں سے'۔۔۔اس سے عبارت ہے

۔۔۔اور حقیقت کی نسبت سے، کہ:

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔۔۔

'پھونکی میں نے اس میں اپنی روح میں سے'۔۔۔اسکی طرف اشارہ ہے

۔۔۔دیکھتا، تو اُسے معلوم ہوجاتا کہ بہتری اور بزرگی آدم ہی کو ہے۔

اور آگ کے مٹی پر افضل ہونے میں بھی اسکا قیاس صحیح نہیں تھا۔اس واسطے کہ آگ خائن ہے، جو کچھ اُسے دیجئے اسے نیست ونابود کردیتی ہے۔اور خاک امین ہے، جو کچھ اُسے سپرد

کریں اسکی حفاظت کرتی ہے۔ اور امین خائن سے بہتر ہے۔ اور آگ متکبر اور سرکش ہے، اور مٹی متواضع اور فروتن ہے۔ اور تواضع تکبر سے بہتر ہے۔ خاک نقش کو قبول کر لیتی ہے، جیسے کہ حضرت آدم نے نقش معرفت قبول کر لیا:

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ۔۔۔ لکھا انکے دلوں میں ایمان۔

۔۔۔ اسکے برعکس آگ نقش کو جلا دیتی ہے، جیسا کہ ابلیس نے نقش معرفت جلا دیا:

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۔۔۔ پس نافرمانی کی اپنے خدا کے حکم سے۔

۔۔ الحتصر ۔۔ جب شیطان نے اپنی اس سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو اسکو خدا کا ۔۔۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ

فرمان ہوا، "تو یہاں سے اتر جا،" "تجھے حق نہ تھا کہ یہاں غرور کرے،" "نکل، بے شک

مِنَ الصَّاغِرِينَ ⑬

تو کمینوں سے ہے"●

(فرمان ہوا) کہ (تو یہاں سے اتر جا) آسمان سے ۔۔ یا ۔۔ بہشت سے ۔۔ یا ۔۔ تیری عبادت کے صلہ میں تجھے جو بلند مرتبہ عطا کیا گیا ہے، عزت و کرامت کی اس مسند سے نیچے اتر جا، اس معصیت کے سبب جسکا تو مرتکب ہوا ۔۔ الغرض ۔۔ یہ حکم بھی عذاب الٰہی تھا اسکے گناہ پر۔

اے ابلیس! (تجھے حق نہ تھا) اور یہ کسی حال میں بھی تیرے لئے روا نہ تھا (کہ یہاں غرور کرے) اور فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کرتے ہوئے دیکھنے کے باوجود تو اَڑ رہا ہے۔ کیا تیرا آتشی مادہ ان فرشتوں کی نورانی حقیقت پر بھی فضیلت رکھتا ہے، تو یہ تیرے ہی بنائے ضابطے سے تجھ سے افضل ہوئے، اسلئے کہ انکا مادہ تیرے مادے سے افضل ہے۔ تو جب تجھ سے کہیں زیادہ فضیلت رکھنے والے جھک گئے، تو تو نے مفضول تر ہونے کے باوجود سجدہ کرنے میں کیوں عار محسوس کی؟ اچھا اب تو اس قابل نہیں رہا کہ عزت و کرامت کی جگہ بہشت میں رہ سکے ۔۔ یا ۔۔ آسمان کی بلندی پر تیرا ٹھکانا ہو، اسلئے کہ آسمان متواضعین کے رہنے کی جگہ ہے، نہ کہ مغرورین کی قیامگاہ۔

۔۔ لہٰذا ۔۔ (نکل) جا، اسلئے کہ (بیشک تو کمینوں سے ہے) یہ تیری کتنی بڑی کمینگی تھی، کہ حکم کو تو دیکھا، لیکن حکم کرنے والے کو نہیں دیکھا اور اسکی عظمتوں کا خیال نہیں کیا [illegible]

ان پیکر آدم میں نہیں دیکھا۔ اگر تو پیکر آدم میں دیکھتا، تو نور محمدی کے جلوے نظر آتے، اور تجھ پر ظاہر ہو جاتا کہ دراصل پیکر آدم کی طرف رخ کرا کے اسی نور کی تعظیم کرانی مقصود تھی۔۔ علاوہ ازیں۔۔ اگر تو پیکر آدم میں دیکھتا، تو تجھے اس میں خلافتِ الٰہیہ اور نیابتِ خداوندی کی تجلیاں نظر آتیں۔۔۔ پھر اس مردود نے جسارت کا مظاہرہ کیا۔۔ اور۔۔

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾

بولا، "میری جان بخشی کی جائے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں"●

(**بولا میری جان بخشی کی جائے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں**)، وہ حشر کا دن ہے اور اس دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئیگی۔

تو اس گزارش میں ابلیس کی دبی ہوئی خواہش یہ تھی کہ اُسے موت ہی نہ آئے، اور وہ اس عمومی قاعدے سے بچ جائے کہ 'ہر شخص کو موت آنی ہے'۔۔ تو۔۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾

فرمان ہوا، "بیشک تجھ کو مہلت ہے"●

اسکی اس عرض پر خدائی (**فرمان ہوا کہ بیشک تجھ کو مہلت ہے**) وقت معلوم تک کیلئے۔ یعنی نفخہ اولیٰ تک۔ اسلیئے کہ اس دن تمام مخلوق مر مٹے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

۔۔ الغرض۔۔ حق تعالیٰ نے، نہ تو یہ کیا کہ ابلیس کی درخواست کو بالکلیہ مسترد فرما دیا، اور نہ یہی کیا کہ اسکو **کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ** کے ضابطے سے مستثنیٰ فرما دیا۔۔ لہٰذا۔۔ اسکو صرف اتنی مہلت عطا فرمائی، جس سے مہلت مانگنے سے ابلیس کا جو مقصد ہے اسکے حصول کا ظاہری امکان باقی رہے۔ یہاں یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ استدراجاً کافر کی بعض دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ ابلیس ہی ایک تھا جسکو اس درخواست پر مہلت عطا فرمائی گئی، اسکے سوا اور کوئی مہلت یافتہ نہیں تھا۔۔ چنانچہ۔۔ **اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ**۔۔ 'تو مہلت پانے والوں میں سے ہے'۔ تو یہ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تجھ کو اتنی زندگی عطا فرمائی جائیگی، کہ تو ان لوگوں کا ساتھی ہو جائے، جن کی موت نفخہ اولیٰ سے ہوگی۔ اس مہلت کی خبر سننے کے بعد۔۔۔

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۶﴾

بولا، "تو چونکہ میری گمراہی تو نے ظاہر کردی، ضرور آسن جماؤں گا تیرے سیدھے راستہ میں جوانکے لئے ہے"●

ابلیس (بولا، تو چونکہ میری گمراہی تو نے ظاہر کردی) اور مجھے اپنی رحمت سے بے نصیب کردیا، تو (ضرور آسن جماؤں گا تیرے سیدھے راستے میں، جوان کیلئے ہے)۔ یعنی اولاد آدم کو سیدھے راستے سے باز رکھنے کیلئے اور انھیں دین اسلام سے دور کرنے کیلئے۔۔ المختصر۔۔ میں ہمیشہ اس بات کے درپے رہونگا کہ انکی رہزنی کروں اور صراط مستقیم پر چلنے نہ دوں اور اس کام کیلئے میں انکا چکر لگاتار ہونگا۔۔اور۔۔

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ

"پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس، سامنے سے، پیچھے سے، اور داہنے سے،

وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾

اور بائیں سے، اور تو ان کے بہتیروں کو شکر گزار نہ پائے گا"●

(پھر ضرور آؤنگا انکے پاس سامنے سے) یعنی امر آخرت میں، اور کہونگا بعث وحشر اور بہشت و دوزخ کچھ بھی نہیں، اور انکے دلوں میں حسد ڈالونگا اور اس طرح سے بہتر بنا کر انکے دلوں میں حسد پیش کرونگا، کہ وہ اپنے ہم عصر علماء ومشائخ پر حسد کر کے انکے احوال واعمال واقوال پر طعنہ زنی کرینگے۔ اور انکے (پیچھے سے) یعنی دنیوی جہت سے انھیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤنگا۔۔یا۔۔از جہت تعصب کہ وہ صحابہ وتابعین اور سابقہ مشائخ واولیاء کرام پر طعن وتشنیع کرینگے، اور انکے بغض میں مبتلا ہونگے (اور داہنے سے) یعنی حسنات کی جہت سے، کہ انھیں عُجب وریاء میں مبتلا کرونگا۔۔یا۔۔ از جہت انبساط: کہ مریدین کو باوجودیکہ مشائخ وعلماء واولیاء کی صحبت میں گزارینگے، لیکن آداب مجلس سے محروم ہونگے، کہ انکی عظمت وہیبت انکے دلوں سے اٹھالونگا اور ایسا بے باک بنادونگا، کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلا تکلف کلام کرینگے اور ہنسی مذاق کرنے سے نہ رکیں گے۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض برکات سے محروم ہوجائینگے (اور بائیں سے) یعنی مخالفت کی جہت سے، کہ اپنے علماء ومشائخ کے اوامر ونواہی کی صریح مخالفت کرینگے۔ میں انھیں انکی مخالفت پر سخت اکساؤنگا۔ وہ اگرچہ انکے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے، لیکن درحقیقت وہ ہونگے پکے مخالف۔

ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اسلئے ہے، کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انھیں جہات سے ہوتا ہے۔ اس سے شیطان کی سخت جد و جہد کا بیان مقصود ہے، کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھی راہ سے ہٹانے میں یونہی جد و جہد کرتا ہے اور جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہِ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس میں تحت وفوق یعنی 'نیچے اور اوپر' کا ذکر نہیں۔ اسلئے کہ عموماً دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے، تو بہت کم۔ آخر میں شیطان کہتا ہے کہ میری اس جد و جہد۔۔۔

(اور) بھر پور محنت کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ (تو انکے بہتیروں کو شکر گزار نہ پائیگا)۔

شیطان نے یہ بات بطور ظن وتخمین کہی۔ اسلئے کہ جب اس نے اولادِ آدم کے اوصاف سنے اور متضاد عناصر سے انکے پیکر کی ترکیب دیکھی، تو اسے متعدد اوصاف ایسے دکھائی دیئے، جو شر و فساد کا مبدء تھے۔۔ مثلاً: شہوت، غضب وغیرہ اور مبدء خیر، صرف عقل نظر آئی، تو اُسے خیال گزرا کہ متعدد کو اکیلے پر غلبہ ہو سکتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس نے وہی کہا جسکا ذکر اوپر ہوا۔۔ پھر۔۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمان ہوا، "نکل یہاں سے، مردود۔ ملعون۔ جو ان میں سے تیری چال چلا،

لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

تو بھر دوں گا جہنم کو، تم سب سے"●

(فرمان) الٰہی (ہوا، نکل) جا (یہاں سے)۔ بہشت سے۔۔ یا۔۔ آسمان سے۔۔ یا۔۔ عزت وکرامت کے ایوان سے، کیونکہ تو سخت عیب دار اور (مردود) ہے اور دھتکارا ہوا (ملعون) ہے۔ ایک طرف عیب کیا اور پھر اپنے کو اعلیٰ وافضل سمجھا؟۔۔۔ اے ابلیس سن لے! کہ تجھے جو سزا ملی، وہ تو ملی ہی، میں نے طے کر لیا ہے کہ (جو ان میں سے) یعنی اولادِ آدم میں سے یا خود تیری اولاد میں سے ہو، اگر (تیری چال چلا) اور کفر وطغیان میں تیری پیروی کی، (تو بھر دونگا جہنم کو تم سب سے)۔ یعنی تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والوں سے۔۔۔ ابلیس کو بہشت سے نکال دینے کے بعد ہم نے آدم کو مخاطب کیا۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

"اور اے آدم تم رہو اور تمہاری بی بی جنت میں، پھر کھایا کرو جہاں چاہو"

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

"اور اس پیڑ کے قریب نہ جانا کہ اپنا بنا بگاڑ دو"●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اے آدم! تم رہو اور تمہاری بی بی) حواء (جنت میں، پھر کھایا کرو) جنت کے میووں اور نعمتوں میں سے جو چاہو، جب چاہو اور (جہاں) سے (چاہو)، مگر یہ خیال رہے (اور) دھیان رہے کہ (اس) گیہوں ۔۔یا۔ انگور کے (پیڑ کے) دانوں کو تناول کرنے کے (قریب نہ جانا)۔ اور اب اگر تم اس میں سے کھالو گے، تو اپنے نفس پر زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے، تو ایسا نہ کرو جس سے (کہ اپنا بنا بگاڑ دو)۔

بھلا شیطان کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حضرت آدم وحواء کی اس عزت و کرامت کو دیکھ سکتا، تو اس نے جس کام کیلئے مہلت چاہی تھی اسکا آغاز وہیں سے کر دیا، اور۔۔۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پھر وسوسہ ڈالا ان دونوں میں شیطان نے، تاکہ ظاہر کر دے ان پر جو پوشیدہ تھیں ان سے ان کی شرمگاہیں۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

اور بولا "کہ نہیں روکا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے اس پیڑ سے، مگر یوں کہ ہو جاؤ گے فرشتے،

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

یا ہمیشہ جنت میں رہا کرو گے"● "اور قسم کھائی کہ میں تمہارے خیر خواہوں سے ہوں"●

(پھر وسوسہ ڈالا ان دونوں میں شیطان نے)۔ اس سے شیطان کا مقصد یہ تھا (تاکہ ظاہر کر دے ان پر جو پوشیدہ تھیں ان سے)، یعنی (انکی شرمگاہیں)۔

اہل بہشت میں ان کی شرمگاہوں کو کوئی نہیں دیکھتا تھا اور حضرت آدم وحواء علیہما السلام بھی باہم ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ستر عورت کے واسطے ان دونوں کو کپڑے پہنائے تھے۔ ابلیس نے سمجھا کہ نافرمانی کے سبب سے وہ لباس ان سے دور ہو جائیگا، تو شیطان نے چاہا کہ انھیں خدا کی نافرمانی میں پھنسائے، تاکہ لباس ان سے اُتر

جائے اور شرمگاہ کھل جانے کی وجہ سے ملائکہ میں رسوا ہوں۔

۔۔الحتصر۔۔وہ کسی صورت سے بہشت میں آیا اور یہ بات اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بہشت سے نکال دیا ہو، اور بہشت میں اسکا رہنا سہنا ختم فرما دیا ہو۔۔مگر ۔۔بالکلیہ کبھی کبھار اس میں داخل ہونے سے نہ روکا ہو۔ ورنہ پھر دوسری صورت یہ ہے، کہ وہ صرف بہشت کے دروازے تک آیا ہو، اور حضرت آدم وحواء سے بہشت کے دروازے سے باہر رہ کر بات کی ہو۔۔الحتصر۔۔شیطان اپنا شیطانی منصوبہ بنا کر آیا۔

(اور) حضرت آدم وحواء سے (بولا، کہ نہیں روکا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے اُس پیڑ سے، مگر یوں کہ) اس سے کھالینے سے تم (ہو جاؤ گے فرشتے) علو منزل۔۔یا۔۔حسن صورت۔۔یا۔۔غذا سے مستغنی ہونے میں (یا ہمیشہ جنت میں رہا کرو گے) اور ہمیشہ زندہ رہو گے، تمہیں موت نہیں آئیگی جیسے کہ ملائکہ بہشت میں ہیں۔

جب اس وسوسہ کے باوجود حضرت آدم نے درخت سے کھانے پر تامل فرمایا، تو شیطان نے دوسری تدبیر کی۔

(اور قسم کھائی) اللہ تعالیٰ کی (کہ میں تمہارے خیر خواہوں سے ہوں)۔۔الغرض۔۔میں تم سے جو کہہ رہا ہوں، وہ شفقت کی راہ سے کہہ رہا ہوں، تاکہ تم مرو ہی نہیں اور ہمیشہ جنت میں رہو۔ حضرت آدم نے خیال کیا کہ خدا کی جھوٹی قسم کوئی نہیں کھاتا۔۔چنانچہ۔۔قسم کی وجہ سے فریب میں آگئے۔۔۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

تو اتار لایا ان کو دھوکہ سے۔ پھر جب چکھا دونوں نے اس پیڑ سے، تو برہنہ ہوگئیں ان کی شرمگاہیں۔ اور لگے دونوں

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

رکھنے پتہ سے پتہ جوڑ کر اپنے اوپر، جنت کے پتوں سے۔ اور ندا فرمائی دونوں کو ان کے پروردگار نے،

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

کہ " کیا ہم نے تم دونوں کو روکا نہیں تھا اس پیڑ سے، اور نہیں کہہ دیا تھا کہ بیشک شیطان تم لوگوں کا کھلا دشمن ہے؟ "

(پھر) اس ترکیب سے شیطان (اتار لایا انکو دھوکے سے)۔۔چنانچہ۔۔انھیں بلند درجہ سے نچلے مرتبہ پر ڈالدیا۔۔الغرض۔۔(پھر جب چکھا) ان (دونوں نے اس پیڑ سے، تو برہنہ ہوگئیں انکی

شرمگاہیں) اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی شرمگاہ دیکھی، اور انکے سوا کسی نے شرمگاہ نہیں دیکھی۔ اور وہ دونوں اس صورت سے شرمندہ و منفعل ہوئے، (اور) ستر پوشی کے خ سے (لگے دونوں رکھنے پتہ سے پتہ جوڑ کر اپنے اوپر جنت کے پتوں سے)۔

قولِ مشہور کے مطابق جنتی انجیر کے پتوں سے۔ پتوں پر پتے اسطرح رکھے کہ ازار کی صورت ہوگئی اور اسطرح انھوں نے اپنی شرمگاہوں کو پتوں سے چھپایا اور ندامت و شرمندگی کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔۔۔

اس وقت آواز دی (اور ندا فرمائی دونوں کو انکے پروردگار نے)، اے آدم و حواء بتاؤ (کیا ہم نے تم دونوں کو روکا نہیں تھا اس پیڑ سے) کچھ کھانے سے، (اور) کیا (نہیں کہہ دیا تھا، کہ بیشک شیطان تم لوگوں کا کھلا دشمن ہے)۔

ظاہر ہے کہ اسکی دشمنی اسی وقت کھل کر سامنے آگئی تھی، جب اس نے حضرت آدم کا سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے کو ان سے بہتر قرار دیا تھا۔ اسکی عداوت سارے ملائکہ پر ظاہر ہوگئی تھی۔ جب حضرت آدم شرمندگی کے سبب اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے تو حق سبحانہ نے فرمایا، کہ۔۔۔ 'اے آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟۔۔۔ آپ نے عرض کیا۔۔۔ 'نہیں یا رب بلکہ یہ بھاگنا تجھ سے حیا کے سبب ہے'۔۔ المختصر۔۔ حضرت آدم نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا اور حق سبحانہ کی بارگاہ میں اپنی عاجزانہ عرض پیش کر دی، اور پھر آدم و حواء۔۔۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

دونوں کہنے لگے، "اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنا بنا بگاڑ ڈالا○ اور اگر تو نے نہ بخشا ہم کو اور رحم نہ فرمایا ہم پر، تو ہم ہوں

الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

گھاٹے والوں سے"● فرمان ہوا، "اترو، تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ اور تمہارے لئے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ

ٹھہراؤ، اور کچھ وقت تک رہن سہن ہے"● فرمان ہوا، "اسی میں جیو گے،

وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

اور اسی میں مرو گے۔ اور اسی سے نکالے جاؤ گے●

(دونوں کہنے لگے، کہ اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنا بنا بگاڑ ڈالا) اور اس نافرمانی کے

ب اپنے نفس پر زیادتی کی، (اور) اب (اگر تو نے نہ بخشا ہم کو) یعنی ہماری لغزشوں کو، (اور رحم نہ فرمایا ہم پر) اپنی بخشش سے نواز کر، (تو ہم ہونگے گھاٹے والوں سے)۔۔۔

پھر (فرمان ہوا) اے آدم وحواء اور اے ابلیس، تم سب (اترو) زمین پر، اور جان لو کہ (تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے)۔ تمہاری اولادوں کا بھی یہی حال ہوگا، کہ ان میں بعض بعض کا دشمن ہوگا۔

یہ فرمان سن کر حضرت آدم مغموم ومحزون ہوئے، کہ شاید اب انکی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۔

تو ارشاد ہوا (اور) فرمایا کہ (تمہارے لئے زمین میں ٹھہراؤ) ہے (اور کچھ وقت تک رہن سہن ہے) یعنی یہ زمین تمہاری قرارگاہ اور آرام کی جگہ ہے، ایک وقت تک۔ یعنی تمہاری عمروں کے ختم ہونے تک۔۔نیز۔۔

(فرمان ہوا) کہ (اسی میں جیو گے) یعنی زندگی بسر کرو گے (اور اسی میں مَرو گے)۔ یعنی اسی میں تمہاری قبر ہوگی جس میں تم مدفون ہوگے، (اور) پھر (اسی سے نکالے جاؤ گے) حساب و جزا کے واسطے۔

حضرت آدم نے اس خطاب کے مضمون سے سمجھ لیا کہ دوبارہ جنت میں جائیںگے۔ حضرت آدم کے مذکورہ بالا حالات سے لباس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ستر پوشی کی ضرورت کا علم ہوجاتا ہے۔ ستر پوشی انسانی حیا کا تقاضہ اور اسکی فطرت سلیمہ کا مطالبہ ہے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کو اور اہل عرب کو خصوصاً جن کی عادت تھی، کہ وہ بیت اللہ شریف میں ننگے ہوکر طواف کرتے تھے اور کہتے، کہ ہم وہ لباس پہن کر طواف نہیں کرتے، جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔۔الغرض۔۔ان سب کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ

اے اولادِ آدم! "بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس، جو چھپالے تمہاری شرمگاہوں کو اور زیبائش والا۔ اور خوفِ خدا کا

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

لباس سب سے بہتر ہے"۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ وہ لوگ نصیحت پائیں ●

(اے اولادِ آدم بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو چھپالے تمہاری شرمگاہوں کو) یعنی آسمانی تدبیروں اور آسمان سے نازل ہونے والے سببوں سے ہم نے پیدا کیا۔ جسکا پہلا فائدہ تو وہی ہے جسکا

اوپر ذکر ہوا کہ اس سے ستر پوشی ہوتی ہے اور وہ لباس تمہاری شرمگاہیں چھپاتا ہے (اور) دوسرا فا
یہ ہے کہ وہ (زیبائش والا) ہے، جس سے زینت وآرائش کی جاتی ہے۔

'لباس' اور 'ریش' میں کیا فرق ہے، اسکے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول کے پیش نظر 'لباس' وہ ہے جو شرمگاہ کو چھپائے اور جو کپڑا اس سے زیادہ ہو وہ 'ریش' ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روئی سے جو بنا ہو، وہ 'لباس' ہے اور ریشم یا اون یا کتان سے جو بنا ہے، وہ 'ریش' ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک گھر کے اسباب کو 'ریش' کہتے ہیں۔

(اور) اچھی طرح سے جان لو کہ (**خوف خدا کا لباس**) **ان مذکورہ بالا لباسوں میں** (سب **سے بہتر ہے**)۔ کیونکہ لباسِ تقویٰ عفت والا بھی ہے اور حیا والا بھی، خوف الٰہی والا بھی ہے اور اطا الٰہی والا بھی۔۔ المختصر۔ 'لباسِ تقویٰ' آدمی کے عیوب کو ایسا چھپا لیتا ہے، جیسے شرمگاہ کپڑے سے پو ہوتی ہے۔۔ الحاصل۔۔ (**یہ اللہ**) **تعالیٰ** (**کی آیتیں ہیں**)۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایات ونوازشات ہیں، ک ان سے آدمیوں کی شرمگاہیں چھپتی ہیں اور انھیں درخت کے پتے چپکانے سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ فضل الٰہی اور عنایت خداوندی اسلئے ہے، تا (**کہ وہ لوگ نصیحت پائیں**) اور اس نعمت کی قدر جانیں۔

حضرت آدم اور ابلیس کے واقعات بیان کرنے کے بعد تمام انسانوں کو خصوصی طور پر متنبہ اور انھیں چوکنا کیا جا رہا ہے، کہ وہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اور شیطان کے مکرو فریب سے غافل نہ ہوں۔۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

اے آدمیو! "نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان، جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو نکالا جنت سے، ان دونوں

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ

کے لباس اتارے، کہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھلا دے۔ بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں دیکھتا ہے، ایسا کہ

حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔" ہم نے کر دیا شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہ لائیں●

تو (**اے آدمیو! نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان، جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو نکالا جنت سے**)
یعنی جنت سے نکلنے کا سبب ہو گیا۔ سوچو کہ جو حضرت آدم وحواء کے ساتھ مکر کر کے لغزش کرانے

قدرت پا گیا، تو وہ انکی اولاد کو گمراہ کرنے اور فریب دینے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اسلئے تمہیں واجب ہے کہ تم اسکے وسوسے سے احتراز کرتے رہو۔

اس آیت میں 'نہی' شیطان کی طرف منسوب ہے، لیکن مراد عوام ہیں۔ یعنی اے لوگو! تم شیطان کے فتنوں کا شکار ہونے سے اپنے کو بچاؤ اور اسکی پیروی نہ کرو۔

کیا تم نے نہیں سنا، کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا اور (ان دونوں کے لباس اتارے) یعنی انکے لباس اترنے کا سبب بن گیا۔ تا (کہ انکو انکی شرمگاہیں دکھلا دے)۔ اسلئے کہ اس سے پہلے نہ انھوں نے اپنا ستر دیکھا تھا اور نہ ہی کسی دوسرے کا۔ ستر کھلنے سے آپ کو حیاء دامن گیر ہوئی جیسا کہ اوپر اسکا بیان ہو چکا ہے۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رکھو کہ (بیشک وہ اور اسکا کنبہ تمہیں دیکھتا ہے ایسا کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے) انکی اصلی شکل میں۔ چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں، اسلئے شیطان اور اسکی اولاد۔۔۔ الغرض۔۔۔ وہ سب تمہیں دیکھتے ہیں، مگر تمہیں شیطان اور اسکی اولاد نظر نہیں آتی، کیونکہ انکے اجسام باریک اور لطیف ہیں۔ جس طرح اپنی لطافت کی وجہ سے ہوائیں نظر نہیں آتیں۔ اور ظاہر ہے کہ جسکا دشمن چھپا ہوا ہو، وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔۔۔ بنابریں۔۔۔ تمہیں اس سے زیادہ خوف رکھنا چاہئے۔

اب اس مقام پر یہ سوچنے کی بات ہے کہ جسے ہم دیکھتے ہی نہیں، تو اس سے مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں؟ اور اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہمیں انکی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ انکے وسوسوں کو دور کرنے اور انکے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے، جسکی صورت یہ ہے کہ جب وہ ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالیں، تو ہم انکار کردیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اسکے شر سے بچیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے، کہ اگرچہ ہم تو شیطان کو نہیں دیکھتے، لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو جسے ہم نہیں دیکھ سکتے، یعنی شیطان اور اسکی اولاد، تو انکے شر سے بچنے کیلئے اس ذات سے مدد طلب کی جائے، جسکو وہ نہیں دیکھتے اور ظاہر ہے، اسکا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔

شیطان کی بات سب سے زیادہ کفار قبول کرتے ہیں۔ جیسے ایک دوست اپنے دوسرے دوست کی بات بے چون و چرا مان لیتا ہے، ایسے ہی کفار بھی شیطان کی بات ایسے مان لیتے ہیں، جیسے کوئی دوست کسی دوست کی بات مانے۔ اسی لئے شیطانوں اور کافروں میں خذلان

محرومی اور غوایت وگمرہی امر مشترک ہوگئی، اور اس حیثیت سے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت حاصل ہوگئی۔۔الغرض۔۔یہ مناسبت پیدا کر کے۔۔۔
(ہم نے کردیا شیطانوں کو دوست انکا جو ایمان نہ لائیں) اور اپنے کفر پر جمے رہیں۔۔۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ

اور جب انھوں نے کی کوئی بے حیائی، تو بولے کہ "اسی پر پاتے رہے ہم اپنے باپ دادوں کو، اور اللہ نے ہمیں اسکا حکم دے رکھا ہے"،

قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾

کہہ دو کہ "بیشک اللہ نہیں حکم فرماتا ننگ کاموں کا" کیا اللہ پر وہ گڑھتے ہو، جس کو جانتے ہی نہیں؟●

(اور) ان بے ایمانوں کا حال یہ ہے کہ (جب انھوں نے کی کوئی بے حیائی) یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔۔مثلاً: بت پرستی اور ننگے ہوکر طواف کرنا، وغیرہ وغیرہ: تو وہ نصیحت کرنے والوں کو جواب دیتے، تو اب اگر کسی نے انکی نصیحت کی اور انکے عمل کی قباحت کو ظاہر کیا، (تو) اسکے جواب میں (بولے کہ اسی پر پاتے رہے ہم اپنے باپ دادوں کو اور اللہ) تعالیٰ (نے ہمیں اسکا حکم دے رکھا ہے)۔

اس بیان میں کافروں نے اپنے بے حیائی کے کاموں کے جواز کی دو وجہیں بتائیں:
۱۔۔تقلید آباء ۲۔۔امر الٰہی۔ چونکہ تقلید آباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں، جسے صحت فعل کیلئے حجت قرار دیا جائے، بالخصوص ایسے فعل کیلئے جسکے بطلان پر دلائل قاطعہ موجود ہوں۔۔المختصر ۔۔تقلید آباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے، جسکی تردید کی ضرورت ہی نہیں، لیکن چونکہ اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف انکا افتراء تھا، اس بنا پر اسکی تردید میں فرمایا۔

اے محبوب! (کہہ دو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں حکم فرماتا ننگ کاموں کا) اسلئے کہ اسکی عادت کریمہ ہے، وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے، تو (کیا اللہ) تعالیٰ (پر وہ گڑھتے ہو جسکو) تم خود بھی (جانتے ہی نہیں)۔ جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اسکی نفی کے بعد، اب مامور بہ کا بیان فرمایا۔ تو اے محبوب!۔۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ

کہہ دو کہ حکم دیا ہے میرے پروردگار نے انصاف کا۔۔ اور سیدھا رکھو اپنے رخ کو ہر سجدہ والی عبادت میں،

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾

اور اس کی دہائی دو اس کے کھرے دیندار ہو کر۔ جیسا تمہیں شروع میں بنایا پھر لوٹو گے ●

(کہہ دو کہ حکم دیا ہے میرے پروردگار نے انصاف کا) ہر اس عمل کا جو افراط وتفریط سے خالی ہو۔ اسلئے کہ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے، جو درمیانی ہو۔ (اور) فرما دو اے محبوب! کہ اے ایمان والو (سیدھا رکھو اپنے رخ کو ہر سجدہ والی عبادت میں) جہاں بھی سجدہ کرنے کا وقت۔۔یا۔۔سجدہ کرنے کی متعین جگہ سامنے آجائے، تو تم اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے خلوص قلب سے عبادت کرو۔۔یا یہ کہ۔۔تم اپنے چہرے کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔ اور جب نماز پڑھنے کا وقت آجائے، تو اس وقت تم جس مسجد میں ہو اسی میں نماز پڑھ لو اور یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے۔ اور اگر مسجد نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے، تو جو بھی جگہ مل جائے اس میں نماز پڑھ لو۔

(اور اسکی دہائی دو) یعنی اسکو معبود سمجھ کر پکارو۔۔الغرض۔۔اسکی عبادت کرو (اسکے کھرے اور مخلص (دیندار ہو کر)۔ یعنی سراپا اخلاص بندہ بن کر اسکی بندگی کرو۔ اور یاد رکھو کہ (جیسا تمہیں) اللہ تعالیٰ نے (شروع میں بنایا) یعنی ابتداءً پیدا فرمایا، اسی طرح اسکے طلب کرنے پر (پھر) اسی کی طرف (لوٹو گے)۔ یعنی اپنے لوٹانے کو اپنی پہلی پیدائش پر قیاس کر کے قیامت میں لوٹنے کا انکار نہ کرو، کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے، اُسے لوٹانے کی بھی طاقت وقدرت ہے۔ اسے تمہاری تخلیق سے تمہارا لوٹانا کوئی مشکل نہیں۔۔یا یہ کہ۔۔جس طرح تمہیں پہلے خاک سے پیدا کیا اسی طرح خاک ہی کی طرف پھر جاؤ گے۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ

ایک فریق راہ پر، اور ایک فریق تھے جس پر گمراہی ٹھیک اتری، بیشک انھوں نے بنالیا شیطانوں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

دوست اللہ کو چھوڑ کر۔ اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہدایت پائے ہیں ●

تمہارا (ایک فریق راہ پر) رہا۔ یعنی ہدایت یافتہ رہا، جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دیدی۔ (اور ایک فریق) دوسرے (تھے) کہ مقتضائے قضاءِ سابق (جس پر گمراہی ٹھیک اتری)۔ یعنی وہ قضا

وقدر کی روشنی میں اس بات کے سزاوار تھے، کہ انھیں انکی گمراہی ہی میں رہنے دیا جائے۔ اسکی وجہ یہ
کہ وہ روحِ سعادت سے بالکلیہ خالی تھے۔ تو (بیشک انھوں نے بنالیا شیطانوں کو دوست، اللہ) تعالیٰ
(کو چھوڑ کر)۔۔۔الغرض۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہے اور شیاطین کی اطاعت وفرمانبرداری
میں لگ گئے۔ (اور) یہ بھی انکی ایک خام خیالی ہے کہ اپنے تعلق سے (گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہدایت
پائے) ہوئے (ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ سراسر گمراہ اور کھلے کافر ہیں۔

تو اے مسلمانو! تم انکے افعال قبیحہ کی نقل سے اپنے کو بچاتے رہو، تو نہ تو بنو ثقیف وغیرہ
مشرکین کی عورتوں اور مردوں کی طرح برہنہ ہو کر کعبے کا طواف کرو، یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم اسطرح
گناہوں سے پاک صاف ہو جاؤ گے۔ اور نہ ہی بنو عامر کی پیروی کرو، جو حالت احرام میں گوشت
کھانے سے پرہیز کرتے تھے، اور تھوڑے سے کھانے پر قناعت کرکے اس فعل کو طاعت جانتے تھے
اور سمجھتے تھے کہ یہی کعبہ کی تعظیم ہے، اور مسلمانوں سے کہتے، کہ اسطرح تعظیم و تکریم کرنا ہم کو بہت
سزاوار اور لائق ہے۔ تو مسلمانو! غور سے سنو اور ان نادانوں کو بتادو، کہ برہنہ ہو کر طواف کرنے میں
کعبہ کی تعظیم نہیں ہوتی، اور نہ ہی کم خوراکی اور گوشت کھانے سے پرہیز میں اسکی تکریم ہے۔ تو ان تک
یہ خدائی پیغام پہنچادو، کہ۔۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے اولادِ آدم اختیار کرو اپنی آراستگی، ہر بار مسجد آنے میں۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

اور کھاؤ اور پیو اور بے وجہ خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا بے وجہ خرچ کرنیوالوں کو●

(اے اولادِ آدم) برہنہ ہونے سے باز رہو اور (اختیار کرو اپنی آراستگی، ہر بار مسجد آنے میں) خواہ
وہ مسجد حرام ہو۔۔۔یا۔۔۔ کوئی بھی مسجد۔ انسان کی زینت کپڑا پہننے اور ستر پوشی میں ہے، نہ کہ برہنہ ہونے
میں۔۔۔الغرض۔۔۔ جب جب تم کسی مسجد آؤ، خواہ مسجد حرام میں طواف کیلئے۔۔۔یا۔۔۔ کسی بھی مسجد میں نماز
کیلئے، تو پاکیزہ صاف ستھرا لباس پہن کر آؤ، اور صرف ظاہری آرائش پر اکتفا نہ کرو، بلکہ خشوع وخضوع
اور اخلاص سے اپنے باطن کو بھی سنوار لو۔ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمادیا ہے، تو اسے استعمال
کرو (اور کھاؤ) احرام کی حالت میں گوشت چربی وغیرہ کھانے کی چیزیں۔ (اور پیو) دودھ اور سب

پینے کی پاکیزہ چیزیں۔ (اور بے وجہ خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا ہے بے وجہ خرچ کرنے والوں کو)۔۔الغرض۔۔نہ تو تم حلال کو حرام ٹھہرا کر حد سے گزرو اور نہ ہی کھانے پینے اور دوسرے کاموں میں فضول خرچی سے کام لو۔ یعنی ہر حال میں اپنے کو اسراف سے بچاؤ۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اسراف بے وجہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں، لیکن اگر کوئی مقصد حسن ہو، تو اسکے لئے کتنا بھی خرچ کیا جائے وہ بے وجہ نہیں۔۔لہٰذا۔۔اسراف بھی نہیں۔ اسلئے کہ اگر یہ ایک حقیقت ہے:

'لَا خَیرَ فِی الاَسرَافِ'

اسراف میں کوئی بھلائی نہیں،

۔۔۔تو یہ بھی اپنی جگہ ایک روشن حقیقت ہے، کہ

'لَا اَسرَافَ فِی الخَیرِ'

نیک کام کیلئے کتنا بھی صرف کر دیا جائے وہ اسراف نہیں۔

۔۔۔اپنے کھانے پینے میں ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا، تو اسراف ہے۔۔لیکن۔۔ اگر غرباء و مساکین میں اپنا پورا سرمایہ تقسیم کر دیا، تو اسراف نہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔صدیق اکبر کا یہ عمل کہ ایک نیک مقصد کیلئے جو کچھ انکے پاس تھا سب لا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر کر دیا، ہرگز ہرگز اسراف نہیں۔ جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کر دیا اور حالتِ احرام میں گوشت اور گھی والی اشیاء کھانے لگے، تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اور مسلمانوں کے عمل کو غلط بتانے لگے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا۔۔اے محبوب! ان سے۔۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

کہہ دو کہ کس نے حرام کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی اس زینت کو، جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے، اور پاکیزہ روزی کو۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

کہہ دو کہ یہ سب ان کیلئے ہے جو ایمان لا چکے دنیاوی زندگی میں، اور صرف انھیں کیلئے ہے قیامت کے دن۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

اس طرح ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں اہل علم قوم کیلئے ●

(کہہ دو کہ کس نے حرام کیا اللہ) تعالیٰ (کی پیدا کی ہوئی اس زینت کو، جو اس نے نکالی اپنے
بندوں کیلئے)۔۔مثلاً: کپڑے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے
اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے۔۔مثلاً: نباتات سے
لباس کتان وغیرہ، حیوانات سے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن سے۔۔مثلاً: سونا چاندی وغیرہ۔(اور
یونہی کس نے حرام کر دیا (پاکیزہ روزی کو)۔یعنی حالت احرام میں گوشت وگھی وغیرہ کو۔

۔۔الختصر۔۔خوراک و پوشاک میں ہر قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہے،
جب تک کہ اس میں شرعی قباحت کی صراحت نہ ہو۔ یہ بھی خیال رہے طیبات کی تخلیق کا
اصل مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا کو عبادت الٰہی پر تقویت حاصل ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں
پاکر عبادت الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر ومعاصی سے بےزاری کا اظہار کریں۔

۔۔لہٰذا۔۔اے محبوب! یہ (کہہ دو کہ یہ سب) نعمتیں (انکے لئے ہیں، جو ایمان لاچکے دنیاوی
زندگی میں)۔رہ گئے کفار، تو وہ اہل ایمان کے طفیلی ہیں، تاکہ قیامت میں انکو کوئی عذر نہ ہو۔۔الختصر۔۔
دنیاوی اور عارضی نعمتوں میں کفار وفجار بھی تابع ہوکر مسلمانوں کے شریک ہونگے، مگر آخرت کی جاودانی
اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں (اور) عنایتیں (صرف انھیں کیلئے) یعنی صرف مسلمانوں ہی کیلئے (ہے
قیامت کے دن)۔جس طرح ہم نے اس حکم کی تفصیل کی، بالکل (اسطرح) ہی (ہم آیتوں) یعنی
نشانیوں اور احکام۔۔یا۔۔توحید کے دلائل (کی تفصیل کرتے ہیں)، یعنی مفصل طور پر بیان کرتے ہیں
(اہل علم قوم کیلئے)، یعنی انکے لئے جو علم وفہم رکھتے ہیں۔اسلئے کہ ان نشانیوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔
اے محبوب! ان خوگرانِ فواحش وکبائر سے خصوصاً اور باقی لوگوں سے عموماً۔۔۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ

کہہ دو کہ حرام فرما دیا ہے ہمارے پروردگار نے بس بےشرمیوں کو، جو کھلی اور جو ڈھکی ہوں، اور گناہ،

بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

اور ناحق ظلم کو، اور یہ کہ شریک بناؤ اللہ کا اسے، جس کی نہیں اتری کوئی سند،

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور یہ کہ اللہ پر وہ لگاؤ جس کا تمہیں علم ہی نہیں●

(کہہ دو کہ حرام فرمادیا ہے ہمارے پروردگار نے بس بے شرمیوں کو)۔ فواحش سے مراد وہ ہیں، جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔ یہاں ان سے کبائر مراد ہیں۔۔المختصر۔۔وہ بے شرمی بھی حرام ہے (جو کھلی) ہوئی اور کھلم کھلا انجام دی جاتی ہو، (اور) وہ بے شرمی بھی حرام ہے (جو ڈھکی ہوں) یعنی پوشیدہ طور پر کی جاتی ہوں۔ (اور) وہ امور بھی حرام ہیں جو (گناہ) کا سبب بنیں خواہ صغائر ہوں۔۔یا۔۔ کبائر۔ (اور) اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا (ناحق ظلم) وزیادتی اور تکبر (کو)۔۔۔

خیال رہے کہ ظلم وتکبر ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے اس میں حق کا مفہوم پیدا ہوسکتا ہی نہیں۔۔۔ (اور یہ) بھی حرام ہے (کہ شریک بناؤ اللہ) تعالیٰ (کا اُسے جسکی نہیں اتری کوئی سند)۔ یعنی ایسی چیزیں جنھیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک ماننے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور نہ ہی انکی عبادت کا حکم دیا۔ اس سے مشرکین کے ساتھ تحکم، ان سے استہزا مقصود ہے، اسلئے کہ اشراک باللہ کیلئے کوئی برہان ہو، تو اُسے نازل کیا جائے۔ جب دلیل ہے ہی نہیں، تو اسکے نزول کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (اور یہ) بھی حرام ہے (کہ اللہ) تعالیٰ (پر وہ لگاؤ جسکا تمہیں علم ہی نہیں)۔۔مثلاً: الحاد یا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ۔ جیسے کہ بول بیٹھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

اب آگے کی آیات میں انبیاء کرام کے جھٹلانے والے مشرکین کی تہدید کی جارہی ہے کہ اے مشرکو! اس خیال میں نہ رہو کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور پچھلی امتوں کے حالات سے سبق لو، کہ جب انکی ہلاکت کا وقت آگیا، تو وہ ہلاک ہو کے رہیں اور اپنے کو ہلاکت سے بچا نہ سکیں۔ تو اچھی طرح سمجھ لو اور سن لو، کہ جتنی امتیں ہلاک ہوئیں انکا ایک آخری وقت تھا، کہ جب وہ آگیا، تو ایک گھڑی کیلئے آگے پیچھے نہیں ہوا۔ اور انکا کام تمام ہوگیا۔ تو یوں جان لو۔۔۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً

اور ہر امت کا ایک وقت آخری ہے۔ تو جب آگیا ان کا وہ وقت، تو نہ پیچھے ہوں ایک گھڑی

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

اور نہ آگے ہوں●

(اور) یقین رکھو کہ (ہر امت کا ایک وقت آخری ہے۔ تو جب آ گیا انکا وہ وقت، تو نہ پیچھے ہوں ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں)۔

۔۔الختصر۔۔موت کا جو وقت متعین و مقرر ہے، نہ اس سے پہلے کسی کی موت آسکتی ہے اور نہ ہی اس وقت کے بعد کیلئے کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ کسی کو اسکی موت کا وقت بتایا نہیں گیا، اسلئے وہ ہر وقت موت کا منتظر رہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حرام کام میں مشغول ہو اور اسکی موت کا وہی وقت مقرر ہو۔۔۔ اس سے پہلی آیت میں انسانوں کی زندگی کے بعد انکی موت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اور اب اگلی آیت میں یہ بتایا جارہا ہے، کہ اب اگر انھوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تھی، تو مرنے کے بعد انھیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ اور اگر انھوں نے اپنی یہ زندگی سرکشی اور انحراف میں گزاری تھی، تو پھر مرنے کے بعد انھیں دائمی عذاب کیلئے دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔۔ الحاصل۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے نسل آدم! اگر آتے رہیں تمہارے پاس تم میں سے رسول، جو پڑھا کریں تم پر ہماری آیتیں،

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو جو ڈرا اور درست ہو گیا، تو نہ کوئی ڈر ان پر، اور نہ وہ رنج پائیں●

ارشاد ہوتا ہے کہ (اے نسل آدم! اگر آتے رہیں تمہارے پاس تم میں سے) یعنی تمہاری ہی نوع سے اور تمہاری ہی زبان میں گفتگو فرمانے والے (رسول، جو پڑھا کریں) اور تلاوت فرماتے رہیں (تم پر ہماری آیتیں) اور خبر دیتے رہیں احکام شریعت سے، (تو) پھر (جو ڈرا) اور پرہیز کیا شرک اور تکذیب سے، (اور درست ہو گیا)، یعنی اعمال صالحہ کو مخلصانہ طور پر انجام دے کر اپنے کاموں کی اصلاح کرلی، (تو نہ کوئی ڈر ان پر) یعنی جس سے ڈرتے ہیں اُس سے بے خوف ہو جائینگے (اور نہ وہ) کسی طرح کا (رنج پائیں) گے۔ اور جس کی وہ امید رکھتے ہیں وہ انھیں میسر ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور غرور کیا اس سے، وہ جہنم والے ہیں۔

هُمۡ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۳۶﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اور) اسکے برخلاف (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو)، یعنی ہماری آیتوں کو رد کر کے رسولوں کی تکذیب کی (اور غرور کیا)، یعنی سرکشی کا مظاہرہ کیا (اس سے) یعنی ایمان سے، ہماری وحدت کی دلیلوں کے ساتھ، تو (وہ جہنم والے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ یعنی یہ وہ دوزخی ہیں، جو ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے۔ ذرا سوچو تو، کہ یہ اللہ کا شریک اور اس کیلئے زوجہ اور اولاد ثابت کر کے اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کی نسبت کر کے، اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے تھے۔۔۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمۡ

تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گڑھ لیا اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلایا اس کی آیتیں، وہ ہیں جنہیں

نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ

ان کی تقدیر کا لکھا ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب آئے اسکے پاس، ہمارے بھیجے قاصدانِ موت، کہ زندگی پوری کر دیں،

قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا وَشَهِدُوۡا

تو پوچھا، کہ "کہاں ہیں تمہاری پوجا پکار والے اللہ کو چھوڑ کر؟" بولے "وہ تو ہم سے گم گئے"، اور اپنے اوپر

عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾

گواہی دی، کہ بیشک وہ کافر تھے●

(تو) غور کرو کہ (کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گڑھ لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کی جو اُس نے نہیں فرمائی۔ (یا جھٹلایا اسکی آیتیں) یعنی جو کچھ اس نے فرمایا اُسے جھوٹا قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کی آیات کی تکذیب دونوں کا گناہ برابر ہے۔ تو ایسے لوگ (وہ ہیں جنھیں انکی تقدیر کا لکھا ملتا رہیگا)، یعنی کتاب لوح محفوظ میں انکی زندگی اور انکے رزق کے تعلق سے جو بات لکھی ہے، وہ انکو ملتی رہے گی اور یہ کب تک؟ (یہاں تک کہ جب آئے اسکے پاس ہمارے بھیجے قاصدان موت) یعنی ملک الموت اور انکے خدام، تا (کہ) انکی (زندگی پوری کر دیں) یعنی انکی روحیں قبض کر لیں۔

(تو) پھر زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان فرشتوں نے (پوچھا) ان مرنے والوں سے، (کہاں ہیں تمہاری پوجا پکار والے) جنھیں تم نے (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس سے بے نیاز ہو کر ۔۔نیز۔۔اسکی توحید سے انکار کر کے، معبود سمجھ کر پکارتے رہے۔ اس جواب میں وہ لوگ (بولے، وہ ہم سے گم گئے)، یعنی ہم سے غائب ہو گئے۔ اب ہم انھیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں۔ اور پھر انھوں نے اپنے کفر کا اعتراف کیا، (اور اپنے اوپر گواہی دی کہ) دنیا میں (بیشک وہ کافر تھے)۔

بعض مقام پر ان کافروں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے، کہ 'خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے'۔ اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے، کہ مختلف فرقے مختلف جواب دینگے۔ کوئی اپنے کفر کا اعتراف کریگا، اور کوئی اپنے کفر سے انکار کریگا۔۔یا۔۔ایک ہی جماعت اپنی خبط الحواسی میں مختلف اوقات میں مختلف جواب دیگی۔

قَالَ ادْخُلُوا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ

فرمانِ الٰہی ہوا، کہ "داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزریں، جن وانس سے، جہنم میں"۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ

جب کوئی امت داخل ہوئی، تو لعنت بھیجی اپنی جیسی پر۔ یہاں تک کہ جب اکٹھا ہو گئے جہنم میں سب،

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

تو پچھلی نے پہلی کیلئے کہا، "کہ اے ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو انھیں دوگنا عذاب دے

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

جہنم کا۔" فرمان الٰہی ہوا، کہ "ہر ایک کو دونا عذاب ہے،" لیکن تم بے علم ہو۔

ان سب کیلئے میدان قیامت میں فرشتوں کے ذریعہ (فرمانِ الٰہی ہوا کہ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں، جو تم سے پہلے گزریں جن وانس سے) اور پھر ان میں شامل ہو کر اکٹھے ہو کر تم سب جاؤ (جہنم میں)۔

چونکہ جنات کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہے اسلئے 'جن' کے ذکر کو انسان کے ذکر سے مقدم رکھا۔۔الغرض۔۔اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی۔

تو (جب کوئی امت داخل ہوئی تو لعنت بھیجی اپنی جیسی پر)۔ یعنی ہر امت اس دوسری امت

پر لعنت کریگی، جس نے اُسے گمراہ کیا ہوگا۔۔یا۔۔جسکی تقلید میں اس سے گمراہی، سرزد ہوئی ہوگی ۔۔الختصر۔۔کافروں کو گروہوں میں بانٹ دیا جائیگا، اور پھر گروہ درگروہ جہنم میں داخل ہونگے۔ جب ایک گروہ داخل ہوگا، تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا (یہاں تک کہ جب اکٹھا ہو گئے جہنم میں سب تو پچھلی نے پہلی کیلئے کہا)، یعنی تابعداروں نے لیڈروں کے تعلق سے کہا، (کہ اے ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو انھیں دوگنا عذاب دے جہنم کا)۔

اسپر (فرمان الٰہی ہوا کہ) لیڈر ہو۔۔یا۔۔اسکا پیروکار (ہر ایک کو دونا عذاب ہے) لیڈروں پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، اور انکے مقتدیوں کو بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کرنے کی وجہ سے (لیکن تم بے علم ہو) یعنی تمہیں معلوم نہیں ہورہا ہے کہ تمہیں کیا ہورہا ہے؟ اور تمہارے دوسروں کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جارہا ہے؟ اس وقت خاموش نہ رہ سکی۔۔۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور بولی پہلی دوسری کیلئے، "نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت، پس تم بھی عذاب چکھو

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

جو تم کمائی کررہے تھے"●

ع ۸ / ۱۱

(اور بولی پہلی) لیڈروں کی جماعت (دوسری کیلئے) یعنی اپنے پیروکاروں کی جماعت کیلئے، یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لینگے، تو اپنے مقلدین سے کہیں گے، کہ (نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت)۔نہ تم کفر سے دور رہے اور نہ ہی گمراہی سے کنارہ کشی کی، بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر کے شریک ہو۔ پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہمیں تمہارے سے زیادہ عذاب ہو۔ ہم نے کب تمہیں کفر پر مجبور کیا تھا؟ بلکہ تم خود اس میں مبتلا ہوئے، اسلئے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ (پس تم بھی عذاب چکھو) بہ سبب اسکے (جو تم کمائی کررہے تھے)۔۔الغرض۔۔کفر کا ارتکاب تم نے خود کیا اور اب اسکا عذاب دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہو۔ یہ سب کفار کے لیڈر اپنی دل کی تسلی کیلئے کہیں گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا۔ یہ آیت بھی اسی سلسلے سے متعلق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ

بیشک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور بڑے بنے اس سے، نہ کھولے جائینگے انکے لئے آسمان کے

السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

دروازے، اور نہ جائینگے جنت میں، یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور ایسی ہی سزا ہم دیتے ہیں جرائم پیشہ کو ●

(بیشک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) یعنی ان دلائل کو جو اصول دین پر دلالت کرتے ہیں اور توحید الٰہی، نبوت اور بعثت کو ثابت کرتے ہیں (اور بڑے بنے) رہے (اس سے)۔ یعنی انھوں نے تکبر کیا آیات سے اور ان سے انکار کر کے ایمان سے محروم رہے اور انکے تقاضوں پر عمل نہیں کیا، تو (نہ کھولیں جائینگے انکے لئے آسمان کے دروازے)۔ یعنی نہ انکی دعائیں مستجاب ہونگیں اور نہ ہی انکے اعمال قبول کئے جائینگے، اور نہ ہی آسمان کی طرف انکی روحیں جاسکتی ہیں، جیسے کہ اہل ایمان کی شان ہے کہ انکی دعائیں بھی مستجاب ہوتی ہیں، اور انکے اعمال بھی مقبول ہوتے ہیں، اور انکی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے، تو اسکے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے، اور ہر آسمان پر فرشتے اسکا استقبال کرتے ہیں۔ اسکے برعکس کافر کی روح کیلئے جب آسمان کا دروازہ کھولنے کیلئے کہا جاتا ہے، تو اسکے لئے جواب آتا ہے، اے خبیث روح ذلیل وخوار ہو۔ واپس لوٹ جا اور پھر اسی طرح اسے سجین میں ڈھکیلا جاتا ہے۔ یہ ابلیس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، جو ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

یہ خیال رہے کہ تمام ارواح خواہ سعید ہوں۔۔یا۔۔ شقی، سب کی سب اپنے اجسام سے متعلق رہتی ہیں، اس بنا پر جب روح کو عذاب ہوتا ہے، تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے۔۔۔ اہل ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین وآسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں

ان میں بعض اپنے قبور میں مقید ہوتی ہیں۔ کسی کو ہفتہ تک، کسی کو ایک مہینہ، کسی کو ایک سال اور کسی کو کم اور کسی کو زائد۔ لیکن انکو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے، جب انکے لئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعہ انکی امداد کی جاتی ہے، تب کہیں جا کے انھیں صرف آسمان دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں جگہ ملتی ہے۔۔الحاصل۔۔

کفار کیلئے نہ تو آسمان کے دوازے کھولے جائینگے (اور) نہ ہی وہ (جائینگے جنت میں، یہاں تک کہ داخل ہوجائے اونٹ سوئی کے ناکے میں)۔۔۔اور یہ صورت ہرگز ہو ہی نہیں سکتی کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے، تو کافر بھی ہرگز ہرگز جنت میں جا ہی نہیں سکتے۔۔۔(اور ایسی ہی سزا ہم دیتے ہیں جرائم پیشہ کو)۔۔الختصر۔۔جو بھی جرم کفر کا مرتکب ہوگا، وہ ہر حال میں جنت سے محروم رہیگا۔۔بلکہ۔۔

لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ

انھیں جہنم کی آگ کا نیچے بچھونا، اور اوپر سے اوڑھنا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

اور یوں ہی سزا ہم دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو●

(انھیں جہنم کی آگ کا نیچے بچھونا اور اوپر سے اوڑھنا ہے)۔خلاصہ یہ ہے کہ جہنم انھیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور انکے نیچے اوپر آگ ہی آگ ہوگی (اور یونہی سزا ہم دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو)۔بڑا جرم کرنے والے بڑے عذاب ہی کے مستحق ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وعد اور وعید دونوں ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں کفار کیلئے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اور اب اگلی آیت میں مسلمانوں کیلئے ثواب کا وعدہ بیان فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ہم حکم ہی نہیں دیتے مگر جس کی سکت ہو۔

اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

وہ لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اور جو ایمان لائے) اللہ تعالیٰ کی آیات پر (اور نیک عمل کیئے) یعنی ان اعمال صالحہ کو اپنا
اور ان پر عمل کرتے رہے، جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں۔۔الختصر۔۔ایسے اعمال انجام دیتے رہے
جن میں رضائے الٰہی مطلوب ہو، ایسی بات بھی نہیں کہ ہم نے جن کاموں کا حکم دیا انھیں انجام
۔۔یا۔۔جن کاموں سے روکا ہے اُن سے خود کو بچائے رکھنا انسانی طاقت وقوت سے باہر ہے۔اسلئے
کہ یہ ہماری سنت ہے کہ (ہم حکم ہی نہیں دیتے مگر) وہی، کہ مکلف میں (جس) پر عمل کرنے (کی
سکت ہو)۔۔الختصر۔۔ابھی جن صالحین کا ذکر کیا گیا ہے، وہی (وہ لوگ) ہیں جو (جنت والے ہیں)
اور (وہ اس میں ہمیشہ) ہمیش (رہنے والے ہیں)۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

اور ہم نے کھینچ لیا جو ان کے سینوں میں تھا کینہ۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

اور سب نے کہا کہ ساری خوبی اللہ کیلئے ہے، جس نے ہمیں اس کی راہ دی۔۔۔ اور نہ راہ پاتے

لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا

اگر نہ ہدایت فرماتا اللہ۔ بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لے کر۔ اور انھیں ندا

أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

دی گئی کہ یہ جنت ہے، جس کے تم وارث کیئے گئے، جو تم عملِ صالح کرتے تھے●

اور ان پر ہمارا کرم بالائے کرم (اور) خاص عنایت دیکھو کہ (ہم نے کھینچ لیا جو انکے سینوں
میں تھا) آپس میں ایک دوسرے سے (کینہ) اور سخت رنجش اور آپس کا بغض۔یعنی دنیا میں ایک
دوسرے پر جو کچھ بغض وعداوت کے اسباب انکے دلوں میں پیدا ہوئے، انھیں ہم نکال دینگے۔اسلئے
کہ وہ اسباب دنیا میں رہنے کی وجہ سے اور اس سے متعلق ہونے کی وجہ سے تھے۔اور اب جبکہ دنیا میں
نہ رہے، تو ان اسباب کا ہونا کس لئے؟

ذہن نشین رہے کہ حسد، بغض، کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے،
تو جب یہ دارِ آخرت میں پہنچیں گے، تو وہاں نہ شیطان ہوگا اور نہ کوئی وسوسہ ڈالنے والا ہوگا،
اسلئے کہ شیطان تو خود اپنے عذاب میں مبتلا ہوگا اور جب اُسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی،

تو قلب انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا۔۔یا۔۔آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم انکے قلوب سے حسد اور بغض وعداوت کو دھوڑالینگے۔تو جب انکے دلوں میں مادہ فاسد ہی نہیں رہا،تو وہاں آپس کی محبت کے سوااور کچھ نہ ہوگا۔

اس ارشاد نے ظاہر فرمادیا، کہ دنیا میں حضراتِ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابن مسعود، عمار بن یاسر، سلمان اور ابوذر، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین معمولی طور پر جو اختلافات ہوئے۔۔یا۔۔جنگیں ہوئیں، آخرت میں انکے تمام خیالات وتصورات مٹادیئے جائینگے اور بھائی بھائی ہوکر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئینگے، اور حال یہ ہوگا کہ صاف نظر آئیگا، کہ۔۔۔

(**بہتی ہیں انکے**) درختوں اور بالا خانوں کے (**نیچے نہریں**)، تاکہ انکے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ جب اہل جنت نے اپنی منزلیں دیکھیں، تو بول پڑے (**اور سب نے کہا، کہ ساری خوبی اللہ**) تعالیٰ (**کیلئے ہے، جس نے ہمیں اسکی راہ دی**) اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہدایت بخشی اور اس دین حق کو قبول کرنے اور اعمالِ صالحہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ (**اور**) یہ حقیقت ہے کہ ہم جس بلند مرتبہ پر پہنچے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی کی وجہ سے پہنچے، ورنہ ہم (**نہ راہ پاتے**) اس مرتبۂ عُلیا تک پہنچنے کی، (**اگر نہ ہدایت فرماتا اللہ**) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے۔

۔۔الغرض۔۔جب اہل جنت اپنے رسولوں کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے، تو وہ خوشی اور سرور ومستی سے اقرار کرتے ہوئے، اپنی مسرت کا اظہار کرینگے اور اس بات کی شہادت دینگے، کہ (**بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لیکر**) اور ہم نے انکی مدد سے راہِ توحید پائی۔ اہل بہشت کو ملائکہ دور سے خوشخبری دینگے۔۔چنانچہ۔۔انھیں ملائکہ کے توسط سے پکارا گیا (**اور انھیں ندادی گئی**) اور خوشخبری سنائی گئی (**کہ یہ**) وہی (**جنت ہے**) جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور آج (**جسکے تم وارث کیئے گیئے**) ہو، طریق شریعت اور سنت نبوی پر عمل کرنے کے سبب۔

حق تعالیٰ نے 'میراث' اس واسطے فرمایا کہ عطائے بے رنج ہے۔ وراثت حاصل کرنے کیلئے کسی مشقت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر چھوٹے بڑے کو بغیر مشقت ہی مل جاتی ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جنت میں مسلمان میراث لینے والے ہیں کافروں سے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد رسول ہے، کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے، کہ اسکی ایک جگہ بہشت میں اور ایک جگہ دوزخ میں نہ ہو۔۔ہاں۔۔جنت میں اپنی اس جگہ پر پہنچنے کیلئے ایمان کی شرط ہے اور جہنم میں کسی کو

اسکی اپنی جگہ پر اسکا کفر لیجائیگا۔

کافروں کیلئے جنت میں اسلئے جگہ مقرر فرمائی گئی ہے، تاکہ کوئی کافر یہ نہ کہہ سکے، کہ جب جنت میں ہمارے لئے جگہ ہی نہیں تھی، تو پھر اگر ہم ایمان لاتے بھی تو کیا فائدہ تھا؟ ہمیں جنت میں کہاں رکھا جاتا؟ یونہی جہنم میں جو جگہیں مسلمانوں کیلئے نامزد تھیں، تو اس سے انکو یہ فائدہ ملے گا کہ ان جگہوں کے بدلے جنت میں کافروں کی جو جگہیں ہیں، انکے وہ وارث ہو جائینگے۔

۔۔الختصر۔۔مسلمانو! جنت کی یہ وراثت اسکا ثمرہ ہے **(جو تم عمل صالح کرتے تھے)**۔

جنت میں جانے کا حقیقی سبب تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، لیکن اسکا ظاہری سبب وہ اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے کریمانہ وعدے جن سے وابستہ ہیں۔ غور کیجئے کہ ہمارے اعمال کی حقیقت کیا ہے؟ انعامات الٰہیہ کے سامنے۔ تو ہمارے سارے اعمال انھیں دنیوی نعمتوں کا بدل نہیں ہو سکتے ۔۔ بلکہ۔۔ اگر بالفرض ایسا ہو کہ ہمارے بدن کا ہر بال زبان ہو جائے اور سب شکر الٰہی میں مصروف ہو جائیں اور اسکی ایک ہزار نعمتوں پر صرف ایک شکر ادا کرنے کا التزام کریں، جب بھی اسکی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا ناممکن ہے۔

یہ بات تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے، کہ کسی نے اگر کسی کو سو کروڑ روپے عطا کر دیئے اور اسکے عوض اس لینے والے نے عطا کرنے والے کو ۔۔ بالفرض ۔۔ پچاس ہزار دیدیا، تو کیا اس دینے والے کی عطا کا بدلہ ہو گیا؟ ۔۔الختصر۔۔ ہمارے جملہ اعمال جب خداوند کریم کے دنیاوی انعامات واحسانات کا بدل نہیں، تو وہ جنت کا بدل کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان اعمال صالحہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے کچھ کریمانہ وعدے وابستہ ہیں اور یقین ہے کہ رب کریم اپنے فضل وکرم سے ان وعدوں کو ضرور پورا فرمائیگا۔ اور اپنے فضل وکرم سے جنت عطا فرمائیگا۔ تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی جنت میں پہنچنے کا حقیقی سبب ہے۔

۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنتیوں کو بلند درجات عطا فرمائیگا، اور چونکہ اہل نار کے درجے جہنم میں نیچے ہونگے، تو ان دونوں کے درجات میں اتنا بڑا بُعد ہوگا، جسکی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جہنمیوں کے درجوں پر جھانکنے کی قدرت دیگا، تو جنتی جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور اپنے حال پر مسرور ہو کر اور اعداء اسلام کا برا حال دیکھ کر انھیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے انھیں پکارے گا۔ انکی خیریت لینے کیلئے نہیں، بلکہ انکو حسرت و یاس کا شکار بنانے کیلئے انھیں ندا کریگا۔ تو ایسا ہو گا۔۔۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

اور آواز دی جنتیوں نے جہنمیوں کو، "کہ ہم نے تو پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے پروردگار نے حق،

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ

تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے پروردگار نے حق؟" بولے 'ہاں'، تو انکے بیچ میں ہاتف نے صدا دی،

اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

کہ "اندھیر والوں پر اللہ کی پھٹکار ہو"●

(اور) یہ صورت پیش آئیگی، کہ (آواز دی جنتیوں نے جہنمیوں کو، کہ ہم نے تو پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے پروردگار نے حق)۔۔الغرض۔۔جن جن ثوابوں کا ہم سے وعدہ کیا گیا، وہ سب ہمیں مل گیا اور وہ سارے وعدے سچ ثابت ہوئے، (تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے پروردگار نے) عذابوں کا (حق) یعنی سچ اور درست۔تو (بولے) دوزخی لوگ کہ (ہاں) یعنی ہم نے بھی وہ پایا جو کچھ حق تعالیٰ نے ہمارے تعلق سے فرمایا تھا۔(تو ان کے بیچ میں ہاتفِ) غیبی یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتہ۔۔یا۔۔حضرت اسرافیل (نے صدا دی) اور کافروں کو مزید حسرت و یاس میں ڈال دیا، (کہ اندھیر والوں پر اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار ہو) جو ظلم کے آخری درجہ یعنی کفر تک پہنچ چکے ہیں، اور یہ وہ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

جو روکیں اللہ کے راستہ سے، اور کرنا چاہیں اس کو ٹیڑھا۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور وہ آخرت کے منکر ہیں●۔۔۔

(جو روکیں اللہ) تعالیٰ (کے راستہ سے) یعنی دینِ حق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اور جنت کے داخلہ کا سبب تھا، (اور کرنا چاہیں اسکو ٹیڑھا) یعنی اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی بات مل جائے، جس سے ہم اللہ تعالیٰ کے واضح اور سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کر دیں، کیونکہ اسکو وہ اپنے گمان فاسد سے حق سے بہت دور سمجھتے تھے۔(اور وہ آخرت کے منکر ہیں)۔۔چنانچہ۔۔انکا کہنا یہ ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اور جنت وجہنم کے درمیان ایک پردہ ہے، اور اعراف پر کچھ لوگ ہیں کہ سب کو پہچان لیں گے انکے حلیہ سے۔ اور پکارا

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝

جنتیوں کو "کہ آپ لوگوں پر سلام ہو"۔۔ یہ خود جنت گئے نہیں اور اسکی لالچ رکھتے ہیں●

ان دونوں فریقوں یعنی اہل جنت (اور) اہل نار۔۔یا۔۔(جنت وجہنم کے درمیان ایک پردہ ہے) جیسے دیوار اور شہر پناہ، کہ دوزخی جنت میں نہ جائیں۔ اُس حجاب اور آڑ کو 'اعراف' کہتے ہیں یا ایک قول کے مطابق 'اعراف' مشکِ سفید کا ایک ٹیکرا ہے (اور) اس (اعراف پر کچھ لوگ ہیں)۔ ان کی شان ایسی ہوگی کہ وہ بہشت اور دوزخ پر آگاہی رکھنے والے ہونگے۔ ایسا (کہ سب) جنتیوں اور دوزخیوں (کو پہچان لینگے ان کے حلیہ سے)۔ اس واسطے کہ جنتیوں کے چہرے سفید اور نورانی ہونگے اور دوزخیوں کے منہ کالے ہونگے۔

اس مقام کو 'اعراف' اسلئے کہتے ہیں، کہ وہاں کے رہنے والے دونوں فریق کے حال کے عارف اور پہچاننے والے ہونگے۔ اور یہ کون لوگ ہونگے، انکے تعلق سے بہت سارے اقوال منقول ہیں۔۔ المختصر۔۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہونگے۔۔یا۔۔ شہید لوگ۔۔یا۔۔ بزرگ مسلمان۔۔یا۔۔ ملائکہ مردوں کی صورت میں، اور 'اعراف' پر انکا ہونا انکی بزرگی کی دلیل ہے۔ اس واسطے کہ وہاں سے بہشت میں اپنے مقام دیکھیں گے اور فرحت ولذت حاصل کرینگے، اور عذاب دوزخ کو بھی دیکھیں گے اور اس سے نجات اور خلاصی پانے پر خوش اور مسرور ہونگے۔

ایک قول کی بنیاد پر 'اعراف' موضع بلند ہے صراط سے، کہ حضرات عباس، حمزہ، علی اور جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر ہونگے اور خدا کے دوستوں کو پہچانیں گے، تروتازہ اور سفید نورانی چہرہ ہونے کی وجہ سے، اور خدا کے دشمنوں کو پہچانیں گے تیرگی اور روسیاہ ہونے کے سبب سے۔ ایک قول کے مطابق اعراف میں وہ لوگ جن کے نیک اور بد اعمال برابر ہونگے ۔۔یا۔۔ جن کے ماں باپ میں ایک ان سے راضی ہوگا اور دوسرا راضی نہ ہوگا۔۔یا۔۔ یہ وہ موحد لوگ ہونگے، جنھوں نے عمل میں تقصیر اور کمی کی ہے اور اس قول پر اعراف پر لوگوں کا

ہونا، انکے ثواب کی کمی کی جہت سے ہوگا، کہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے مستحق نہیں ہیں۔
ان 'اہل اعراف' نے اپنے مقام سے آواز دی (اور پکارا جنتیوں کو) تہنیت اور مبارکبادی پیش کرنے کے طور پر، (کہ آپ لوگوں پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر سلامتی وتحیت ہو۔۔یا۔۔ خوشا حال تمہارا کہ دارالسلام میں سلامتی سے پہنچے۔یہ اس وقت کی بات ہے کہ ابھی (یہ) اہل اعراف (خود جنت گئے نہیں) یعنی ابھی 'اہل اعراف' جنت میں نہ داخل ہوئے ہونگے (اور اسکی لالچ رکھتے ہیں) یعنی وہ طمع رکھتے ہونگے کہ جنت میں داخل ہوں۔ایک روایت یہ ہے کہ سب کے بعد یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے۔

یہ بھی روایت ہے کہ 'اہل اعراف' کی نیکیوں اور برائیوں کا پلہ برابر ہوگا۔وہ بہشت میں بھی دیکھیں گے اور دوزخ میں بھی اور کسی میں داخل ہونے کے واسطے کوئی عمل ان کو ترجیح دینے والا نہ ہوگا۔پھر جب خلق کو سجدہ کرنے کا حکم کرینگے اور وہ آخری تکلیف ہے قیامت کے دن، تو اہل اعراف سجدہ کرینگے اور ان کی نیکی کا پلہ بھاری ہوکر انھیں دخول جنت کے واسطے ترجیح دیگا اور وہ جنت میں داخل ہوجائینگے۔یہ دراصل ایک بہانہ ہے ان بعض 'اہل اعراف' کی مغفرت کیلئے رب غفور رحیم کی طرف سے، کہ 'دارالجزاء' کو ایک ساعت کیلئے انکے حق میں 'دارالعمل' بنادیا۔اور اللہ تعالیٰ مالک کل، قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ

اور جب ان کی آنکھیں پھیر دی گئیں جہنمیوں کی طرف،

قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾

بولے "پروردگارا نہ کر ہم کو ظالم قوم کے ساتھ"●

ع ۵ ۸ ۱۲

ان اہل اعراف کے تعلق سے یہ واقعہ بھی سبق آموز (اور) انکی ذہنی سوچ کی معرفت کیلئے سننے کے لائق ہے کہ (جب انکی آنکھیں) ایک فرشتے کے ذریعہ (پھیر دی گئیں جہنمیوں کی طرف) ۔۔الغرض۔۔جب حکم الٰہی پاکر فرشتے نے انکا رخ دوزخیوں کی طرف کردیا، تو انکا حال دیکھ کر یہ کہہ پڑے اور (بولے پروردگارا، نہ کر ہم کو ظالم قوم کے ساتھ) یعنی ہمیں اور انھیں دوزخ میں اکٹھا نہ کر ۔۔الحاصل۔۔ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھ۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا

اور آواز دی اعراف والوں نے، ان لوگوں کو جن کو پہچانتے ہیں، قیافہ سے بولے،

مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

"کیا بنادیا تمہارا تمہاری جتھابندی نے؟ اور جو تم بڑے بنا کرتے تھے"●

(اور) پھر (آواز دی اعراف والوں نے ان لوگوں کو جن کو پہچانتے ہیں قیافہ سے) اور انکے چہرے کی سیاہی سے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کافروں کے سردار تھے اور پہلے ہی سے جانے پہچانے تھے۔ یعنی ولید ابن مغیرہ، ابوجہل اور عاص بن وائل اور انکے سوا دوسرے مشرکین کے سردار لوگ، جو دنیا میں کہتے تھے کہ بلال، عمار، اور صہیب ایسے فقیر صحابہ کو خدا جنت میں داخل کرے اور ہمیں دوزخ میں، ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ اور قسم کھاتے تھے کہ ہمارے غلاموں اور چرواہوں کو خدا ہم پر تفضیل نہ دیگا۔

ایسوں کو مخاطب کر کے (بولے) اعراف والے، (کیا بنادیا تمہارا تمہاری جتھابندی نے)؟ یعنی دنیا میں تمہارے ساتھ تمہارے یاروں اور مددگاروں کی گٹھ بندی آج تمہارے کام نہ آسکی اور تم نے جو گروہ بنا رکھا، وہ تمہارے لئے کارآمد ثابت نہ ہوسکا (اور جو تم بڑے بنا کرتے تھے) اور متکبرانہ گفتگو کیا کرتے تھے اس سے بھی تمہارا عذاب نہ رک سکا۔ پھر 'اہل اعراف' حضرات بلال، عمار، سلمان، خباب اور صہیب اور انکے مثل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف اشارہ کرینگے اور کافروں سے کہیں گے، کہ۔۔

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ

کیا جو تم قسم کھایا کرتے تھے کہ ان کو اللہ نہ لیگا اپنی رحمت میں، یہی غریب جنت میں یوں جانیوالے ہیں کہ داخل ہو جنت میں،

لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

نہ تمہیں کوئی ڈر ہے اور نہ تم رنجیدہ ہو●

(کیا جو تم قسم کھایا کرتے تھے کہ ان) نفوس قدسیہ والوں (کو اللہ) تعالیٰ (نہ لے گا اپنی رحمت میں)، تو اب دیکھو کہ خدا کی رحمت سے (یہی) جن کو تم نے (غریب) و نادار سمجھ رکھا تھا اور انھیں جنت کا مستحق نہیں خیال کیا تھا، ہاں وہی (جنت میں یوں جانے والے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ اپنے

کرم سے ان سے کہے گا کہ (داخل ہو) جاؤ (جنت میں، نہ تمہیں کوئی ڈر ہے) خوفزدہ کرنے والی چیزوں اور شدتوں سے، (اور نہ) ہی (تم رنجیدہ) خاطر (ہو) نے والے ہو۔ یعنی تمہیں اپنے مطلبوں اور مقصدوں کے فوت ہوجانے کا غم بھی نہ ہوگا۔۔۔

جب 'اہل اعراف' کو بہشت میں داخل کردیا جائیگا، تو دوزخیوں میں اسکے بعد امید اور فرحت پیدا ہوگی۔ عرض کرینگے، کہ اے اللہ ہمارے قرابتی جنت میں ہیں، ہمیں اجازت دے کہ ان سے باتیں کریں۔ حق تعالیٰ انھیں اجازت مرحمت فرمائیگا اور صورت حال یہ ہوگی، کہ جب جنتی لوگ دوزخیوں کو دیکھیں گے، تو وہ اپنے قرابت داروں کو نہ پہچان سکیں گے، اسلئے کہ انکی خلقت اور صورت بدل گئی ہوگی، مگر دوزخی لوگ انھیں پہچان لینگے اور انکے نام اور کنیت سے انھیں پکاریں گے۔ اور اُن سے جنت کا کھانا پینا مانگیں گے۔۔ المختصر۔۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ

اور چلائے جہنمی لوگ جنتیوں سے، "کہ ہم پر کچھ پانی پھینک دو، یا جو روزی دی

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۵۰﴾

تم کو اللہ نے"۔ جواب دیا جنتیوں نے، "کہ بے شک اللہ نے حرام فرمادیا دونوں کو کافروں پر"●

اجازت ہم کلامی پاکر آواز دی (اور چلائے جہنمی لوگ جنتیوں سے، کہ ہم پر کچھ پانی پھینک دو، یا) اس میں سے کچھ حصہ (جو روزی دی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے) انواع و اقسام کے کھانے میں سے، تاکہ کھائیں ہم اور اپنی بھوک مٹائیں۔۔ نیز۔۔ پانی بھی اس مقدار میں ہو جو ہماری پیاس بجھا سکے۔ (جواب دیا جنتیوں نے) ان دوزخیوں کو (کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے حرام فرمادیا) ہے جنت کے کھانے اور پینے۔۔ الغرض۔۔ ان (دونوں کو کافروں پر)۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کود کو، اور دھوکا دیا ان کو دنیاوی زندگی نے، تو آج ہم انھیں یاد سے محروم

نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کردینگے، جیسا کہ وہ خود محروم رہے اپنے اس دن کے پانے کی یاد سے۔ اور جو ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے●

(جنھوں نے) دنیوی زندگی میں (بنالیا اپنا دین کھیل کود کو)۔۔ چنانچہ۔۔ عید کے دن وہ کعبے

کے گرد آتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے اور کھیل تماشے میں لگ جاتے۔ تو انھوں نے اپنی خام خیالی سے کھیل کود ہی کو اپنا دین سمجھ رکھا تھا (اور) یہ اسلئے ہوا کہ (دھوکا) دے (دیا انکو دنیاوی زندگی نے اور طول مہلت نے، یہاں تک کہ خدا کو بھول گئے اور نہ سمجھے کہ دنیا غدار، مکار، اور فریب دینے والی ہے۔ (تو آج ہم انھیں) رحمت بھری (یاد سے محروم کردینگے) اور انکو ان کی بھول میں پڑا رہنے دینگے اور پھر انھیں جہنم رسید کردینگے (جیسا کہ وہ خود محروم رہے اپنے اس دن کے پانے کی یاد سے) یہاں تک کہ اس دن کے آنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں لاتے تھے (اور) یہی وہ لوگ ہیں (جو) ہماری ربوبیت کی علامتوں اور (ہماری) کتاب کی (آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے)۔

آیاتِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے 'اہل جنت'، 'اہل دوزخ' اور 'اہل اعراف' کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرینگے تا کہ ان کے کلام میں غور وفکر کر کے ان کاموں اور ان چیزوں سے بچیں، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور وفکر کیلئے تیار ہوں۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی خصوصیات بیان فرمائیں، کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی جس میں جدا جدا احکام بیان کئے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو جاتی ہے اور انسان الجھن اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے۔۔یا۔۔اسکا معنی یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان میں اجمال اور اغلاق نہیں ہے اور یہ کتاب ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ہدایات تمام انسانوں کیلئے ہے، لیکن چونکہ اسکی ہدایت سے صرف مومن اور مسلمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، اسلئے فرمایا کہ یہ کتاب ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

اور بیشک لائے ہم ان کے پاس کتاب، جس کو ہم نے مفصل فرمایا اپنے علم سے، ہدایت

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ورحمت ان کیلئے جو مانیں●

(اور بیشک لائے ہم) ان گروہ کفار کی ہدایت کیلئے (انکے پاس کتاب جسکو ہم نے مفصل

(فر)مایا) اور اسمیں جو کچھ ضروری اور کام میں آنے والی باتیں تھیں، سب کی تفصیل بیان فرمادی (اپنے (عل)م سے)۔ یعنی جن باتوں کی ہم نے وضاحت کی ہے ان سب کا تفصیلی علم ہمیں حاصل ہے۔ تو جو (با)ت کہی گئی وہ علم کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ یہ (ہدایت) یعنی راہ دکھانے والی (ا)ور رحمت) یعنی رحمت والی ہے، خصوصی طور پر (انکے لئے جو مانیں)۔ اسلئے کہ یہی ایمان والے ہی (ا)س سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ ان کافروں کا عجیب حال ہے کہ جس کتاب سے انھیں ہدایت لینی (چ)اہئے وہ اس سے ہدایت نہیں لیتے اور خواہ مخواہ کے انتظار میں اپنے کو ڈال رکھا ہے۔۔ چنانچہ۔۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ

(ان)ھیں نہیں انتظار ہے مگر اس کے کہے کے انجام کا۔ جس دن اس کا انجام آئے گا، تو چلائیں گے وہ، جو اُسے بھولے تھے

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ

پہلے سے، کہ بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لے کر۔ تو کیا ہمارے کچھ سفارشی ہیں، کہ ہماری شفاعت

فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

کردیں، یا ہم واپس کئے جائیں، تو ہم کریں اسکے خلاف جو کیا کرتے تھے؟ بیشک گھاٹے میں ڈالا انھوں نے اپنے کو

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۟ؑ

اور بیکار ہو گیا جو گڑھی گڑھی بات بکا کرتے تھے●

(انھیں نہیں انتظار ہے، مگر اسکے کہے کے انجام کا) یعنی وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اس (ک)تاب میں خدا نے جو ثواب وعذاب کا جو وعدہ و وعید کیا ہے، دیکھیں کہ وہ سچ ہوتا ہے کہ نہیں۔ یہ بے (خ)بر کیا جانیں کہ (جس دن اسکا انجام آئیگا) اور اسکے وعدے اور وعید کے اثرات ظاہر ہونگے۔۔ الغرض (جب)۔ قیامت قائم ہوجائیگی، (تو) پھر (چلائیں گے وہ، جو اُسے بھولے تھے پہلے سے) یعنی دنیا میں تو (ا)یمان نہ لائے اور جب قیامت کے دن کلام الٰہی کا صدق ظاہر ہوجائیگا، تو وہ اعتراف کرینگے اور کہیں (گ)ے، (کہ بیشک آئے ہمارے پاس پروردگار کے کئی رسول حق لیکر) اور ہم نے انکی تکذیب کی اور یہ (ہ)ماری بڑی خطا تھی، (تو کیا ہمارے کچھ سفارشی ہیں کہ ہماری شفاعت کردیں یا ہم واپس کئے جائیں) (د)نیا میں، (تو ہم کریں اس کے خلاف جو کیا کرتے تھے)، یعنی ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج کر نیک اعمال (ا)نجام دینے کا موقع دیا جائے، تاکہ انبیاء کرام کی تصدیق کریں، وحدت الٰہی کے قائل ہوں اور نبی

کریم کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

انھیں کیا خبر؟ کہ یہ روز قیامت ہے، جو حساب وکتاب اور سزاوجزاء کا دن ہے، دنیا دوبارہ واپس کرنے کا دن نہیں ہے۔ انھیں ماننا تھا، تو دنیا ہی میں مان لیتے اور قیامت میں مان لینے وعدہ ان کیلئے مفید نہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ کفروشرک نے گویا ان کو نجس العین بنادیا ہے۔ نجس پاک ہوسکتا ہے، مگر نجاست پاک نہیں ہوسکتی۔ تو اگر انھیں بالفرض دنیا میں بھیج بھی دیا جائے، تو یہ وہ کرینگے جواب تک کرتے رہے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اپنے سارے وعدے فراموش کر کے اپنی پرانی روش اختیار کرلینگے۔

(بیشک گھاٹے میں ڈالا انھوں نے اپنے کو) یعنی اپنی عمر کا سرمایہ بتوں کی پرستش میں رائگاں کردیا (اور بیکار ہوگیا جو گھڑی گھڑی بات بکا کرتے تھے) کہ بت ہمارے شفیع ہیں خدا کے پاس وغیرہ وغیرہ۔۔۔

قیامت کے دن کی منظر کشی کے بعد، اب پھر عہد رسالت میں موجود لوگوں کی طرف خطاب کارخ پھیرا جارہا ہے، جن میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے بے شمار معبود بنارکھے تھے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں،

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ

پھر برابر مکمل کردیا عرش پر۔۔۔ وہ ڈھانپ دیتا ہے باہم رات دن کو، کہ باہم لگے رہتے ہیں

حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا

جلد جلد۔ اور سورج کو، اور چاند کو، اور تاروں کو، سب مسخر اسکے حکم کے۔ یاد رکھو!

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

کہ اسی کی شان ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سارے جہان کا پالنے والا●

تو لوگو! جان لو کہ (بیشک تمہارا پروردگار اللہ) تعالیٰ (ہے)، جو جمیع کمالات کا جامع ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں) یعنی چھ وقتوں میں۔

چونکہ دن کا وجود گردش افلاک اور شمس وقمر کے دوروں سے وابستہ ہے اور انکا وجود بعد

میں ہوا، اسلئے یہاں دن سے وقت مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ دن کی مقدار ہر ایک کیلئے جانی پہچانی ہے، تو اس سے لوگ وقت کی مقدار کا اندازہ لگا سکیں گے، تو تقریب فہم کیلئے وقت کی تعبیر دن سے کر دی گئی۔ خالق مطلق، ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر چاہتا، تو صرف ایک ہی دن میں بلکہ ایک ہی لمحے میں تمام کائنات کو پیدا فرما دیتا، لیکن چھ ۶ دنوں میں پیدا فرمانے کا ذکر کر کے اپنے بندوں کو بتا دیا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

ویسے بھی عام طور سے دفعتاً تو حادثات ہوا کرتے ہیں، تو تدریجی عمل سے بھی یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کوئی حادثہ نہیں، بلکہ ایک علیم وحکیم کے بنائے ہوئے منصوبے اور اسکے علم وحکمت کے تقاضوں کا تدریجی عمل ہے۔ ویسے یہ بات بھی ہے کہ اشیاء کو صرف لفظ کُنْ سے پیدا کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے، انھیں بتدریج پیدا کرنا دلیل ہے قادر مطلق کی قدرت کاملہ پر، اور اشارہ ہے کہ کاموں میں دیر کرنے کی رعایت کی جائے، اور عجلت واضطراب سے بچا جائے، جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

۔۔الختصر۔۔آسمانوں اور زمینوں کی چھ ۶ دنوں میں تخلیق فرمائی (پھر برابر مکمل کر دیا) اپنی شان کے لائق اپنے غلبہ واستیلاء کو۔۔چنانچہ۔۔اپنی ربوبیت کے امر کو مستقر فرما دیا اور انکے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کے تقاضہ پر اپنی مصنوعات میں تدبیر فرمائی (عرش پر)، جو سب سے بڑی مخلوق اور ساری کائنات کو محیط ہے۔ اسلئے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر فرمایا، کہ جو اس پر غالب ومستولی ہے، وہ ساری کائنات پر بدرجہ اولیٰ غالب ومستولی ہے۔ اب اسکا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد، جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا۔۔مثلاً: افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور راتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی، اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔

چونکہ مترجم قدس سرہ نے اپنے ترجمہ میں 'مسلکِ سالم' کی رعایت فرمائی ہے، تو اسکی تفسیر میں اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ رہ گیا 'مسلک اسلم'، تو یہ آیت کریمہ متشابہات میں ہے، جس میں مذکور استواء معلوم ہے، اسکی کیفیت مجہول ہے، اسپر ایمان واجب ہے، اس سے انکار کفر ہے، اور اسکے تعلق سے سوال بدعت وگمراہی ہے۔ رب تعالیٰ ہی جانے۔۔یا۔۔اسکے بتانے سے اسکے محبوبین ہی جانیں، کہ کلام سے رب تعالیٰ کی خود اپنی مراد کیا ہے؟۔۔۔'استوائے عرش' پر اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجراء احکام کے تصرف کو بیان فرما کر، اپنی قدرت

وامر کے بعض دوسرے مناظر کا ذکر فرمارہا ہے۔

--چنانچہ--ارشاد ہوتا ہے، کہ (وہ ڈھانپ دیتا ہے باہم رات دن کو) یعنی رات کو دن کیلئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا، کہ وہ اور اسکی تاریکی پردوں کے طور پر دن کو چھپالے۔

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی دن کو چھپالیتی ہے، اسی طرح دن کی روشنی رات کو غائب کر کے اسکی تاریکی کو چھپالیتی ہے۔ مذکورہ بات سمجھ میں آنے کی وجہ یہ ہے، کہ قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے، تو اسکی ضد اور اسکا مقابل خود بخود ذہن میں اُتر جاتا ہے، اسی لئے اسکی ضد کے ذکر کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

چونکہ دن اور رات کے گزر جانے کے بعد ایک دوسرے کا آنا بلافصل ہوتا ہے، ایسا--- (کہ باہم لگے رہتے ہیں جلد جلد)، تو ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہیں۔ (اور) پیدا فرمایا (سورج کو اور چاند کو اور تاروں کو) جو (سب) کے سب (مسخر) ہیں (اسکے حکم کے)۔

یعنی وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی قضا وقدر کے تابع ہیں--الغرض--انکے طلوع و غروب کیلئے، جیسے وہ چاہتا ہے، یہ ویسے ہی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ انکی حرکاتِ مقدرہ اور انکے احوال سب کے سب حکم الٰہی کے تحت ہیں۔

تو (یاد رکھو کہ اسی کی شان ہے پیدا کرنا) تمام مخلوقات کا (اور حکم دینا) یعنی ان پر اپنا حکم نافذ کرنا اور ان میں تصرف کرنا۔ اور کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ (اللہ تبارک وتعالیٰ) وحدانیت، الوہیت اور فردانیت کے ساتھ ساتھ ربوبیت کاملہ یعنی (سارے جہان کا پالنے والا) ہے۔

لوگو! سمجھ سے کام لو کہ جب خلق وامر صرف خدا ہی کیلئے ہے، تو کوئی بھی اس بات کا مستحق نہیں کہ اسکو معبود سمجھ کر کچھ مانگا جائے۔ خیال رہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا عبادت ہے-- یونہی--معبود سمجھ کر کچھ طلب کرنا دعا ہے۔ اب اگر کسی کو معبود نہیں سمجھا، اور اس سے کچھ طلب کیا، تو یہ دعا نہیں بلکہ سوال ہے۔ اور سوال غیر خدا سے کیا جاسکتا ہے--الختصر--

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

تم لوگ دعا کرو اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور آہستہ۔ بیشک وہ نہیں پسند فرماتا حد سے نکل جانے والوں کو●

(تم لوگ دعا کرو اپنے پروردگار سے) عاجزی اور زاری کے ساتھ، یعنی (گڑگڑا کر اور آہستہ) پوشیدگی کے ساتھ یعنی ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اُسے پہچانو اور اسکی عبادت کرو۔

یاد رکھو کہ تضرع آدمی کے محتاج ہونے کی نشانی ہے اور پوشیدہ رکھنا اخلاص کی دلیل ہے۔ اور جو محتاج مخلص ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کیسے ہوسکتا ہے؟ اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ دعا کرنے میں بھی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، اور ہر حال میں راہ اعتدال ہی کو اپنانا چاہئے۔ تو دعا کرنے کو کرلو، مگر کسی ایسے کیلئے دعائے بد نہ کرنا، جو بددعا کا مستحق نہیں ۔۔یا۔۔ دعا میں ریاکارانہ طور پر نالہ وفریاد نہ کرنا۔۔یا۔۔ خدا سے ایسی چیز نہ مانگنا جو تمہارے لائق نہیں۔۔ مثلاً: انبیاء کرام کا مرتبہ اور آسمانوں پر چڑھ جانا وغیرہ۔ اسلئے کہ۔۔۔

(بیشک وہ) رب کریم (نہیں پسند فرماتا حد سے نکل جانے والوں کو)، دعا تو بعد کی چیز ہے اپنے کو دعا کرنے کے لائق تو بنالو۔۔۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ

اور مت فساد ڈالو زمین میں، اسکے درست ہوجانے کے بعد۔ اور دعا کرو اس سے ڈرتے ہوئے، رحمت کے لالچی بن کر۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶

بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے، مخلص بندوں کے ●

(اور) کفر وظلم کے سبب (مت فساد ڈالو زمین میں) ایمان وعدل کے سبب (اسکے درست ہوجانے کے بعد)۔۔الحتصر۔۔ اپنے معبود برحق کو پکارو (اور) اس سے (دعا کرو اس) کے عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور اسکے ثواب کی امید پر اسکی (رحمت کے لالچی بن کر)۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے مخلص بندوں کے) جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔۔یا۔۔ خدا کی ذات سے نیک امید وابستہ کئے ہوتے ہیں۔۔الحتصر۔۔ نیک عمل والے ہوں۔۔یا۔۔ نیک امید والے دونوں کو اس کی رحمت بے غایت اور فضل بے نہایت سے امید ہے۔۔الغرض۔۔ اگر خدا کے وفادار لوگ اس سے امید رکھتے ہیں، تو ایمان والے جفاکار بھی اسکے سوا کوئی پناہ نہیں رکھتے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی کائنات میں حاکم اور تصرف کرنے والا ہے۔ اور اس نے انسان کیلئے کائنات کو مسخر کردیا ہے۔ اور اس نے انسانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی ہر ضرورت میں اور ہر آفت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اور اس نے یہ بیان فرمایا کہ اسکی رحمت

نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اور اب اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہی رزاق ہے، اور حصول رزق کا اہم ذریعہ آسمانی بارش ہے، جسکی وجہ سے دریاؤں چشموں اور کنوؤں سے، انسانوں اور جانوروں کیلئے پینے کا پانی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کیلئے، پانی فراہم ہوتا ہے اور جس طرح وہ بنجر زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز اور زندہ فرماتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کو زندہ فرمائیگا۔۔ الحاصل۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰى إِذَآ

اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوا کو، خوش خبری کیلئے اپنی رحمت سے آگے۔ یہاں تک کہ جب

أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا

ہوائیں اٹھالائیں بھاری بھاری بادل، تو بھیج دیا ہم نے اس کو بے جان مقام کیلئے، پھر اتارا ہم نے اس سے پانی کو،

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

پھر نکالا ہم نے اس سے قسم قسم کے پھل۔ اسی طرح ہم مُردوں کو بھی نکالیں گے۔ اب تو نصیحت قبول کرو●

(اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوا کو خوشخبری کیلئے اپنی رحمت سے آگے)۔ یعنی بارش جو رحمت الٰہی ہے اسکے آنے سے پہلے بادل اسکی آمد کی خوشخبری دے دیتے ہیں (یہاں تک کہ جب ہوائیں اٹھالائیں بھاری بھاری بادل) 'بادِ صبا' یعنی پوربی ہوا ابر کو زمین سے اٹھاتی ہے اور 'بادِ شمال' جمع کرتی ہے، اور 'بادِ جنوب' مینھ برساتی ہے اور 'بادِ دبور' یعنی پچھمی ہوا برسنے کے بعد تمام ابر کو متفرق کردیتی ہے۔ بہر تقدیر جب ہواؤں نے ابر کو اٹھایا (تو بھیج دیا ہم نے اس کو بے جان مقام کیلئے) تاکہ مُردہ زمین زندہ ہوجائے۔

(پھر اتارا ہم نے اس سے پانی کو) یعنی اس ابر کے ذریعہ پانی برسایا اور (پھر) اس پانی کے ذریعہ (نکالا ہم نے اس سے) یعنی زمین سے (قسم قسم کے پھل) وغیرہ اور جس طرح مردہ زمین کو نباتات سے ہم زندہ کرتے ہیں (اسی طرح ہم مُردوں کو بھی نکالینگے) انکی قبروں سے زندہ کرکے ۔۔الغرض۔۔ زمین کو زندہ کرنا مُردوں کو زندہ کرنے کا ایک نمونہ ہے، تو یہ سب کچھ معلوم کرکے (اب تو نصیحت قبول کرو) اور قیامت پر ایمان لاؤ اور اس صورت سے اس معنی پر دلیل پکڑو۔ اور یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت۔۔۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

اور اچھی جگہ کا سبزہ نکلتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے۔ اور جو خراب ہو چکی، نہیں پیداوار ہوتی اسکی،

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

مگر بمشکل تھوڑی۔ اسی طرح سے ہم طرح طرح بیان کرتے ہیں آیتیں، شکر گزار قوم کیلئے●

(اور) صحیح بات ہے کہ (اچھی جگہ) یعنی وہ جگہ جو پتھر اور ریگ سے پاک ہو، تو اس (کا سبزہ نکلتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے) بخوبی اور بآسانی (اور) اسکے برخلاف (جو) زمین (خراب ہو چکی) اور بنجر ہوگئی، تو (نہیں پیداوار ہوتی اسکی، مگر بمشکل) اور وہ بھی (تھوڑی)۔۔الغرض۔۔ایسی زمین سے محنت ومشقت کے بعد اچھی پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اتنی تھوڑی ہوتی ہے، جس میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور محنت بے کار جاتی ہے۔

اس مثال میں حق تعالیٰ نے مومن کے دل کو پاکیزہ زمین سے تشبیہ دی اور کافر کے دل کو بنجر زمین کے ساتھ۔ پھر جب نصیحتوں کی بارش کلام الٰہی کے ابر سے مومن کے دل پر برستی ہے، تو طاعت وعبادت کے انوار اسکے جسم ظاہری پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب کافر کلام الٰہی سنتا ہے، تو اسکے دل کی زمین نصیحت کا بیج قبول نہیں کرتی، اور جو کارآمد صفتیں ہیں اُن میں سے کوئی صفت اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ جس طرح یہ مثل ہم نے بیان کی۔۔۔

(اسی طرح سے ہم طرح طرح بیان کرتے ہیں آیتیں، شکر گزار قوم کیلئے) جو فہم وادراک کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں اور مثالوں میں غور وفکر کر کے انکا اعتبار کرتے ہیں۔ ہماری مثالیں احوال کے موافق ہوتی ہیں، مگر اسکو سمجھنے کیلئے فکر سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت ہے۔

۔۔المختصر۔۔ بارش تو ساری زمین کیلئے ہے، لیکن سرسبز وشاداب ہونا ہر زمین کا مقدر نہیں ۔۔یوں۔۔ انبیاء کرام کے ذریعہ ہدایت ونصیحت کے ابر کرم تو ہر قوم پر برسے، لیکن ان سے فائدہ اٹھا کر حیات ابدی حاصل کر لینا ہر ایک کے نصیب میں نہیں رہا، جیسا کہ انبیاء کرام کے واقعات اور انکی قوم کے حالات سے ظاہر ہے، جنکا ذکر نصیحت وعبرت کیلئے قرآن کریم فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔۔۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

البتہ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف، تو انھوں نے کہا "کہ اے میری قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو"●

(البتہ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف)۔۔۔آپ کی قوم کے اکثر لوگ قابیل کی اولاد سے تھے اور بت پرست تھے۔۔۔(تو انھوں نے) اپنی قوم کو مخاطب فرما کر (کہا، کہ اے میری قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ وہ یگانہ ولاشریک ہے، اور یاد رکھو، کہ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اسکے سوا) تو اسی کا حکم مانو اور اسکی عبادت میں دوسرے کو شریک نہ کرو۔ اور سن لو کہ (بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر) اگر تم ایمان نہ لائے تو (بڑے دن کے عذاب کو)، وہ طوفان کا دن ہے۔۔یا۔۔قیامت کا روز۔ حضرت نوح کی بات سن کر۔۔۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ

بولے ان کی قوم کے چودھری لوگ، "کہ بیشک ہماری رائے میں تم کھلی گمراہی میں ہو"● انھوں نے جواب دیا

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

"کہ اے قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے، لیکن میں رسول ہوں سارے جہاں کے پروردگار کا"●

(بولے انکی قوم کے چودھری لوگ، کہ) اے نوح (بیشک ہماری رائے میں تم کھلی گمراہی میں ہو) کہ ہمیں اپنے خداؤں کی عبادت سے منع کر کے ایک خدا کی راہ بتاتے ہو۔۔۔تو (انھوں نے جواب دیا کہ اے قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے) اور میں راہ حق، طریق صواب سے دور نہیں ہوں (لیکن میں رسول ہوں سارے جہاں کے پروردگار کا) اور یہ میرا فریضہ ہے، کہ میں۔۔۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

"تم لوگوں تک پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغاموں کو، اور تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی عطا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"●

(تم لوگوں تک پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغاموں کو اور تمہارا خیر خواہ ہوں)۔۔۔چنانچہ۔۔۔میں جو نصیحت کرتا ہوں اسکو قبول کر لینے ہی میں تمہاری بہتری ہے (اور اللہ) تعالیٰ (کی عطا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔۔۔الغرض۔۔۔وحی الٰہی نے مجھ پر سب کچھ ظاہر کر دیا ہے۔

چونکہ حضرت نوح کی قوم نے یہ نہیں سنا تھا، کہ جو قوم اپنے نبی کا انکار کرتی ہے اسپر عذاب الٰہی آجاتا ہے۔ پیغام خداوندی اور وحی الٰہی کے نام سے بھی وہ آشنا نہیں تھے۔۔لہٰذا۔۔ جب انھوں نے یہ سب کچھ حضرت نوح کی زبان سے سنا تو تعجب میں پڑ گئے، اسپر حضرت نوح نے فرمایا۔۔۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ

کیا تم بھوچکے ہوگئے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت، تمہارے پالنہار کیطرف سے ایک ایسے شخص پر، جو تم میں سے ہے، تاکہ وہ تمکو ڈرائے

وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

اور تاکہ تم ڈرو، اور کسی طرح رحم کیے جاؤ●

(کیا تم بھوچکے ہوگئے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پالنہار کی طرف سے ایک ایسے شخص پر جو تم میں سے ہے) یعنی آدمی ہے اور تمہارا ہم زبان ہے اور وہ تم میں سے ہے، تمہارے نسب میں شریک ہے، تم اُسے جانتے ہو، وہ تمہیں جانتا ہے اور اسپر نصیحت۔۔یا۔۔بیان اترنے کا سبب یہ ہے (تاکہ وہ تم کو ڈرائے) گناہ کے عقوبت وعذاب سے، (اور تاکہ تم ڈرو) غضب الٰہی سے اور تقوے کی زندگی اختیار کرو (اور کسی طرح رحم کیے جاؤ) یعنی رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جاؤ اور بخشے جاؤ تم شرک سے پرہیز کرنے کے سبب۔۔۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ

توسب نے جھٹلایا انکو، تو ہم نے نجات دی انھیں ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں۔ اور ڈبو دیا انھیں، جنہوں نے ہماری

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

آیتوں کو جھٹلایا۔ بیشک وہ لوگ اندھے تھے●

(توسب نے جھٹلایا انکو)۔

اور پھر حضرت نوح نے قوم کے ہلاک ہوجانے کی دعا کی، اور خدا کے حکم سے ایک کشتی بنائی اور مومنوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوگئے۔ حق تعالیٰ نے طوفان بھیجا اور سب کافروں کو ہلاک کردیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام ان لوگوں کے ساتھ سلامت بچے جو کشتی میں سوار تھے۔۔چنانچہ۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(تو ہم نے نجات دی انھیں) ان (ساتھیوں کے ساتھ) جو (کشتی میں) انکے ساتھ سوار تھے (اور ڈبو دیا انھیں جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا) ہماری وحدانیت کی دلیلوں اور حضرت نوح کی نبوت کی تکذیب کی، (بیشک وہ لوگ اندھے تھے)۔ یعنی حق دیکھنے کی صلاحیت کھو چکے تھے۔۔ چنانچہ وحدانیت کی نشانیاں نہ دیکھ سکے۔۔۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور عاد کی طرف ان کی برادری کے ہود کو۔ انھوں نے کہا، کہ "اے قوم پوجو اللہ کو، کوئی نہیں ہے

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

تمہارا معبود اسکے سوا۔ تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں"●

جس طرح ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف بھیجا، اسی طرح (اور) ویسے ہی اپنی سنت کو جاری رکھتے ہوئے، بھیجا ہم نے قوم (عاد کی طرف انکی برادری) یعنی ان (کے) ہم قوم (ھود کو)۔

عاد چوتھی پشت میں حضرت ھود کے دادا تھے، انھیں کی طرف نسبت کر کے انکے قبیلے کو قوم عاد کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ھود عاد کے چچا کی اولاد میں سے تھے۔ قبیلہ عاد کے لوگ دراز قد اور فربہ، اور اس زمانے میں تمام روئے زمین پر اُن سے بڑا کوئی قبیلہ نہ تھا۔ اور بہت لوگ تھے اور مال جمع رکھتے تھے اور بت پرستی میں عمر بسر کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے ھود علیہ السلام کو ان پر رسول کیا، یہاں تک کہ حضرت ھود اس قبیلے میں آئے اور انھیں حق کی طرف بلایا۔

اور (انھوں نے کہا کہ اے قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (کوئی نہیں ہے تمہارا معبود اسکے سوا) اور بت عبادت کے مستحق نہیں، (تو کیا تم لوگ) عذاب الٰہی سے (ڈرتے نہیں)؟ یہ سن کر۔۔۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ

بولے چودھری ان کی قوم کے جو کافر تھے، "کہ بیشک ہماری رائے میں تم بیوقوف ہو۔ اور بیشک ہمارے خیال میں

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ

تم جھوٹے ہو"● جواب دیا، کہ "اے قوم، مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں ہے، لیکن رسول ہوں سارے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾

جہان کے پالنے والے کا ● تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغام، اور میں تمہارا خیر طلب معتمد ہوں" ●

(بولے چودھری انکی قوم کے جو کافر تھے) اس واسطے کہ انکی قوم میں بعض اشراف مسلمان تھے، جیسے مرثد بن سعد اور انکے پیرو کار لوگ۔۔الغرض۔۔ان میں جو کافر تھے، وہ بولے (کہ) اے ھود (بیشک ہماری رائے میں تم بے وقوف ہو) کہ اپنے قدیم دین کو چھوڑ کر نئے دین کی طرف بلاتے ہو، (اور بیشک ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو) اس بات میں جو کہتے ہو۔۔۔اسپر حضرت ھود نے۔۔۔

(جواب دیا کہ اے قوم مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں ہے) نہ ہی مجھ میں عقل کی کمی ہے، (لیکن رسول ہوں سارے جہان کے پالنے والے کا) اور اہل عالم کے رب کی طرف سے۔

(تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغام) کو، (اور میں تمہارا خیر طلب معتمد ہوں) یعنی نصیحت کرنے والا سچا امانتدار ہوں۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ

کیا تم کو تعجب ہوا اسکا، کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسے پر، جو تم میں سے ہے، تاکہ تم کو ڈرائے۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ

اور یاد کرو، جب کہ بنادیا تھا تم کو جانشین قوم نوح کا، اور بڑھایا تمہارے ڈیل ڈول کے

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

پھیلاؤ کو، تو یاد کرتے رہو اللہ کی نعمتوں کو، کہ کامیابی پاؤ ●

(کیا تم کو تعجب ہوا اسکا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسے پر جو تم میں سے ہے) یعنی تمہارا ہم زبان ہے، تمہارے نسب میں شریک ہے، تم اُسے جانتے ہو، وہ تمہیں جانتا ہے، اور یہ بیان اترنے کا سبب یہ ہے (تاکہ تم کو ڈرائے) عقوبت الٰہی سے، (اور) اے میری قوم ذرا (یاد کرو) اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (جبکہ بنادیا تھا تم کو جانشین قوم نوح کا، اور بڑھایا تمہارے ڈیل ڈول کے پھیلاؤ کو) یعنی اس خدائی نعمت کو یاد کرو، کہ طوفان نوح سے قوم نوح کے تباہ ہوجانے کے بعد جس زمین میں وہ رہتے تھے، وہ تمہارے حوالے کردی اور زمین احقاف پر حضرموت سے عمان تک کے تم رہنے والے بن گئے۔ایسے ہی تمہیں جسمانی قوت سے بھی نوازا اور دوسروں پر تمہیں غلبہ عطا فرمایا۔

۔۔چنانچہ۔۔جوان میں پستہ قد تھے،وہ ساٹھ ۶۰ گز کے تھے اور جو دراز قد تھے وہ سو ۱۰۰ گز کے تھے۔
(تو) اے میری قوم کے لوگو! (یاد کرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کو) تا (کہ کامیابی پاؤ)
اور ان نعمتوں کے عملی طور پر شکر گزار ہو کر اپنے منعم حقیقی کی معرفت حاصل کرو، اور پھر کفر و شرک کی
لعنتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرلو۔۔اس پیغام کو سن کر۔۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا
سب بولے "کہ تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو؟ کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝
تو جاؤ لے آؤ جس عذاب کا ہم سے وعدہ دیتے ہو، اگر سچے ہو"۔

(سب بولے کہ) اے ھود، کیا (تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو، کہ ہم ایک اللہ) تعالیٰ (کو)
پوجیں اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے)، تو سن لو ہم کسی طرح انکی پرستش (نہیں)
چھوڑ ینگے۔اور تو ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے (تو جاؤ لے آؤ جس عذاب کا ہم سے وعدہ دیتے ہو، اگر)
سچے ہو)۔عذاب نازل ہونے کی خبر دینے میں۔۔۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ
جواب دیا، کہ "بیشک واقع ہو گیا تم لوگوں پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نفرت و عذاب"۔ "کیا تم جھگڑا نکالتے ہو مجھ سے
فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ
ان نام ہی نام پر، جو تم نے رکھ دیا اور تمہارے باپ دادوں نے؟ نہیں نازل فرمائی اللہ نے
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝
جس کی کوئی سند۔تو کرو عذاب کا انتظار، میں بھی ساتھ ساتھ نظر رکھتا ہوں"۔

(جواب دیا، کہ بیشک واقع ہو گیا تم لوگوں پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نفرت) یعنی
برے، ناپسندیدہ اور قابل نفرت فعل پر ہونے والا غضب (و عذاب)۔یعنی وہ غضب جو ارادۂ انتقام
سبب ہو۔۔المختصر۔۔تم اسکے عذاب و غضب کے مستحق ہو چکے، اب اس عذاب کا نازل ہونا اتنا ہی یقینی
ہے، گویا کہ وہ واقع ہو چکا۔اور میری قوم کے لوگوں (کیا تم جھگڑا نکالتے ہو مجھ سے ان) اپنے خ

ساختہ بتوں کے (نام ہی نام پر)۔ایسے بے اصل نام پر جن کے معنی کی کوئی حقیقت نہیں، اور ایسے لایعنی نام (جو تم نے رکھ دیا) ہے (اور تمہارے باپ دادوں نے) گڑھ لیا ہے۔
--چنانچہ--تم ان میں بعضوں کو 'ساقیہ' کہتے ہو اور انکے تعلق سے یہ گمان رکھتے ہو کہ بارش انکے حکم سے نازل ہوتی ہے۔اور بعضوں کو 'حافظ' کہتے ہو اور انکے تعلق سے تمہارا خیال یہ ہے کہ سفر میں یہ تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔اسی طرح بعضوں کو 'رازقہ' اور بعضوں کو 'سالمہ' کہتے ہو، اس گمان سے کہ ہمارا رزق اور سلامتی انھیں کے سبب سے ہے۔

اور صورتِ حال یہ تھی کہ یہ الفاظ بے اصل نام تھے، اس واسطے کہ بت جو کنکر پتھر کے تھے انھیں ان کاموں کی قدرت نہ تھی۔اسی لئے ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان فرضی ناموں کے تعلق سے تمہارے جھگڑے تمہاری جہالت کا نتیجہ ہیں۔

کیونکہ یہ ایسے نام ہیں، کہ (نہیں نازل فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے جسکی) پرستش جائز ہونے پر (کوئی سند) اور دلیل۔اور جب حق بات ظاہر ہوگئی اور تم ناحق جھگڑے پر اڑے ہو، (تو) امید وار ہوجاؤ اور (کرو عذاب) نازل ہونے (کا انتظار۔میں بھی ساتھ ساتھ نظر رکھتا ہوں)۔تم اپنے اوپر عذاب دیکھوگے، اور میں تمہارے اوپر عذاب نازل ہوتا دیکھونگا---

--المختصر--جب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمانا شروع کیا، تو ان پر تین [۳] برس تک بارش نازل نہیں فرمائی، یہاں تک کہ وہ سب قحط میں مبتلا ہوگئے۔اس زمانہ میں جب کوئی بلا نازل ہوتی، تو لوگ اس جگہ کی طرف متوجہ ہوتے جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔اس وقت وہاں سرخ ریت کا ایک ٹیکرا تھا--الغرض--مسلم ومشرک ہر ایک اس جگہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی حاجتیں عرض کرتے اور آفتیں دفع ہونے کی دعا کرنے کے بعد، اپنے مطالب کو پہنچتے اور خوف سے نجات پاتے۔

--چنانچہ--قوم عاد نے اس سفر کا سامان کیا اور قیل بن عشر اور مرثد بن سعد کی جو قبیلے کے سردار تھے قیادت میں ستر [۷۰] افراد مکہ معظمہ گئے۔اس وقت معاویہ بن بکر مکے کا حاکم تھا، اسکے یہاں یہ لوگ اترے اور رسم ضیافت کے بعد، ان لوگوں نے اجازت لیکر چاہا کہ دعا اور پانی مانگنے کو اُس مقام پر جائیں۔مرثد جو قوم میں ایک رئیس تھا اور حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا، بولا کہ تمہاری دعا سے بارش نہ ہوگی۔ہاں اگر تم ھود علیہ السلام کی اطاعت کرو

اور پھر توبہ واستغفار کے دروازے پر آؤ، تو ضرور تم پر رب کریم بارش نازل فرمائیگا۔ یہ سن کر قیل اور اسکے یاروں نے معاویہ سے درخواست کی۔۔چنانچہ۔۔اس نے مرثد کو قید اور نظر بند کر دیا اور دعا کے مقام پر نہ جانے دیا۔

۔۔المختصر۔۔ جب قیل اپنی قوم کے ساتھ اس مقام پر گیا اور دعا مانگی، اے خدا قوم عاد بارش چاہتی ہے اسے عطا فرما، فوراً ہی ابر کے تین ٹکڑے اٹھے، ایک سفید، ایک سیاہ اور ایک سرخ، اور ہاتف غیبی نے نداء کی، اے قیل! ان میں سے جسکو تیرا جی چاہے، اپنی قوم کے واسطے اختیار کر۔ اس نے ابر سیاہ اختیار کیا، اس واسطے کہ ابر سیاہ سے بہت بارش ہوتی ہے۔ پھر مکہ سے اپنی قوم سمیت باہر آیا اور اپنی قوم کے شہروں کی طرف چلا۔ جب وادی مغیث میں پہنچا کہ وہاں بھی اسکی قوم کے لوگ رہتے تھے، تو ان لوگوں کو ابر کی خوشخبری سنائی، تو پوری قوم بہت خوش ہو کر ابر کی خوشی میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئی، پس ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس واسطے کہ اس ابر میں 'ریح عاصف' تھی، جسے آندھی کہتے ہیں۔ اُس آندھی نے سات آٹھ دن میں تمام قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور ھود علیہ السلام اپنی قوم سمیت صحیح سلامت رہے۔ حق تعالیٰ مومنوں کی نجات اور کافروں کے ہلاک ہونے کی خبر دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

فَأَنجَيْنَٰهُ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ ٱلَّذِينَ

تو بچا لیا ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھی تھے اپنی رحمت سے، اور کاٹ کے رکھ دی ہم نے جڑ ان کی،

كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا۟ مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾

جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو، اور مانتے نہ تھے ●

ع ۹ / ۸ / ۱۶

(تو بچا لیا ہم نے انکو) یعنی ھود علیہ السلام کو (اور جو انکے ساتھی تھے) اور دین میں انکی متابعت کرتے تھے۔۔الغرض۔۔ان سب کو ہم نے عذاب سے نجات دی (اپنی رحمت) اور اپنے فضل و کرم (سے)۔ یعنی کسی کی نجات دنیوی ہو۔۔یا۔۔نجات اخروی، وہ حقیقی طور پر اسکے عمل کا نتیجہ نہیں، بلکہ صرف فضل ربانی کی دین ہے۔ (اور) اسکے برخلاف (کاٹ کے رکھ دی ہم نے جڑ انکی جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو)، یعنی جنھوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائے، ہم نے انکا استیصال کیا اور بیخ و بنیاد سے انھیں اکھاڑ دیا (اور) ایسا اسلئے ہوا کہ قوم عاد والے (مانتے نہ تھے) وحدت معبود اور رسالت ھود علیہ السلام کو۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور ثمود کی طرف ان کی برادری کے صالح کو۔۔۔ انھوں نے کہا "کہ اے قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود

غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً

اس کے سوا۔ بیشک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ ہے اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ،

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی رہے۔ اور برائی سے تم اس کو

بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

ہاتھ نہ لگاؤ، کہ تم کو پکڑ لے دکھ دینے والا عذاب"●

ہم نے جس طرح نوح کو انکی قوم کی طرف اور ھود کو انکی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور) انکا رسول بنایا، اسی طرح بھیجا ہم نے قوم (ثمود کی طرف انکی برادری کے صالح کو)، جو انکے ہم نسب تھے۔

ثمود حضرت صالح کی پانچویں پشت میں تھے۔ قبیلہ ثمود عرب کا ایک قبیلہ تھا جسکا نسب حضرت نوح سے یوں ملتا تھا، ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اور انکے مکان ملک حجاز اور ملک شام کے بیچ اس جگہ تھے جسے 'حجر' کہتے تھے۔ یہ لوگ بھی بت پرست تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔(انھوں نے) یعنی حضرت صالح نے (کہا کہ اے قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو)۔ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اسکے سوا) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

قوم ثمود چونکہ بہت کثرت سے تھی اور اسکو زور و زر بہت حاصل تھا، اس وجہ سے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔۔ چنانچہ۔۔ انکی قوم کے لوگ بولے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے جو آپ کی نبوت پر ہمارے واسطے دلیل ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کیا معجزہ چاہتے ہو، وہ بولے کل ہمارے ساتھ میدان میں چلیئے، کل ہماری عید ہے ہم بتوں کو آرائش کر کے نکالینگے، تو بھی اپنے خدا سے کچھ مانگ، ہم بھی اپنے خداؤں سے کچھ مانگیں۔ پھر جسکی دعا قبول ہو جائے دوسرے سب اسکی اطاعت کریں۔۔ الختصر۔۔ حسب پروگرام سب باہر نکلے اور ان بت پرستوں کی جو حاجت تھی بتوں سے مانگی، مگر کسی کے پورے ہونے کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوا۔ پس ذلیل و شرمندہ ہو کر سبھوں نے سر جھکا لئے۔ جندع بن عمر کہ شرفاء قبیلہ

میں سے ایک شخص تھا، اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا، جسکا نام 'کاثبہ' تھا اور بولا کہ اے صالح اس پتھر سے ایک اونٹنی 'بختی اونٹ' سے مشابہ جس پر بال بہت ہوں اور وہ گابھن ہو، ہمارے واسطے نکال۔

حضرت صالح نے فرمایا کہ اگر میرا خدا اپنی قدرت کاملہ سے، کہ اس میں عجز کا کوئی دخل نہیں، ایسی اونٹنی پیدا کردے، تو کیا کروگے؟ وہ بولے کہ ہم ایمان لائینگے اور تیرے خدا کی عبادت کرینگے، اور اس بات پر قسم کھائی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا میں حق ﷻ سے وہ معجزہ ظاہر کرنے کی درخواست کی، فوراً پتھر کو حرکت ہوئی اور جیسے اونٹنی جنتے وقت چلاتی ہے، اُسی طرح کی آواز اس پتھر میں سے نکلی اور وہ پتھر پھٹ گیا، اور جیسی اونٹنی اس قوم کے لوگ چاہتے تھے اس پتھر میں سے باہر نکل آئی۔ بہت بڑی اونٹنی تھی اور پیدا ہوتے ہی اپنے برابر بچہ جنی۔ لوگوں نے اُسے دیکھا۔ جندع کو ایمان کی توفیق رفیق ہوئی، وہ فوراً ایمان لایا۔ اور قبیلۂ ثمود کے باقی شرفاء گمراہ رہے اور منکر ہوئے۔ غرضیکہ وہ اونٹنی قوم میں رہی اور انکی چراگاہوں میں چرتی اور انکے کنوؤں کا پانی دوسرے دن باری سے اُسے ملتا۔

حضر صالح نے یہ معجزہ ظاہر ہونے کے بعد اپنی قوم سے کہا، کہ **(بیشک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے)** جو اسکی کمال قدرت اور میری صحت رسالت پر دلیل ہے۔ دیکھو **(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (کی)** 'سنگ کاثبہ' سے پیدا کی ہوئی **(اونٹنی تمہارے لئے)**، تمہارا فرمائشی (معجزہ)، جسکو تمہارے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے تعلق سے جو عادت جاری ہے، اس سے الگ صرف اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے، **(تو)** تم معجزہ دیکھ کر ایمان لانے کا اپنا عہد پورا کرو۔۔۔ نیز۔۔۔ اس معجزہ کے طور پر پیدا ہونے والی اونٹنی کا پاس ولحاظ کرو اور **(اسکو چھوڑ دو کہ اللہ) تعالیٰ (کی زمین میں کھاتی رہے)** اور تم کو اسکے کھانے میں کچھ رنج اور تکلیف نہ ہو، یعنی بخوشی جہاں سے وہ چاہے اُسے چرنے دو **(اور برائی سے تم اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، کہ تم کو پکڑ لے دکھ دینے والا عذاب)**۔

دردناک عذاب کا مستحق ہونا اونٹنی کو تکلیف پہنچانے کے سبب سے نہیں، بلکہ اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر پھر کفر پر انکے قائم رہنے کے سبب سے تھا، اور اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالنا کفر میں انکے تکبر کی دلیل ہے۔۔۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ

"اور یاد کرو جب کہ تم کو بنادیا تھا جانشین عاد کا، اور زمین میں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا

تم کو ٹھکانہ دیا، کہ بناتے ہو نرم زمین پر محل، اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر۔ تو یادرکھا کرو

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴

اللہ کی نعمتوں کو، اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے●

اے میری قوم کے لوگو! عقل سے کام لو (اور یاد کرو) خدا کی نعمت کو (جبکہ تم کو بنادیا تھا جانشین عادکا) قوم عاد کو ہلاک کرنے کے بعد (اور زمین) حجر (میں تم کو ٹھکانہ دیا) جہاں پہلے قوم عاد کی بستی تھی۔ اور تم کو یہ ہنر دیا (کہ بناتے ہو نرم زمین پر محل) تاکہ جاڑے میں آرام سے رہا جاسکے (اور) ایسی طاقت دی، کہ (تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر) گرمی میں رہنے کیلئے (تو) اب تم پر لازم ہے کہ (یادرکھا کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کو) یعنی زمین پر محلوں میں رہنا اور پتھر کھودنے کی قوت، یہ سب خدا ہی کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، تو انکو فراموش نہ کرو اور عملی طور پر بھی ثبوت دو، کہ تمہیں خدا کی نعمتیں یاد ہیں اور تم اسکے شکر گزار ہو۔

۔۔الحضر۔۔ان نعمتوں کے شکر میں حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو (اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے)۔

انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو تو کوئی جواب نہ دیا اور مومنوں سے الجھ گئے اور ان سے معترض ہوئے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔۔کہ۔۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ

کہا ان کی قوم کے چودھریوں نے، جو بڑے بنتے تھے ان سے، جو کمزور کردیئے گئے تھے،

اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

جو ان میں سے مان گئے تھے، کہ "کیا تمہارے نزدیک صالح اپنے پروردگار کے رسول ہیں"۔

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵

انھوں نے کہا کہ بیشک ہم مانتے ہیں جو کچھ پیغام دیا گیا انکے ذریعہ سے"●

(کہا انکی قوم کے چودھریوں نے جو بڑے بنتے تھے ان سے جو کمزور کردیئے گئے تھے) ا
ضعیف وکمزور اور عاجز و بے چارہ ہونے کے باوجود (جوان) کی قوم (میں سے مان گئے تھے)
ایسوں کو مخاطب بنا کر چودھریوں نے سوال کیا (کہ کیا تمہارے نزدیک صالح اپنے پروردگار کے
رسول ہیں) یہ بات انھوں نے بطورِ استہزاء کہی۔ اس سوال کے جواب میں (انھوں نے کہا، کہ بیشک
ہم مانتے ہیں جو کچھ پیغام دیا گیا انکے ذریعہ سے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہمارا ایمان خدا کی توحید پر بھی ہے او
اس بات پر بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ سن کر۔۔۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

بولے وہ، جو بڑے بنتے تھے، "کہ ہم لوگ جس کو تم مانتے ہو اس کے منکر ہیں"●

(بولے وہ جو بڑے بنتے تھے کہ ہم لوگ جسکو تم مانتے ہو اسکے منکر ہیں)۔

قوم اس اونٹنی سے بہت تنگ آگئی، اس واسطے کہ جس دن اسکی باری ہوتی تھی، تو وہ انکے کنوؤں کا سب پانی پی جاتی تھی اور جس دن قوم کی باری ہوتی، تو کنوؤں کا پانی انکے جانوروں کو کافی نہ ہوتا تھا اور دوسرے یہ کہ گرمی کے دنوں میں پہاڑ کی آڑ میں چلی جاتی کہ وہاں خنکی ہوتی ہے اور قوم کے چوپائے اس سے ڈر کر پہاڑ سے میدان میں بھاگ آتے، اس سبب سے انھیں نقصان پہنچتا تھا۔ دو عورتیں عنیزہ اور صدوقہ نام کی، جن کے چوپائے بہت تھے ان پر یہ صورت بہت شاق ہوئی، تو انھوں نے قیدار بن سالف اور مصدع بن دہر کو آمادہ کیا اور ان دونوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر اُسے ہلاک کر ڈالا۔ انکا یہ فعل ان پر عذاب نازل ہونے کا سبب بن گیا۔۔ الغرض۔۔ قوم نے حضرت صالح کی ہدایات کا پاس و لحاظ نہیں کیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

چنانچہ کوچیں کاٹ لیں انھوں نے اونٹنی کی، اور سرکشی کی اپنے پروردگار کے حکم سے، اور بکنے لگے، کہ "اے صالح لاؤ تو جس کا ہم

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

وعدہ دے رہے ہو، اگر رسول ہو"● تو پکڑا ان کو زلزلہ نے، تو وہ

فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۷۸﴾

اپنے گھروں میں اوندھی لاش ہوگئے●

(چنانچہ کوچیں کاٹ لیں انھوں نے اونٹنی کی اور سرکشی کی اپنے پروردگار کے حکم سے اور بکنے لگے کہ اے صالح لاؤ تو جسکا ہم سے وعدہ دے رہے ہو، اگر رسول ہو) یعنی اگر آپ برحق رسولوں میں سے ہیں، تو وہ عذاب لاؤ جس سے ہمیں ڈراتے رہے ہو۔ یہ سب کچھ انھوں نے بطورِ استہزا کہا۔۔۔

(تو پکڑا انکو) اونٹنی کو قتل کرنے کی سزا میں (زلزلہ نے، تو وہ اپنے گھروں میں اوندھی لاش ہوگئے)۔زلزلہ آنے سے پہلے اونٹنی کو قتل کردینے کی قوم کی سرکشی کو دیکھا۔۔۔

فَتَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَۃَ رَبِّیۡ

تو ہٹ گئے ان سے صالح اور کہا کہ "اے قوم! بیشک میں نے تو پہنچادیا تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام

وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۷۹﴾

اور خیر خواہی کی تمہاری۔ لیکن تم اچھا جانتے ہی نہیں خیر خواہوں کو"●

(تو ہٹ گئے) اور کنارہ کش ہوگئے (ان سے صالح اور) ان سے براہِ حسرت (کہا، کہ اے قوم بیشک میں نے تو پہنچادیا) تھا (تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام اور خیر خواہی کی تمہاری، لیکن) تمہارا تو حال ایسا رہا کہ (تم اچھا جانتے ہی نہیں خیر خواہوں کو)۔ وہ خیر خواہ جو مہربانی کی راہ سے تمہیں ایمان کی طرف بلاتے ہیں اور نفس اور شیطان کی اتباع سے منع کرتے ہیں۔

انکے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو انکے سروں پر پڑ کر انھیں ریزہ ریزہ کردیتے۔ جونہی انھوں نے یہ کیفیت دیکھی، تو زمین میں گڑھے کھودے، تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں، لیکن وہ ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر انکے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر انکو آپس میں ٹکرادیتی، پھر انھیں زمین میں اس زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور انکی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے، یہاں تک کہ تمام کے تمام فنا و برباد ہوگئے۔

وہ جن جانوروں کے مالک تھے وہ سارے جانور بھی تباہ ہوگئے۔ یہ مال و متاع کی تباہی و بربادی بھی ان پر عذاب کا ایک حصہ تھی، کہ جس پر مغرور تھے اسکا بھی حشر دیکھ لیں۔ بیشک

اللہ تعالیٰ کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانوروں کی بربادی سے انکے مالکوں کو عذاب محسوس ہو، مگر جانوروں کیلئے وہی راحت ہو۔ ھود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پر محفوظ رہے، جہاں انھیں وہی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبودار ہو کر پہنچتی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط کو، جبکہ کہا اپنی قوم سے، کہ کیا بے شرمی تم کرتے ہو، جس کو نہیں کیا تم سے پہلے

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

کسی نے سارے جہان میں ● ارے، تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت کو

دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

چھوڑ کر عورتوں کو۔ بلکہ تم لوگ بے جا کام کرنے والے ہو●

مذکورہ بالا رسولوں کی طرح ہم نے مبعوث کیا (اور) بھیجا (لوط) ابن ہاران ابن تارح یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے (کو) اہل موتفکات کی طرف۔

یعنی انکی طرف جن کی بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے مع انکے بسنے والوں کے الٹ دیا۔ وہ پانچ شہر تھے:۔۔۱۔ سدوما جو سب شہروں میں بڑا تھا۔۔۲۔ عامور۔۔۳۔ داوما۔۔۴۔ صلوبورا اور۔۔۵۔ صفودا۔۔یا۔۔ صعودا ہر ہر شہر میں چار چار ہزار آدمی تھے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام سدوما میں آئے اور خلق کو خدا کی طرف بلایا اور انتیس [۲۹] برس ان لوگوں میں رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتے رہے اور برائیوں سے روکتے رہے۔ انکے برے کاموں میں سے ایک لواطت تھی۔ حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو انکے انجام کار سے خبر دی اور فرمایا اے محبوب یاد کرو تم لوط علیہ السلام کا قصہ!۔۔۔

(جبکہ کہا اپنی قوم سے کہ کیا بے شرمی تم کرتے ہو) یعنی لواطت جیسا قبیح تر کام انجام دیتے ہو۔ یہ کام ایسا قبیح ہے (جسکو نہیں کیا تم سے پہلے کسی نے سارے جہان میں)۔

(ارے) بے وقوفو! اور بے شرمو! (تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت کو) یعنی مباشرت کی رو سے (چھوڑ کر) ان (عورتوں کو) جو تم پر مباح کی گئیں ہیں۔ تو سمجھ لو کہ تم راہِ حق پر نہیں ہو، (بلکہ تم لوگ بے جا کام کرنے والے ہو)۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

اور نہ تھاان کی قوم کا جواب، مگر یہ کہ "بولے کہ ان کو اپنی آبادی سے نکال دو،

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ لوگ بڑے پاکیزہ رہتے ہیں"●

حضرت لوط کے اس کلام کے مقابلہ میں (اور) آپکی اس ہدایت کے تعلق سے (نہ تھا انکی قوم کا جواب، مگر یہ کہ) سدوما کے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں سے (بولے، کہ) لوط، اسکی لڑکیوں، اور انکو، جو اسپر ایمان لائے ہیں۔۔الغرض۔۔(ان) سب (کو اپنی آبادی سے نکال دو)، کیونکہ (یہ لوگ بڑے پاکیزہ رہتے ہیں) اور برے کاموں سے پاکی چاہتے ہیں۔یعنی اس کام میں ہم سے متفق نہیں ہیں۔

حق تعالیٰ نے انکے اس جواب کو ناپسند فرمایا اور ان پر عذاب نازل فرمایا، جسکی تفصیل انشاءاللہ تعالیٰ آگے آتی ہے۔۔۔

پس جب عذاب ہوا۔۔۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

تو بچالیا ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو، مگر ان کی عورت کو، وہ پچھڑ جانے والوں سے تھی●

(تو بچالیا ہم نے انکو اور انکے گھر والوں) اور ان (کو) جو ایمان لائے تھے (مگر انکی عورت) اھلہ (کو)۔اسلئے کہ (وہ پچھڑ جانے والوں سے تھی) جس نے شہر سے نکلنے میں حضرت لوط کا ساتھ نہیں دیا اور شہر میں رہ گئی۔وہ اپنا کفر چھپاتی تھی اور کافروں کو حضرت لوط علیہ السلام سے انکار پر اکساتی تھی، تو اس عورت سمیت انکی قوم کے کافروں پر ہم نے عذاب نازل فرمایا۔۔۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ع ۱۰ / ۱۲ / ۱۷

اور برسایا ہم نے ان پر ایک بارش، تو دیکھ لو کیا کیسا ہوا انجام مجرموں کا●

(اور برسایا ہم نے ان پر ایک بارش) اور کیا ہلاکت خیز بارش تھی کہ قوم لوط کے سروں پر پتھر

برسے اور پھر وہ نیست و نابود ہوگئے۔(تو دیکھ لو) اے دیکھنے والو! کہ(کیا) اور (کیسا ہوا انجام مجرموں کا) پھر اس سے عبرت حاصل کرلو اور اپنے کو اس جرم سے بچاتے رہو جن پر انکو یہ سزا ملی ہے یونہی ہم نے بھیجا۔۔۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور مدین کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو، "کہا اے قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے تمہارا کوئی

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

معبود سوا اسکے، بیشک آگئی تمہارے پاس کھلی نشانی تمہارے پروردگار کی طرف سے، تو ٹھیک رکھو ناپ

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

اور تول کو، اور کم نہ دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور نہ فساد مچاؤ زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اس کے پر امن ہونے کے بعد۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مانو●

(اور) مبعوث فرمایا (مدین کی طرف) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد کی طرف (انکی برادری کے شعیب) بن یسحر بن مدین (کو)، تو انھوں نے اپنی قوم کو وہی ہدایت فرمائی، جو دوسرے رسولوں نے اپنی اپنی قوموں کو فرمائی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے (کہا) کہ (اے) میری (قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) اسلئے کہ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود) برحق (سوا اسکے)۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اور اے میری قوم! دیکھو کہ (بیشک آگئی تمہارے پاس کھلی نشانی تمہارے پروردگار کی طرف سے)۔

غور سے دیکھو کہ جب میں اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتا ہوں، تو پہاڑ اپنا سر جھکا دیتا ہے اور میں بآسانی پہاڑ پر چڑھ جاتا ہوں۔ پہاڑ کی اس خدمت گزاری اور اطاعت سے سبق حاصل کرو اور میری اطاعت کرو اور تم ناپ تول میں جو خیانت کرتے ہو، اس سے باز آؤ۔

اس خیانت کی تفصیل یہ ہے کہ انکی قوم میں ہر ایک کے پاس دو پیمانے اور دو بٹے تھے ایک چھوٹا اور دوسرا اس سے بڑا۔ تو جب وہ کسی کا مال خریدتے، تو بڑا بٹہ استعمال کرتے۔

اور اگر کسی کے ہاتھ بیچتے، تو چھوٹا بٹہ استعمال کرتے۔۔الغرض۔۔کفر کے علاوہ ناپ تول میں بھی خیانت کرتے تھے۔

(تو) انکو حضرت شعیب نے ہدایت فرمائی، کہ (ٹھیک رکھو ناپ اور تول کو) اور درستی اور سچائی کی راہ اختیار کرو۔ (اور کم نہ دیا کرو لوگوں کو انکی چیزیں)۔۔الغرض۔۔خرید وفروخت میں خیانت نہ کرو (اور نہ فساد مچاؤ زمین میں) اپنے کفر اور اپنی خیانت کے سبب سے (اسکے پر امن ہونے کے بعد)۔ اور ظاہر ہے کہ اسکی درستی اور اصلاح انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے اور کتابیں نازل ہونے کے سبب سے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی کو فریب دینا اور اسکے ساتھ خیانت کرنا ہی بڑے بڑے فساد کی جڑ ہے۔ اور (یہ) کام جسکا ہم حکم دیتے ہیں (تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مانو) اور ایمان کی نظر سے دیکھو، تو تم پر ظاہر ہو جائیگا کہ اللہ کے نبی کی ہدایت کو ماننے اور اس پر عمل کرنے ہی سے دونوں جہاں کی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔

قوم مدین اگر ایک طرف شہروں میں ناپ تول میں خیانت کرتی تھی، تو دوسری طرف میدانوں میں رہزنی کرتی تھی۔۔نیز۔۔اس قوم کے بعض لوگ ایسا بھی کرتے تھے، کہ ہر راہ کے سرے پر بیٹھ جاتے تھے اور جو کوئی حضرت شعیب کی ملاقات کو جانا چاہتا اُسے ڈراتے دھمکاتے، تو حضرت شعیب نے حکم دیا۔۔۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور نہ بیٹھا کرو ہر راستہ میں کہ دھمکی دے رہے ہو اور روکتے ہو اللہ کی راہ سے،

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ

اسے جو مان چکا اس کو، اور تم چاہتے ہو اس میں کجی۔ اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے، پھر بڑھایا تم کو۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾

اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فسادیوں کا" ●

(اور) فرمایا (نہ بیٹھا کرو ہر راستہ میں) جب (کہ دھمکی دے رہے ہو) یعنی ڈرا دھمکا کر انکا مال لوٹ رہے ہو۔۔یا۔۔ڈرا دھمکا کر نبی کے پاس جانے سے باز رکھنا چاہتے ہو، (اور روکتے ہو اللہ)

تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی صراط مستقیم پر چلنے سے، (اسے جو مان چکا اسکو) یعنی مومنین کو بھی ڈرا دھم
رہے ہو، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا چھوڑ دیں۔ (اور تم) یہ بھی (چاہتے ہو) کہ (اس
میں کجی) ظاہر ہو جائے، یعنی تم اسکا بطلان چاہتے ہو۔

اے میری قوم کے لوگو! سمجھ سے کام لو (اور یاد کرو) اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے اُس احسان کو
(جبکہ تم تھوڑے تھے) گنتی میں بھی اور مالداری میں بھی، (پھر بڑھایا تم کو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے
مال اور اولاد میں برکت عطا فرما کر۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ مدین نے حضرت لوط کی بیٹی سے نکاح کیا، تو خدا نے
انھیں بہت اولاد عنایت کی اور مالدار کر دیا، تو حضرت شعیب نے یہ نعمت انکو یاد دلائی (اور) کہا (دیکھو
کہ کیسا انجام ہوا) اگلی امتوں میں سے (فسادیوں کا)، یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کے
حالات اور انکے انجام کو دیکھو اور سبق حاصل کرو۔۔۔ نیز۔۔۔ اپنے کو تباہ و برباد ہونے سے بچاؤ۔

مدین میں ایک قوم حضرت شعیب پر ایمان لائی اور ایک دوسری جماعت نے انکار کیا
اور یہ بات کہی، کہ قوت و ثروت ہمیں حاصل ہے مومنوں کو نہیں، تو حق ہمارے ہی ساتھ
ہے اور اگر مومنوں کے ساتھ ہوتا، تو چاہئے تھا کہ مالداری اور وسعتِ معاش انھیں حاصل
ہوتی۔ اس پر حضرت شعیب نے فرمایا۔۔۔

وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنكُمْ ءَامَنُوا۟ بِٱلَّذِىٓ أُرْسِلْتُ بِهِۦ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ

"اور اگر تم میں کچھ لوگ مان گئے، جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں، اور کچھ نے نہ مانا،

يُؤْمِنُوا۟ فَٱصْبِرُوا۟ حَتَّىٰ يَحْكُمَ ٱللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ ﴿٨٧﴾

تو ٹھہرو، یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ ہمارے درمیان۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے"●

(اور) اپنی قوم پر واضح کیا، کہ (اگر) چہ (تم میں) سے (کچھ لوگ مان گئے) اور ایمان
لائے اسپر (جو پیغام لیکر میں بھیجا گیا ہوں اور کچھ نے نہ مانا) اور اپنے کو ایمان سے مشرف نہ کر سکے۔
تو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ ان مذکورہ بالا دونوں گروہوں میں حق کون ہے؟ اور
باطل کون ہے؟ (تو) اپنے کو حق سمجھنے والو! (ٹھہرو) جلدی مت کرو، بس انتظار کرو (یہاں تک کہ فیصلہ

فرمادے اللہ) تعالیٰ (ہمارے درمیان) ہماری قوم کے دونوں گروہوں کے تعلق سے۔۔الختصر۔۔اس تعلق سے جو خدا کا فیصلہ ہوگا، بالکل صحیح (اور) درست ہوگا، کیونکہ (وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے)۔اسکے حکم میں جانبداری اور سستی نہیں۔

-- ✿ -- ✿ -- ✿ -- ✿ -- ✿ --

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۴ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۱۵ ستمبر ۲۰۰۹ء

بروز سہ شنبہ آٹھویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق

عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے اُسے آسان فرمائے،

آمین بحرمۃ سیدنا محمد ﷺ

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

قال الملا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمدہٖ تعالیٰ نویں پارہ کی تفسیر آج بتاریخ

۶ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۲۶ ستمبر ۲۰۰۹

بروز شنبہ شروع کردی گئی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے

﴿آمین﴾

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

کہا چودھریوں نے ان کی قوم کے جو بڑے بنتے تھے، "ہم لوگ ضرور نکال دیں گے تم کو اے شعیب،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا

اور جو ایمان لائے ہیں تمہارے ساتھ ہماری آبادی سے، یا تم کو گھوم پھر کر آنا ہوگا ہمارے دھرم میں"۔

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

جواب دیا "کیا گو ہم اسے برا جانیں؟"۔۔●۔۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظِ حسنہ سننے کے بعد **(کہا چودھریوں نے انکی قوم کے)** جنھوں نے سرکشی کی اور **(جو بڑے بنتے تھے)** اور خدائے وحدہ لاشریک کے حضور میں سر جھکانے اور اسکی عبادت کرنے کو اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے، اور اپنے خود ساختہ رسم ورواج کو خدائی قانون و ہدایات سے برتر و بہتر گمان کرتے تھے، تو ایسوں نے حضرت شعیب کو مخاطب بنا کر کہا، کہ **(ہم لوگ ضرور نکال دیں گے تم کو اے شعیب)**۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر پہلے اسلئے کیا، کہ آپ ہی اصل ہیں اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کی فرع ہیں۔

۔۔الغرض۔۔اے شعیب ہم تم کو **(اور جو ایمان لائے ہیں تمہارے ساتھ)** ان سب کو، **(ہماری)** بستی **(آبادی سے)** باہر یعنی شہر بدر کر دینگے۔اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں تمہارے تعلق سے بغض وعداوت ہے، اسکا تقاضا یہی ہے کہ ہم تمہیں اپنی بستی میں رہنے نہ دیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو شہر بدر کر کے ہم اپنے علاقوں اور اپنے ہمسایگان کو تم سب کے شر و فساد سے بچانا چاہتے ہیں۔اسکی پہلی صورت تو یہی ہے کہ ہم تمہیں نکال دیں، **(یا)** پھر دوسری صورت یہ ہے کہ **(تم کو گھوم پھر کر)** چار و ناچار **(آنا ہوگا ہمارے دھرم میں)**۔

کافروں کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ حضرت شعیب بذاتِ خود انکے دھرم میں کبھی رہے ہی نہیں، تو انکے تعلق سے لوٹنے والی بات غیر معقول ہے۔۔لہٰذا۔۔انکے قول کا مطلب صرف یہ نکلتا ہے، کہ اے شعیب! تمہارے ساتھیوں اور تم پر ایمان لانے والوں کو شہر بدری سے اُسی وقت نجات مل سکتی ہے جب وہ اپنے پرانے دھرم کی طرف واپس ہو جائیں، اور آپ چونکہ انکی اصل ہیں، اسلئے آپ کا ذکر بھی انکے ذکر کے ساتھ تغلیباً کر دیا گیا ہے۔تو

انکے لئے جو سزا تجویز کی گئی ہے، انکی اصل ہونے کی وجہ سے، وہ آپکے لئے بھی ہے۔اب اگر وہ شہر بدری سے بچنا چاہتے ہیں، تو اپنے پرانے دھرم کی طرف لوٹ آئیں اور اگر آپ شہر بدری سے بچنا چاہتے ہوں، تو ہمارے شہر میں ہمارے دین ودھرم کے خلاف تبلیغ کرنے سے باز آئیں، بلکہ آپ بھی کفر وشرک اختیار کرلیں۔

۔۔الختصر۔۔'عوذ' کی اسناد درحقیقت آپ کے اَتباع کیلئے ہے،آپ کا اسم گرامی تغلیباً لیا گیا ہے۔اسلئے کہ یہ عقیدۂ مسلمہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فریضۂ نبوت ورسالت کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے تمام صغائر اور تمام کبائر سے منزہ اور پاک ہیں، چہ جائیکہ انکی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔۔الغرض۔۔انکا مقصدِ اصلی یہی تھا کہ حضرت شعیب اور انکا اتباع کرنے والے کفر کو قبول کرلیں۔شہر بدر کرنے اور انھیں اپنے علاقوں سے نکال دینے کا ذکر صرف دھمکی کے طور پر تھا، تاکہ وہ اس دھمکی سے ڈر کر مجبور ہو جائیں۔۔چنانچہ۔۔شعیب علیہ السلام نے انکی دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ 'عوذ' کے سوال پر ارشاد فرمایا۔۔۔

اور (جواب دیا) کہ (کیا گو) اگر چہ (ہم اسے برا جانیں)، یعنی عقل کے اندھو! غور کرو کہ ہم تمہارے دین ودھرم کی طرف کیسے آسکتے ہیں؟ جبکہ ہم سب کا حال یہ ہے کہ ہم تمہارے دھرم سے دلی نفرت رکھتے ہیں۔ویسے بھی غور کرو کہ تمہارے دھرم میں آنے کا مطلب یہی تو ہوگا، کہ ہم اقرار کریں کہ خدا کا شریک ہے؟ اور حال یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، تو اس صورت حال میں۔۔۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا

"بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اگر گھوم پڑے تمہارے دھرم میں، بعد اس کے کہ بچا رکھا ہے

اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ

ہم کو اللہ نے اس سے۔ اور ہم لوگوں کا کیا کام کہ گھوم کریں اس میں، مگر یہ کہ اللہ چاہے ہمارا پالنے والا۔

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا

ہمارے پروردگار کو ہر چیز کا علم وسیع ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ پروردگارا کھول دے ہمارے

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور ہماری قوم کے درمیان حق، اور تو بہتر فاتح ہے"●

(بیشک ہم نے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ باندھا اگر گھوم پڑے تمہارے دھرم میں) اور کفر وشرک

کا ارتکاب کر بیٹھے (بعد اسکے کہ بچا رکھا ہے ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے اس سے)، اور ہمیں نجات بخشی۔۔ الختصر۔۔کسی بھی غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دینا۔۔یا۔۔مشرکین کے باطل نظریات اور خود ساختہ رسم و رواج کو دین خداوندی سمجھنا، ذات الٰہی پر ایک عظیم افتراء اور ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔اس جرأت و جسارت کی تم ہم سے امید نہ رکھو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جس نجات کی راہ پر ہمیں پہنچادیا ہے، اب ہم اس سے پلٹنے والے نہیں۔ (اور) اب (ہم لوگوں کا کیا کام کہ گھوم گریں اس میں) ۔۔الغرض۔۔ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایمان کی دولت پالینے کے بعد کفر کے گڈھے میں گرجائیں، (مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (چاہے) جو (ہمارا پالنے والا) ہے۔یعنی اگر۔۔بالفرض۔۔ہمارا لوٹنا مشیت الٰہی میں ہو، تو وہ الگ بات ہے، لیکن ہم سے بالا رادہ یہ بالکل محال ہے۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ایسا کیوں چاہے گی۔اسلئے کہ شانِ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے بندوں کے ارتداد کی مشیت نہ ہو، خاص کر ان بندوں کیلئے جنھیں اپنے فضل وکرم سے نجات کی سند بخش دی گئی ہو۔آیت کریمہ میں نَجّٰنَا اللّٰہُ کا لفظ واضح طور پر اشارہ فرمارہا ہے، کہ انکا کفر کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں۔اس ارشاد کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کرنا چاہے، جبھی ہم تمہارے دین کی طرف لوٹ سکتے ہیں اور ہمیں خدائے رحیم وکریم سے یہی امید ہے کہ وہ ہمیں رسوا نہیں فرمائیگا، اور اس نے ایمان کی جو عزت ہمیں بخشی ہے، اسی پر قائم رکھے گا۔۔الختصر۔۔باطل دین کی طرف پلٹنے کی اب کوئی صورت نہیں رہ گئی۔اور ایسا کیوں نہ ہو؟۔۔۔

اسلئے کہ (ہمارے پروردگار کو ہر چیز کا علم وسیع ہے) یعنی اسکا علم ما کان وما یکون کی تمام اشیاء کو محیط ہے۔من جملہ انکے، بندوں کے احوال وعزائم اور نیات اور پھر انکی شان کے جو امور لائق ہیں سب کو جانتا ہے۔اس بناء پر محال ہے کہ وہ ہمارے لئے کفر کی طرف لوٹنا چاہے، بعد اسکے کہ اس نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی۔۔علاوہ ازیں۔۔ہم اسکے ارشاد کے مطابق عمل کررہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔صرف (اللہ) تعالیٰ (ہی پر ہم نے بھروسہ کیا)۔وہی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور شرارتوں سے بچائیگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کفار کو مذکورہ بالا جواب دے کر معاندین سے اعراض کرکے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی طرف متوجہ ہوئے، اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔۔۔

کہ (پروردگارا کھول دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق)، یعنی انکے اور ہمارے

مابین فیصلہ فرمادے، اور ایسے دلائل و براہین واضح فرمادے، تاکہ واضح ہوجائے کہ ہم میں حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون ہے؟ ۔۔الغرض۔۔ہم ہر دو فریقوں کا معاملہ صاف فرمادے۔اسلئے کہ تو ہی تمام مشکلات کا حل فرمانے والا (اور تو) ہی (بہتر فاتح) اور عقدہ کشا (ہے) ۔۔نیز۔۔ جملہ امور کا فیصلہ فرمانے والا ہے، تو ہمارے مابین بھی فیصلہ فرمادے تاکہ ہمارا انجام بخیر ہو، اور ہماری حقانیت واضح ہوجائے اور انکا انجام بربادی ہو، اور انکا بطلان واضح ہوجائے۔

جب کفر پر بضد ہونے والے لیڈروں نے شعیب علیہ السلام اور انکے پیروکاروں کو ایمان پر ثابت قدم اور پختہ عزم دیکھا، تو انھیں خوف ہوا کہ یہ استقامت اور دین حق کی پختگی دوسرے لوگوں کو بھی انکے دین حق کو قبول کرنے پر مجبور کردیگی، تو انھوں نے اپنی کافر قوم کو شعیب علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے قسم کھاکر، تاکیدی طور پر کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا

اور بولے چودھری لوگ ان کی قوم کے جنھوں نے کفر کیا تھا، "کہ اگر تم لوگ کہا مانا کئے شعیب کا،

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

تو بیشک اس وقت تو تم بھی گھاٹے میں رہوگے"●

(اور بولے چودھری لوگ انکی قوم کے جنھوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم کہا مانا کئے شعیب کا) اور اپنے دین کو چھوڑ کر انکے دین کو قبول کرلیا، **(تو بیشک اس وقت تو تم بھی گھاٹے میں رہوگے)**۔یعنی تمہیں دو طرح کا گھاٹا ہوگا، ایک تو یہ ہے کہ تمہیں اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنا ہوگا، اور دوسرے یہ کہ دنیوی کاروبار میں بھی تمہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑیگا، اسلئے کہ حضرت شعیب ناپ تول میں کمی بیشی کی اجازت تمہیں نہیں دینگے اور پھر تمہارا کاروبار اسکے بغیر نہیں چل سکے گا۔۔بنابریں۔۔معاملات کمزور پڑ جائینگے تو تمہارا خسارہ ہوگا۔

۔۔المختصر۔۔جب حضرت شعیب کی قوم نے انکی نصیحت نہیں سنی اور کفر وخیانت سے باز نہ آئے۔۔۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

تو دبوچا ان کو زلزلہ نے، تو رہ گئے اپنے گھر میں منہ کے بل پڑے●

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

جنھوں نے جھٹلایا تھا شعیب کو، جیسے بسے ہی نہ تھے اس میں۔ جنھوں نے جھٹلایا

شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

شعیب کو وہ لٹ گئے●

(تو دبوچا انکو زلزلے نے)، یعنی ابتداءً انکی زمین کو زلزلہ آیا اور سخت گرمی پھیل گئی اور دوسری جانب ایک بادل نمودار ہوا، اس بادل سے ٹھنڈک لینے کیلئے دوڑ پڑے اور جب سب اسکے نیچے آگئے، تو وہ بادل برسنے لگا اور اُدھر جبرائیل علیہ السلام نے سخت قسم کی چیخ ماری، (تو) صبح (رہ گئے اپنے) اپنے (گھر) کے قریب اپنے شہر (میں) مذکورہ بالا سایے کے نیچے (منہ کے بل پڑے)، یعنی زمین پر جسم بے جان اوندھے گر پڑے وہ لوگ۔۔۔

(جنھوں نے جھٹلایا تھا شعیب کو جیسے بسے ہی نہ تھے اس میں)۔۔الحاصل۔۔(جنھوں نے جھٹلایا شعیب کو وہ لٹ گئے)۔ دنیا میں جان و مال سے ہاتھ دھولیا اور آخرت میں ثواب سے محروم ہوگئے، بلکہ آخرت کا عذاب اپنے اوپر لازم کرلیا۔۔المختصر۔۔حضرت شعیب نے جب اپنی نافرمان قوم کے اوپر عذاب کے آثار دیکھے، تو اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کیا۔۔۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ

تو شعیب ان سے ہٹ گئے، اور کہا کہ "اے قوم بیشک میں نے تو پہنچا دیا تم کو اپنے پروردگار کے پیغام اور

نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

خیر خواہی کی تمہاری۔ پھر میں کس طرح افسوس کروں کافر قوم پر"●

(تو شعیب ان سے ہٹ گئے) اور کافروں سے منہ پھیر لیا (اور) حسرت کی راہ سے (کہا کہ اے قوم بیشک میں نے تو پہنچا دیا تم کو اپنے پروردگار کے پیغام اور خیر خواہی کی تمہاری)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بات حضرت شعیب نے اپنی قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد انکی روحوں کو مخاطب فرما کر کہا ہو۔۔جس طرح۔۔آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں کفار کے مقتول سرداروں سے 'جو ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے' خطاب فرمایا تھا۔ اسکے بعد حضرت شعیب نے اپنی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا، کہ جب میں نے خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔۔تو۔۔۔

ع ۱۱ ۹

(پھر میں کس طرح افسوس کروں کافر قوم پر) جس نے میری تصدیق نہ کی۔
پھر حق تعالیٰ بعضے اگلی امتوں کے قصے اور انبیاء کرام کی تکذیب کی وجہ سے انکے ہلاک ہونے کا حال بیان فرما کر، کفارِ قریش کو دھمکاتا ہے اور خوف دلاتا ہے۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ
اور نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی، مگر یہ کہ گرفتار کیا اس کے رہنے والوں کو ناداری
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾
و بیماری میں، کہ وہ گڑگڑائیں●

(اور) فرماتا ہے کہ (نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی، مگر یہ کہ گرفتار کیا اسکے) ان (رہنے والوں کو) جنھوں نے اس پیغمبر کی تکذیب کی ہو (ناداری و بیماری میں)۔ ان پر تنگی، سختی، ناداری اور بیماری وغیرہ اسلئے مسلط کی گئی، تا (کہ وہ گڑگڑائیں) یعنی عاجزی کریں اور نصیحت مان کر اپنے نبی کی تصدیق کریں، تاکہ ان پر سے بلا دفع کر دی جائے۔۔۔اور جب وہ بلا اور زحمت کے سبب سے متنبہ نہ ہوئے، تو ہم نے انھیں مالداری اور راحت میں مبتلا کیا، اور پھر اسطرح انکی آزمائش کی۔۔۔چنانچہ۔۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ
پھر بدل دیا ہم نے خرابی کی جگہ خوبی کو، یہاں تک کہ بھرپور ہوگئے، اور بولے کہ ہوتی رہی ہے ہمارے
اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾
باپ دادوں کو بھی ناداری و بیماری، تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک، اور وہ بے خبر ہیں●

(پھر) انکے لئے (بدل دیا ہم نے خرابی کی جگہ خوبی کو، یہاں تک کہ بھرپور ہوگئے) یعنی مال وعیال دونوں کی فراوانی ہوگئی۔ ایسی صورت حال میں شکر گزار ہونے کی جگہ وہ ناشکری پر اتر آئے، (اور بولے کہ ہوتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی ناداری و بیماری)، یعنی اگلے زمانے میں بھی کبھی قحط ہوتا تھا کبھی ارزانی، کبھی صحت ہوتی تھی کبھی بیماری، کبھی غم ہوتا تھا کبھی خوشی۔ یہ کچھ کفر اور ایمان کے سبب سے نہیں ہے، تو ہم جس طریق پر ہیں اسی پر رہتے ہیں۔ جب اس قوم نے ناشکری اور کفر پر

مضبوطی اور پائداری اختیار کی، (تو پکڑا ہم نے انکو اچانک اور) اس حال میں کہ (وہ) عذاب نازل ہوجانے سے (بے خبر ہیں)۔ اور یہ حسرت اسکی بہ نسبت بہت بڑی ہے، کہ پہلے سے عذاب کے آثار دیکھ لئے ہوتے، اور سمجھ گئے ہوتے، کہ ہم پر عذاب نازل ہوا چاہتا ہے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر آبادیوں والے مان جاتے اور ڈر جاتے، تو ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

وزمین کی۔ لیکن انھوں نے جھٹلایا، تو ہم نے گرفتار کرلیا سزا میں جو وہ کمار ہے تھے●

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾

تو کیا بچاؤ پاگئے آبادیوں والے؟ کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سورہے ہیں●

(اور اگر) کاش ایسا ہوتا، کہ وہ (آبادیوں والے) جن پر عذاب نازل ہوا۔۔یا۔۔مکہ اور اسکے آس پاس کے کفار (مان جاتے)، اپنے پیغمبروں پر ایمان لاتے (اور ڈر جاتے)، یعنی اپنے کو شرک اور نبی کی تکذیب سے بچاتے، (تو ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان وزمین کی)۔ آسمان سے رحمت کی بارش برساتے اور زمین کو زرخیز بنادیتے، (لیکن انھوں نے جھٹلایا، تو ہم نے گرفتار کرلیا) ان کو کفر و معاصی کی (سزا میں، جو وہ کمار ہے تھے)۔

آیت مذکورہ کا یہ بھی معنی بتایا گیا ہے، کہ:

اگر بندے باور کرتے میرے وعدے، اور بچتے میرے حکم کی مخالفت سے، اور ڈرتے میری دھمکی سے، تو انکے دلوں کو اپنے مشاہدے کے نور سے ہم روشنی دیتے، یہ انکے لئے آسمان کی برکت ہوتی۔ اور انکے جوارح واعضاء کو اپنی خدمت سے ہم آراستہ کردیتے، انکے لئے یہ زمین کی برکت ہوتی۔۔۔اے محبوب! انبیاء سابقین کے امتیوں پر انکے کفر ونافرمانی کے سبب جو عذاب الٰہی نازل ہوتے رہے، انکے واقعات سن لینے کے بعد بھی یہ کفار، مکہ وغیرہ کے، کس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اور کیوں نہیں ان سے سبق حاصل کرکے دین حق کو قبول کرلیتے۔۔۔

(تو کیا بچاؤ پاگئے) مکہ اور اسکے آس پاس کی (آبادیوں والے؟ کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب رات کو، اور وہ سورہے ہیں) اور انھیں غفلت کی وجہ سے اس عذاب کا شعور بھی نہ ہو۔۔یونہی۔۔

اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾

کیا بچاؤ پا گئے آبادیوں والے؟ کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیل میں لگے ہیں●

(کیا بچاؤ پا گئے) مذکورہ بالا (آبادیوں والے، کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے) بوقت چاشت (اور) اس حال میں کہ (وہ کھیل میں لگے ہیں) یعنی فرط غفلت میں منہمک ہیں، کہ اس سے انکا نہ دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی۔۔۔یا۔۔۔وہ ایسے امور میں مشغول ہیں کہ اُن سے انھیں کسی قسم کا فائدہ نہیں، اسلئے کہ جو آخرت کے معاملہ سے روگرداں ہو کر دنیوی امور میں منہمک ہو جائے، وہ فضول کھیل میں مشغول ہونے والے کی طرح ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو پیغمبروں کی تکذیب کرتا ہے اُسے عذاب الٰہی سے بے خوف نہ رہنا چاہئے، کسی وقت بھی وہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا، دن میں یا رات کو۔ اب اگر کافروں اور نافرمانوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی عارضی راحت مل جائے، تو وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے آزاد ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ڈھیل ہے جسکا علم بندے کو نہیں ہو پاتا۔۔تو۔۔

اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾

کیا مطمئن ہو گئے اللہ کی ڈھیل سے؟ تو اللہ کی ڈھیل سے مطمئن نہیں ہوتے، مگر تباہ ہو جانے والی قوم●

(کیا مطمئن ہو گئے اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے)، یعنی اسکی ناگہانی پکڑ سے، (تو) سن لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے مطمئن نہیں ہوتے، مگر تباہ ہو جانے والی قوم)۔۔۔المختصر۔۔۔مجرم و گنہگار لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہوتے ہیں۔ صرف انبیاء کرام ہی ہیں جو ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں، اسی لئے ان سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا۔ پہلے والوں کے حالات و واقعات سن کر بعد والوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔۔تو۔۔

اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ

کیا نہ سوجھا انھیں جو وارث ہوئے زمین کے وہاں والوں کے بعد، کہ اگر ہم چاہیں تو

أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور مصیبت ڈال دیں ان کے گناہوں پر۔ اور چھاپ لگادیں ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہ سنیں●

(کیا نہ سوجھا انھیں جو وارث ہوئے زمین کے، وہاں والوں کے بعد) یعنی ان امتیوں کے بعد جو پہلے اس زمین کے مالک تھے اور پھر عذاب الٰہی نے انھیں فنا و برباد کر دیا، تو اس زمین کی وارث انکی بعد میں آنے والی نسل ہوئی، تو ان نسل والوں کو اپنے اجداد اور انکے کفر و معاصی کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی کے واقعات کو معلوم کرنا چاہیے، اور معلوم ہو جانے کے بعد ان سے عبرت حاصل کر کے انکی راہ سے اپنے کو الگ کر لینا چاہیے۔ مگر انکا حال عجیب ہے، کہ پیغمبروں کی زبانی ان سب کی تباہی کے حالات سے باخبر ہونے کے باوجود، یہ انھیں کے طریقے پر چل پڑے ہیں۔

یہ اتنا بھی نہیں سوچتے (کہ اگر ہم چاہیں تو اور مصیبت ڈالدیں انکے گناہوں پر اور چھاپ لگادیں انکے دلوں پر، تو وہ) ایسے بہرے ہو جائیں کہ (کچھ نہ سنیں) فہم اور عبرت کی رو سے دل پر مہر ہونے کے سبب سے۔ اس واسطے کہ اگر دل کھلا ہوا ہے، تو جو کچھ آدمی سنتا ہے اُسے سمجھ لیتا ہے، تو کلام حق سننے سے دل کا کان فائدہ رکھتا ہے۔ یہ آب و گل کا کان نہیں۔ سن کر قبول کر لینا، یہ دل کے کان کی خصوصیت ہے۔ یہ شہر جو اگلی امتوں کی طرف منسوب تھے، جیسے احقاف، حجر، موتفکات وغیرہ۔۔۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

یہ آبادیاں ہیں کہ بتاتے ہیں ہم تم کو ان کے واقعات۔ اور بیشک آئے انکے پاس انکے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ

رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ تو وہ کبھی نہ ہوا کہ مان جاتے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۰۱﴾

اسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر●

(یہ) وہ (آبادیاں ہیں کہ بتاتے ہیں ہم تم کو انکے واقعات اور) انکے تعلق سے بعض خبریں، کہ (بیشک آئے انکے پاس انکے رسول) یعنی ہود، صالح و لوط اور شعیب علیہم السلام (روشن دلیلوں کے ساتھ)، یعنی ایسے معجزات کے ساتھ جن سے انکی رسالت و نبوت کی صداقت کی واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے اور جو امتوں کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے روشن دلائل کے آجانے کے بعد،

اب تو چاہیے تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے۔

مگر حقیقت (تو) یہ ہے کہ (وہ کبھی نہیں ہوا کہ مان جاتے) اور اپنے رسولوں کے اس پیغام پر ایمان لاتے (جسکو) اُنکے مورثین ان سے (پہلے جھٹلا چکے تھے) اور پھر یہ اُسی تکذیب پر قائم اور اپنے مورثین کی کارکردگی پر راضی رہے۔۔ الحتصر۔ کفر پر مضبوط ہونے اور دلوں پر مہر لگی ہونے کے سبب سے، ان میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہ گئی۔۔ الحاصل۔۔ جس طرح کی سخت مہریں اگلے کافروں کے دلوں میں تھیں (اسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (کافروں کے دل پر)۔

یہاں کافروں سے مراد بنیادی طور پر وہ کفار قریش ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ یہ ایمان نہ لائینگے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور نہیں پایا ہم نے ان کے اکثر میں کوئی بات کی پختگی۔ اور ہاں پایا ہم نے ان کے اکثر کو بے کہے والے●

(اور) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (نہیں پایا ہم نے ان) اگلی امتوں (کے اکثر میں کوئی بات کی پختگی) یعنی کسی بھی عہد کو پورا کرنے کا مضبوط حوصلہ اور پختہ ارادہ، خواہ وہ عہد میثاق ہو، جسے میثاق کے دن انھوں نے باندھا تھا۔۔یا۔۔ وہ عہد جو خوف و مضرت کے وقت کرتے تھے، کہ اگر ہم نجات پا جائینگے تو ایمان لائینگے (اور) اسکے برخلاف (ہاں پایا ہم نے انکے اکثر کو بے کہے والے) صرف اپنی من مانی کرنے والے اور اپنے عہد و پیمان کو باآسانی توڑ ڈالنے والے۔۔ بایں ہمہ۔۔ ہمارا فضل عظیم دیکھو ہم نے انکی طرف ہدایت دینے والوں کے بھیجنے کا سلسلہ منقطع نہیں کر دیا۔۔ بلکہ۔۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

پھر بھیجا ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو، ہماری نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے گروہ کی طرف، تو انھوں نے

فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾

اندھیر مچایا ان نشانیوں کے ساتھ، تو دیکھ لو کہ کیا ہوا انجام فسادیوں کا●

(پھر بھیجا ہم نے ان سب) مذکورہ بالا پیغمبروں (کے بعد موسیٰ) بن عمران (کو ہماری نشانیوں کے ساتھ) یعنی ان معجزوں کے ساتھ جو ہم نے انھیں عطا کیے تھے (فرعون) یعنی قابوس۔۔یا۔۔ ولید

بن مصعب بن ریان (اور اسکے گروہ) کے بڑے لوگوں (کی طرف)۔

خیال رہے کہ فرعون، شاہِ مصر کا لقب تھا۔۔۔جیسے کہ قیصر، شاہِ روم کا۔۔کسریٰ، شاہِ فارس کا۔۔خاقان، شاہِ چین کا۔۔۔اور تبع، شاہِ یمن کا لقب رہا۔۔المختصر۔۔حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو انکی طرف مبعوث فرمایا۔۔۔

(توانھوں نے) انکے معجزات کو دیکھنے اور اسکی اعجازی شان کو سمجھ لینے کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لیا اور (اندھیر مچایا ان نشانیوں کے ساتھ) اور انھیں جادو قرار دیکر ان کو حضرت موسیٰ کی رسالت کی دلیل قرار دینے سے انکار کر بیٹھے۔اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جن جادوگروں کو انھوں نے حضرت موسیٰ سے مقابلے کیلئے اکٹھا کیا تھا، وہ سب کے سب علانیہ مومن ہوگئے، اسپر بھی فرعونیوں کی آنکھ نہ کھلی اور وہ اپنی کافرانہ ضد پر قائم رہے۔(تو) اے دیکھنے والو (دیکھ لو کہ کیا ہوا انجام فسادیوں کا)۔یہی نا، کہ سب کے سب دریا میں غرق کردیئے گئے۔

اس تعلق سے حضرت موسیٰ کے واقعات کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت موسیٰ جب مصر سے چلے، تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انکی بیٹی صفورا کو اپنے عقدِ نکاح میں لائے، پھر مصر جانے کا ارادہ کیا، اور اثنائے راہ میں وادیِ ایمن میں پیغمبری کے منصب پر فائز ہوئے، اور عصا اور ید بیضاء کے معجزے کے ساتھ مخصوص ہوئے، اور حق تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ مصر میں جائیں اور فرعون کو راہِ خدا کی طرف بلائیں اور اُسے تکبر اور دعویٰ خدائی سے منع کریں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ایک مدت کے بعد جب فرعون سے ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے راہِ خدا کی طرف اُسے بلانا شروع کردیا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يَٰفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿١٠٤﴾

اور کہا موسیٰ نے "اے فرعون میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا●

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم

میرا فرض ہے کہ نہ بولوں اللہ پر مگر ٹھیک بات۔ بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس

بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٠٥﴾

دلیل کے ساتھ تمہارے پروردگار کی، تو چھوڑ دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو"●

(اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا)، (میرا فرض ہے کہ نہ بولوں اللہ) تعالیٰ (پر مگر ٹھیک) اور سچی (بات)۔ اس صورت میں تیرا بھی یہ فرض بنتا ہے، تو بھی مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول مان کر میری تصدیق کر۔ تو یہ غور سن! کہ (بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس دلیل کے ساتھ تمہارے پروردگار کی)۔ یہ کھلا ہوا اور بالکل ظاہر معجزہ میری رسالت کی صحت پر گواہ ہے، تو تم میری رسالت پر ایمان لاؤ اور مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول مان کر میری ہدایات پر عمل کرو، اور اپنی کبریائی کے دعوے سے باز آؤ، اور یہ جو تم نے اولادِ یعقوب کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان کو آزاد کردو، تاکہ وہ اپنے آباء واجداد کے وطن، یعنی ارضِ مقدسہ کی طرف واپس ہوجائیں۔۔ الحتصر۔۔ جب یہ صورت حال ہے کہ وہ تمہاری غلامی میں رہنا نہیں چاہتے، (تو چھوڑ دے) اور آزاد کردے (میرے ساتھ بنی اسرائیل) یعنی اولادِ یعقوب (کو)، تاکہ میں انھیں انکے آبائی وطن تک پہنچادوں۔

اس سلسلے میں اولادِ یعقوب کے تعلق سے واقعات کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب حضرت یعقوب اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ مصر آئے، تو وہیں رہے اور انکی اولاد بہت ہوئی۔ حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور انکے سارے بھائی انتقال فرماگئے اور حضرت یوسف کے دور کا فرعون ملک ریان بھی انتقال کرگیا، تو اسکا بیٹا مصعب تخت نشین ہوا، جو بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کرتا تھا۔ جب اس پر بھی موت طاری ہوگئی، تو حضرت موسیٰ کے زمانے کا فرعون ولید تختِ سلطنت پر بیٹھا۔۔ اور۔۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔۔۔ یعنی میں تمہارا بلند و برتر رب ہوں۔

کی آواز بلند کی۔ بنی اسرائیل نے اسکا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا، تو فرعون بولا کہ تمہارے باپ ہمارے بزرگوں کے زرخرید غلام تھے، تو تم سب میرے غلام زادے ہو۔۔ چنانچہ۔۔ اسلئے انھیں غلام بنالیا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے اور یہ بات کہی کہ اے فرعون بنی اسرائیل سے ہاتھ کھینچ، تاکہ اپنے باپ دادوں کے وطنوں میں چلے جائیں۔۔ الحتصر۔۔ حضرت موسیٰ کی بات سننے کے بعد۔۔۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وہ بولا "کہ اگر کوئی نشانی لے کر آئے ہو، تو اس کو لاؤ، اگر سچے ہو"

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تو ڈال دیا اپنے عصا کو، تو اسی وقت وہ صاف اژدہا ہے●

(وہ) یعنی فرعون (بولا کہ) اپنی رسالت کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے (اگر کوئی) معجزہ یعنی (نشانی لے کر آئے ہو، تو اسکو لاؤ) اور ظاہر کر دو (اگر سچے ہو) اس بات میں کہ تم پروردگارِ عالم کے رسول ہو۔ حضرت موسیٰ نے جب فرعون کا یہ مطالبہ سنا۔۔۔

(تو ڈال دیا) اسکے سامنے زمین پر (اپنے عصا کو، تو اسی وقت) سب نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ (وہ صاف اژدہا ہے)، ایسا کہ کسی کو بھی اسکے اژدھا ہونے میں شک نہ رہا۔ اور وہ بھی ایسا اژدھا کہ اسکے دونوں جبڑوں میں اسی [۸۰] گز کا فاصلہ تھا۔ اژدھے نے نیچے کا لب زمین پر رکھا اور اوپر کا لب فرعون کے محل کے کنگرے پر، اور اسکے تخت کی طرف رخ کیا۔ یہ دیکھ کر اسکے نوکر سب بھاگ گئے اور خود فرعون بھی بھاگا۔ اس بھاگم بھاگ پر تقریباً پچیس [۲۵] ہزار لوگ ہلاک ہوگئے، اور فرعون چلا پڑا کہ اے موسیٰ، میں تجھے اُسی خدا کی قسم دیتا ہوں جسکا تو رسول ہے، کہ اپنا عصا اٹھا لے، میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے حوالے کر دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰ نے اژدھے کی گردن پکڑی، تو وہ وہی عصا ہوگیا۔ فرعون آ کر پھر اپنے تخت پر بیٹھا اور حضرت موسیٰ سے بولا، کہ کیا اسکے سوا کوئی اور معجزہ بھی تو رکھتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، ہاں! پھر اپنا داہنا ہاتھ گریبان میں بائیں بغل کے نیچے لے گئے۔۔۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو خود بخود روشن ہے، ہر دیکھنے والے کی نظر میں●

(اور) پھر جیسے ہی (اپنا ہاتھ نکالا، تو) اس ہاتھ کی یہ شان نظر آئی کہ (خود بخود روشن ہے)، ایسا سفید کہ اسکی سفیدی کمالِ مرتبہ پر تھی اور نہایت نورانیت کے ساتھ (ہر دیکھنے والے کی نظر میں)۔

۔۔اولاً: حضرت موسیٰ نے اپنا داہنا ہاتھ فرعون کو دکھایا پھر گریبان میں ڈال کر نکالا، تو اس قدر سفید نورانی تھا کہ زمین سے آسمان تک اس سے روشن ہوگیا، پھر گریبان میں ڈال کر نکالا تو جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔ الغرض۔۔فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ کر اپنی قوم کے شریف لوگوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب میں مشورہ کیا۔۔تو۔۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾

بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے" کہ بیشک یہ ضرور جادوگر اور جادو کی وڈیا والے ہیں●

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہارے ملک سے، تو کیا مشورہ دیتے ہو"●

(بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، کہ بیشک یہ ضرور جادوگر اور جادو کی وڈیا والے ہیں) اور جادوگری کے فن میں ایسے ماہر ہیں کہ لکڑی کو اژدھا بنا دیتے ہیں، اور گندم گوں ہاتھ کو ید بیضاء کر کے نکالتے ہیں، اور یہ (چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہارے ملک سے) اور پھر مصر کی حکومت بنی اسرائیل کو دیدیں۔ یہ سن کر فرعون نے کہا کہ جب صورت حال یہ ہے (تو کیا مشورہ دیتے ہو) اس تعلق سے؟ اب مجھے کیا تدبیر کرنی چاہئے؟۔۔۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

سب نے کہا" کہ ان کو اور انکے بھائی کو روک لو، اور تمام شہروں میں دوڑ والوں کو بھیج دو●

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾

کہ لے آئیں تمہارے پاس سارے جادوگر منتریوں کو"●

(سب نے کہا کہ ان کو اور انکے بھائی کو روک لو)، یعنی عجلت سے کام نہ لو اور اگر قتل کا ارادہ ہو تو ابھی قتل نہ کرو، بلکہ انھیں قید کر لو کہ کہیں جا نہ سکیں، (اور) پھر ایسا کرو کہ مصر کے (تمام شہروں میں دوڑ والوں کو بھیج دو کہ) وہ اکٹھا کر کے جلد از جلد (لے آئیں تمہارے پاس سارے جادوگر منتریوں کو)۔ اسطرح مقابلے کے بعد سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ بھی جادوگروں کی طرح ایک جادوگر ہی ہیں۔۔الغرض۔۔ اس مہم کو انجام دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ اس میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے، تو کچھ حرج نہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ مصر کا ایک علاقہ تھا جسکو صعید کہا جاتا تھا، جسکی لمبائی پندرہ دن کی راہ تھی، جو بہت سارے شہروں پر مشتمل تھا۔ اس زمانے میں اس خطے میں جادوگروں کے سردار رہا کرتے تھے۔ انھیں میں دو بھائی ایسے تھے، جو جادو میں یکتا تھے اور انھیں فن سحر پر پورا پورا عبور تھا۔ المختصر۔ فرعون نے اپنی قوم کے چودھریوں کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے، اس تجویز پر عمل کرنے کا حکم دیدیا۔

۔۔چنانچہ۔۔اس کام کیلئے جس گروہ کو تیار کیا گیا، وہ جادوگروں کو اکٹھا کر کے لانے کیلئے صعید کی طرف نکل گیا اور وہاں کے جادوگروں کو فرعون کا پیغام پہنچایا۔۔چنانچہ۔۔جب مذکورہ بالا دو بھائیوں کے پاس فرعون کا پیغام پہنچا، تو وہ اپنی ماں سے کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے باپ کی قبر پر لیجایئے، تاکہ ہم ان سے مشورہ لے لیں۔۔الغرض۔۔دونوں باپ کی قبر پر پہنچ کر عرض کرنے لگے، کہ فرعون کے دربار میں دو ایسے آدمی آئے ہیں جنھوں نے اس پر زمین تنگ کر دی ہے، انکے پاس ایک عصا ہے جسے وہ سانپ بنا دیتے ہیں، جو شے اسکے آگے آتی ہے اُسے کھا جاتا ہے، بتایئے کہ ہم اسکا مقابلہ کریں۔۔یا۔۔نہ کریں۔قبر سے آواز آئی کہ وہاں پہنچ کر معلوم کرنا، کہ وہ عصا انکی نیند کے وقت بھی اژدھا ہو جاتا ہے۔۔یا۔۔نہیں۔ اگر نیند کے وقت بھی سانپ ہو جاتا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ جادو نہیں، اسلئے کہ جادوگر کا جادو خواب کے وقت جاری نہیں ہوسکتا۔

۔۔الختصر۔۔اکٹھا کرنے والوں کی محنت سے مذکورہ بالا دونوں بھائی اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے ساتھ 'جن کی تعداد ایک روایت کے حساب سے بارہ[۱۲] ہزار اور ایک دوسری روایت کے حساب سے ستر[۷۰] ہزار تھی' مصر آگئے۔مصر میں آنے کے بعد جب دونوں بھائیوں نے اپنے باپ سے سوال وجواب کی کیفیت اپنے لوگوں سے کہی، تو انھوں نے حضرت موسیٰ کے سونے اور جاگنے اور عصا کے اژدھا ہونے کا حال بذات خود دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جب سوتے ہیں، تو عصا اژدھا ہو کر انکی پاسبانی کرتا ہے۔اس بات سے ان جادوگروں کو بڑا تردد ہوا اور انکے دلوں میں دغدغہ پیدا ہو گیا، مگر انھوں نے اس حال کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا اور یہ بات قرار پائی کہ ساحروں سے مقابلہ کریں۔۔چنانچہ۔۔مقابلے کی مجلس کا انتظام ہوا۔۔۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور آگئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس، بولے "کہ بیشک ہمیں انعام ملے اگر ہم جیت گئے"●

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ

بولا "ہاں۔اور تم پھر ہمارے مقرب ہو"● بولے "اے موسیٰ یا تم ڈالو

وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ۝۱۱۵

یا یہ ہو کہ ہم ڈالیں"●

(اور آگئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس) میدان میں اپنے ساتھ لاٹھیوں اور رسیوں کو لئے ہوئے اور فرعون اپنے تخت پر بخوشی بیٹھا۔۔نیز۔۔مصر کے لوگ تماشہ دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔

بارہ[۱۲] ہزار۔۔یا۔۔ستر[۷۰] ہزار ساحروں نے ایک طرف صف باندھی اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ایک جانب کھڑے ہوئے۔جادوگر ادب کے ساتھ پیش آئے اور انبیاء کرام کی بارگاہ میں یہی انکا ادب سے پیش آنا انکے ایمان کی تمہید بن گیا۔۔چنانچہ۔۔بالآخر وہ سب کے سب ایمان والے ہو گئے۔

ابتداءً چونکہ چند کو چھوڑ کر تمام جادوگروں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا، تو جب فرعون سے انکا آمنا سامنا ہوا تو (بولے)، کہ ہم اسکے آرزومند ہیں (کہ بیشک ہمیں انعام ملے اگر ہم جیت گئے)۔اسپر فرعون (بولا ہاں) ضرور تمہیں انعام دیا جائیگا (اور) وہ بھی کوئی معمولی انعام نہیں، بلکہ (تم) تو (پھر ہمارے مقرب ہو) جاؤ گے۔جب چاہنا بے روک ٹوک میرے پاس چلے آنا۔الختصر۔۔یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد ساحروں کے سردار مؤدبانہ طور پر حضرت موسیٰ سے۔(بولے اے موسیٰ! یا تم ڈالو) اپنا عصا (یا یہ ہو کہ ہم ڈالیں) اپنی رسیاں اور لکڑیاں۔نبی کی اجازت کا پاس ولحاظ کرنا ظاہر کر رہا ہے، کہ انکی فیروز بختی کے دروازے کھلنے والے ہیں۔انکی اجازت طلبی کے بعد حضرت موسیٰ نے ان سے۔۔۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

کہا، "تم لوگ ڈالو"۔ تو جب ڈالا، جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان سب کو ڈرا دیا،

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۝۱۱۶

اور بڑا جادو کر لائے●

(کہا) کہ اچھا، پہلے (تم لوگ) ہی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو (ڈالو)، یعنی جو تمہیں کرنا ہو کر لو۔اگر تم حق پر ہو، جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔تمہارے کرتب سے میرا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ اس سے میرے معجزے کی شان اور بھی دوبالا ہو جائے گی۔(تو جب ڈالا)، ایسا لگا کہ (جادو کر دیا) اور ایک خیالی بے حقیقت چیز سے 'جسکی کوئی اصلیت نہیں' دھوکا دے دیا (لوگوں کی آنکھوں کو اور) اپنے

اس کرتب سے (ان سب کو ڈرادیا) اور سارے حاضرین لرزہ براندام ہو گئے۔ انھیں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے۔

حالانکہ صحیح صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے بڑی اور موٹی رسیاں جمع کیں اور انکے ساتھ بڑی اور موٹی لکڑیاں بھی، وہ دور سے ایسا محسوس ہوئیں کہ گویا وہ بڑے اور موٹے سانپ ہیں۔ پھر انھوں نے ان رسیوں کو سیاہ تیل سے لت پت کر دیا۔۔ نیز۔۔ لمبی لمبی لکڑیاں اندر سے خالی کر کے سب میں پارہ بھر دیا۔ جب آفتاب کی گرمی ان میں پہنچی تو پارہ ہلا اور رسیاں اور لکڑیاں باہم لپٹنے لگیں۔ چونکہ وہ کثیر تھیں، اسی لئے لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے اختیار سے متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹ رہی ہیں اور گویا وہ میدان سانپوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے ہاتھ کے کھیل سے ایک کرشمہ دکھایا تھا۔۔ المختصر۔۔ جادوگروں نے انکے ڈرانے پر جتنا زور لگانا تھا لگا دیا۔

(اور) بہ گمان خود (بڑا جادو کر لائے) اور بہت بڑی کرتب بازی کا مظاہرہ کیا۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور وحی فرمادی ہم نے موسیٰ کی طرف، "کہ ڈال دو اپنا عصا" تو وہ اسی وقت نگلے جا رہا ہے ان کی گڑھنت کو●

اسکے بعد اجازت دیدی (اور وحی فرمادی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ) اب تم بھی (ڈال دو اپنا عصا)۔ جیسے ہی انھوں نے اپنا عصا زمین پر ڈالا (تو وہ) اژدھا بن کر (اسی وقت) صاف دکھائی دیا کہ (نگلے جا رہا ہے انکی گڑھنت کو)۔۔ الغرض۔۔ وہ عصا جادوگروں کی بناوٹی چیز کو نگلنے لگا، یہاں تک کہ جادوگروں کی ساری لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔ پھر وہ تماشائیوں بلکہ خود جادوگروں کی طرف متوجہ ہو گیا، تو وہ سب ڈر کے مارے بھاگے اور جلدی میں ایک دوسرے پر گرے اور اسطرح ہزاروں کی تعداد میں مر گئے۔

مرنے والوں کی صحیح تعداد کا علم رب علیم و خبیر ہی کو ہے۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو پھر عصا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکی سانپ والی ہیئت کو مٹا دیا۔۔ یا۔۔ اسکے غلیظ اجزاء کو لطیف ترین بنا دیا۔ جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر فیصلہ کیا، کہ اگر یہ عصا بھی جادو ہوتا، تو اسکے ختم ہو جانے کے بعد ہماری رسیاں اور ڈنڈے باقی بچ جاتے۔۔ الغرض۔۔ عصائے موسوی کا اپنی حقیقت کو بدل کر حقیقی معنوں میں سانپ ہو جانا

اور ہے۔۔اور۔۔جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا اپنی حقیقت پر رہتے ہوئے سانپ نظر آنا، یہ اور ہے۔ان دونوں میں پہلا معجزہ ہے اور دوسرا کرشمہ اور فریبِ نظر ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَ

تو حق ہوکر رہا اور ملیامیٹ ہوگیا جو وہ کرتے تھے● تو ہار ہوگئی ان کی وہاں، اور

انْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ﴿۱۲۰﴾

پلٹے ذلیل● اور ڈال دیئے گئے جادوگر لوگ سجدہ کرتے ہوئے●

(تو) دیکھ لیا کھلی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے، کہ (حق ہوکر رہا)۔یعنی حق کی حقانیت ثابت ہوکر رہی۔۔نیز۔۔حضرت موسیٰ اپنے اس دعویٰ میں سچے ثابت ہوگئے، کہ وہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے رسول ہیں۔(اور ملیامیٹ ہوگیا) حق کو دبانے کیلئے (جو وہ کرتے تھے)۔۔الغرض۔۔انکا سارا کرتب رسوا ہوگیا۔(تو) واضح طور پر (ہار ہوگئی انکی وہاں)، یعنی تماشہ گاہ میں۔(اور) وہ سب (پلٹے) یعنی ہوگئے (ذلیل) اور متحیر (اور ڈالدیئے گئے جادوگر لوگ) زمین پر حضرت موسیٰ وہارون کے رب کے حضور (سجدہ کرتے ہوئے)۔حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھنے کے بعد انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہونے کی ایسی جلدی کی، کہ لگا جیسے وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑے ہوں ۔۔یا۔۔ایسا لگا کہ جیسے کسی نے انھیں جبراً گرادیا ہو، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ انھیں حق نے حیران کردیا اور وہ سجدہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔۔الغرض۔۔

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ ﴿۱۲۲﴾

سب نے کہا، کہ "ہم مان گئے پروردگارِ عالم کو"● پروردگار موسیٰ وہارون کا●

(سب نے) بیک زبان (کہا کہ ہم مان گئے پروردگارِ عالم کو) اور پھر فوراً ہی یہ وضاحت کردی، کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہماری مراد فرعون نہیں ہے، جو خود کو رب العالمین سمجھتا ہے، بلکہ رب سے مراد ہماری وہ ہے، جو (پروردگار) ہے (موسیٰ وہارون کا) اور جسکی ربوبیت والوہیت کی دعوت حضرت موسیٰ وہارون پیش کررہے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فوراً حضرت ہارون کے ذکر میں یہ حکمت ہے، کہ اگرچہ

فرعون نے حضرت موسیٰ کی تربیت کی ہے، لیکن حضرت ہارون کبھی بھی اسکے زیر تربیت نہیں رہے۔ تو رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ کا اطلاق فرعون پر ظاہری طور پر بھی نہیں ہوسکتا، تو اس سے مراد رب تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہوگی۔ فرعون اس صورت حال کو دیکھ کر بوکھلا گیا اور اپنے گمانِ فاسد کی بنیاد پر بک جھک کرنے لگا۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

بولا فرعون "کہ تم نے مان لیا، اس کے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بیشک یہ سب ضرور فریب ہی فریب ہے، جو تم نے کر رکھا ہے

فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ

شہر میں، تاکہ نکال دو شہر والوں کو اس سے، تو جلد تم جان لوگے● ضرور میں کاٹ لوں گا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

تمہارے ایک طرف کے ہاتھ، اور ایک طرف کے پاؤں، پھر تم سب کو سولی دے دوں گا"●

(بولا فرعون) جادوگروں سے (کہ تم نے مان لیا) اور حضرت موسیٰ کی رسالت اور انکی صداقت پر ایمان لے آئے، اور وہ بھی (اسکے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں)؟ یعنی ایمان لانے میں تم نے بڑی عجلت سے کام لیا اور غور وفکر کیلئے تھوڑا بھی وقت صرف نہیں کیا، تو اس سے اندازہ لگتا ہے کہ (بیشک یہ سب) کچھ (ضرور فریب ہی فریب ہے، جو تم نے کر رکھا ہے شہر میں)۔ لگتا ہے کہ شہر مصر میں جہاں آنے کا وعدہ تھا، وہاں آنے کے قبل ہی تم نے موسیٰ علیہ السلام سے سازش کر کے یہ حیلہ کیا ہے، (تاکہ نکال دو شہر والوں کو اس سے) اور یہ ملک تمہارے اور بنی اسرائیل کے واسطے خاص ہوجائے اور قبطیوں کا یہاں سے قلع قمع ہوجائے، (تو) تم کس گمان میں ہو؟ (جلد تم جان لوگے) اپنے اس انجام کو جو تمہاری اس حرکت کا نتیجہ ہے۔

یہ دھمکی تو مجمل تھی، اب اسکی تفصیل کر کے فرعون بولا، کہ۔۔۔

(ضرور میں کاٹ لونگا تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں، پھر تم سب کو سولی دیدونگا) تاکہ تمہاری فضیحت ہو، اور دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

سب نے کہا، "کہ بیشک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں●

(سب) جادوگروں (نے) 'جو کہ اب اہل ایمان تھے' (کہا) اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، (کہ بیشک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں)۔ یعنی موت ایک دن آئیگی ہی، اب چاہے ابھی آئے۔۔یا۔۔دیر سے، پھر ہمیں تیری زجر و توبیخ کا کیا خطرہ؟ ہمیں اپنے رب کریم کی رحمت اور ثواب پر امید ہے، اسلئے کہ ہمیں مرنے کے بعد اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اب اگر تو ہمارے ساتھ اپنی وعید پوری کرے، تو اس سے ہم خوفزدہ نہیں۔

گویا وہ حضرات اسکی وعید سے الٹا خوش ہوئے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا۔ پھر انھوں نے فرعون کو مخاطب کر کے کہا، کہ اے فرعون! آخر ہم نے کون سی غلطی کی۔۔۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ

اور کیا چیز ہماری بری لگی تجھ کو، سوا اسکے کہ ہم نے مان لیا اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جب وہ ہمارے سامنے آگئیں۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

پروردگارا انڈیل دے ہم پر صبر کو اور خاتمہ کر ہمارا مسلمان ہی۔

(اور کیا چیز ہماری بری لگی تجھ کو، سوا اسکے کہ ہم نے مان لیا اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جب وہ ہمارے سامنے آگئیں) اور ہم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا انھیں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں پر۔ جادوگروں نے فرعون کو ڈٹ کر جواب دینے کے بعد اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرلی اور بارگاہِ خداوندی میں التجا کرتے ہوئے عرض کیا، (پروردگارا انڈیل دے ہم پر صبر کو اور خاتمہ کر ہمارا مسلمان ہی)۔ یعنی جس دولتِ ایمان سے ہمیں نوازا اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں فرعون کے ڈرانے دھمکانے سے پھر کفر میں مبتلا نہ فرما۔ اور ہمارے سینوں کو صبر سے لبریز فرمادے۔۔۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے، یعنی عصا کا اژدھا ہونا اور دستِ مبارک کا ید بیضاء ہونا، تو اسکا خوف بڑھا۔ اسی لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا اور انھیں انکے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اس وقت اس سے کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، "کہ کیا چھوڑ دو گے موسیٰ اور ان کی قوم کو؟ کہ فساد مچائیں

فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ

ملک میں اور چھوڑ دیں تم کو اور تمہارے معبودوں کو" بولا "بہت جلد ہم کاٹ کے رکھ دینگے انکے بیٹوں کو اور زندہ

نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رکھیں گے لڑکیوں کو، اور بیشک ہم انکے اوپر غالب ہیں"●

(اور بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، کہ کیا چھوڑ دو گے موسیٰ اور انکی قوم کو کہ فساد مچائیں ملک میں) یعنی مصر میں اپنے دین کو رائج کر کے فساد ڈالیں اور یہاں کے تمام لوگوں کو تیری پیروی سے پھیر لیں **(اور چھوڑ دیں تم کو اور تمہارے معبودوں کو)**۔۔الغرض۔۔تیری پرستش اور تیرے معبودوں کی عبادت سے منہ موڑ لیں۔

فرعون تو بذاتِ خود ستارہ پرست تھا، لیکن اس نے اپنے مجسمے تیار کرا کے عوام کو انکی پرستش کا حکم دے رکھا تھا، اور کہا تھا کہ انکی پرستش سے تم میرے قریب ہو جاؤ گے۔ان بتوں کو اس نے چھوٹا رب قرار دیا تھا اور خود کو بڑا رب کہا کرتا تھا۔۔الغرض۔۔فرعون کے ارکانِ سلطنت نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کے قتل کی ترغیب دی، لیکن فرعون قتل کی ہمت نہ کر سکا اس خوف کی وجہ سے، حضرت موسیٰ کے معجزات دیکھنے کے بعد جس نے اسکے دل میں جگہ بنالی تھی۔تو اس نے اپنی خوفزدگی کو چھپاتے ہوئے ایک دوسری راہ نکالی، اور۔۔

(بولا کہ بہت جلد ہم کاٹ کر رکھ دینگے انکے بیٹوں کو) تاکہ انکی نسل ہی منقطع ہو جائے، جس طرح اسکے پہلے بھی نجومیوں کی پیش گوئی سننے کے بعد ہم کر چکے ہیں **(اور زندہ رکھیں گے لڑکیوں کو)**، تاکہ وہ جوان ہو کر ہماری خدمت کریں۔۔الغرض۔۔ہم انکے ساتھ وہی کاروائی کرینگے جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت پر کی تھی **(اور)** ہم انھیں بتا دینگے **(بیشک ہم انکے اوپر غالب ہیں)** یعنی ہم بدستور غلبہ رکھتے ہیں۔۔نیز۔۔ہم موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے میں ہار جانے کے بعد بھی گھبرا نہیں گئے، اور نہ ہی مغلوب ہوئے، بلکہ ہم اب بھی قوت وغلبہ رکھتے ہیں۔۔الغرض۔۔انھیں یہ وہم نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ وہی لڑکا ہے، جن کے متعلق کاہنوں اور جادوگروں نے خبر دی تھی، کہ وہ فرعون سے ملک چھین لیگا۔

جب یہ دھمکی بنی اسرائیل نے سنی اور فرعون کی ظاہری شان وشوکت کے سامنے اپنی کمزوری اور اس سے مقابلہ نہ کر سکنے کا احساس کیا تو مضطرب ہو گئے، اور بارگاہِ موسوی میں آکر اپنے اضطراب کا اظہار کیا، تو تسلی دیتے ہوئے، اور انکے حسن انجام کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے۔

قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۙ

کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے "کہ مدد طلب کرو اللہ سے، اور صبر کرو۔ بیشک زمین اللہ کی ہے۔۔

يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۲۸﴾

وارث بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور انجام بخیر ڈرنے والوں کیلئے ہے"●

(کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے، کہ مدد طلب کرو اللہ) تعالیٰ (سے) کہ تم سے فرعون کی شرارت دور فرمادے (اور صبر کرو) اس پر جو کچھ وہ تمہارے ساتھ کرے۔ اور یہ اچھی طرح سے جانے رکھو کہ (بیشک) ساری (زمین) جس میں مصر کی زمین بھی ہے (اللہ) تعالیٰ (کی ہے)، وہی اسکا مالک حقیقی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اپنی حکمت کے مطابق اسکا (وارث بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے) اور جب تک کیلئے چاہتا ہے (اپنے بندوں سے)۔ اس کلام میں قبطیوں کے ہلاک ہونے اور انکی ولایت بنی اسرائیل کے تصرف میں آنے کا وعدہ ہے۔ (اور انجام بخیر ڈرنے والوں کیلئے ہے) جو خوف الٰہی کے سایے میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو خشیت خداوندی کا شہر بنا رکھا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو عاقبت کی بہتری، فتح و نصرت اور بہشت کے سچے حقدار ہیں۔

یہ کنایہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے واسطے خوشخبری ہے، جسے بنی اسرائیل نہ سمجھ سکے اور پھر شکایت شروع کر کے۔۔۔

قَالُوۡۤا اُوۡذِيۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِيَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى

سب نے کہا، کہ "دکھ تو ہمیں دیا گیا آپ کے آنے سے بھی پہلے اور پیچھے"۔ تسکین دی انھوں نے، "کہ قریب ہے کہ

رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ

تمہارا پروردگار تباہ کر دے تمہارے دشمن کو، اور تم کو ملک میں حاکم کر دے،

فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

پھر تم کو مہلت دے، کہ کیا کرتے ہو"●

(سب نے کہا، کہ دکھ تو ہمیں دیا گیا آپ کے آنے سے بھی پہلے اور پیچھے) یعنی قبطی ہمیشہ ہمیں اذیت دیتے رہے۔ ہم جب مدین سے آئے، تو یہ آدھا دن ہم سے خدمت لیتے اور آدھا دن ہمیں چھوڑ دیتے، اور اب حال یہ ہے کہ تمام دن ہم سے کام لیتے ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ اس سے پہلے ہمارے

لڑکوں کو مارڈالتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں کہ اُسی طرح قتل میں مشغول ہوں۔ بنی اسرائیل کی اس گزارش کو سن کر (تسکین دی انھوں نے) ان سبھوں کو اور صاف لفظوں میں فرمادیا (کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تباہ کردے تمہارے دشمن کو) یعنی فرعون اور اسکی قوم کا نام ونشان مٹادے۔ (اور پھر انکو ہلاک کردینے کے بعد (تم کو ملک) مصر۔۔یا۔۔ارض مقدسہ (میں حاکم کردے، پھر تم کو مہلت دے کہ کیا کرتے ہو) یعنی خدا کی رحمت، دولت اور راحت کے بعد کیسے عمل کرتے ہو، اور کیا کام کرتے ہو، کفر۔۔یا۔۔شرک، عبادت یا معصیت، تاکہ تمہیں اسکی جزاء۔۔یا۔۔سزادے۔

پھر حق تعالیٰ دشمنوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ کرکے، اسکے پہلے جو امور پیش آنے والے تھے اور جو پھر پیش آئے، انھیں بیان فرماتا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور بے شک دھرا ہم نے آل فرعون کو برسوں کے قحط، اور پھلوں کی کمی میں،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

کہ اب نصیحت پائیں ●

(اور) ارشاد فرماتا ہے کہ (بیشک دھرا ہم نے آل فرعون کو برسوں کے قحط اور پھلوں کی کمی میں) ۔۔الغرض۔۔وہ تنگی اور خشک سالی کا شکار ہوئے اور انکے باغوں کی برکتیں اٹھ گئیں۔ اور پھلوں کی پیداوار میں بے حد کمی ہوگئی۔ یہ قحط سالی وغیرہ ان پر اسلئے مسلط کی گئی، تا (کہ اب نصیحت پائیں) اور کفر سے باز آجائیں، مگر وہ متنبہ نہ ہوئے، بلکہ وہ عجیب وغریب سوچ والے ہوگئے۔ اسی لئے۔۔۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

تو جب آتی ان تک اچھی حالت، تو "کہتے کہ یہ ہمارا حق ہے"۔ اور ان کی مصیبت بنتی کوئی برائی،

يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

تو بدشگونی بناتے موسیٰ کی، اور جو انکے ساتھ تھے۔ یاد رکھو کہ انکے شگون کی شامت اللہ کے پاس ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

لیکن ان کے اکثر بے علم ہیں ●

(تو جب آتی ان تک اچھی حالت، تو کہتے کہ یہ ہمارا حق ہے) اور ہم اسکے مستحق ہیں (اور)

اسکے برخلاف جب (انکی مصیبت بنتی کوئی برائی)۔۔مثلاً: قحط اور بلاء وغیرہ، (تو) اسے (بدشگونی بنا موسیٰ کی، اور) انکی (جوانکے ساتھ تھے)۔۔چنانچہ۔۔وہ کہتے کہ ہم پر یہ نحوست حضرت موسیٰ اور انکی قوم کی وجہ سے نازل ہوئی۔انکی اس بکواس کونظرانداز کردو، اور (یاد رکھو کہ انکے شگون کی شامت اللہ تعالیٰ (کے پاس ہے)۔یعنی انکے خیروشر کا سبب خدا کے پاس ہے، اور وہ انکے اعمال ہیں جنھیں کراماً کاتبین نے لکھ کر خدا کی بارگاہ میں پیش کردیا اور انکے برے اعمال کی شامت ان تک پہنچی۔(لیکن) اس حقیقت سے (انکے اکثر) یعنی بہتیرے جاہل قبطی (بے علم ہیں)، اور وہ نہیں جانتے کہ انھیں جو کچھ مکروھات اور تکلیفیں پہنچتی ہیں، وہ سب انھیں کے برے اعمال کی شامت ہیں۔ان لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا بدترین مظاہرہ کیا۔۔۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ

اور کہنے لگے "کہ کچھ بھی نشانی لاؤ تا کہ اس کا جادو ہم پر چلادو،

فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تو بھی ہم نہ مانیں گے"●

(اور) حضرت موسیٰ کے معجزات یعنی عصا، ید بیضاء، قحط اور بیماری وغیرہ دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے (کہنے لگے، کہ) اے موسیٰ (کچھ بھی نشانی لاؤ) اور بہ گمانِ خود، کیسا بھی معجزہ دکھاؤ، (تا کہ اسکا جادو ہم پر چلادو، تو بھی ہم) تم کو اللہ تعالیٰ کا رسول (نہ مانیں گے)، اور تم پر ایمان نہ لائینگے۔

۔۔الختصر۔۔جب قبطی نہایت انکار سے پیش آئے، تو حضرت موسیٰ نے دعا مانگی۔۔۔

'یا اللہ فرعون نے تیری زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور باغی وسرکش ہو گیا ہے اور اسکی قوم بھی تیرے معاہدے توڑ چکی ہے، اب ایسا معاملہ فرما کہ انکے لئے عذاب بھیج، تا کہ میری قوم کیلئے نصیحت اور آنے والوں کیلئے عبرت ہو۔'

۔۔۔حضرت موسیٰ کی دعا مستجاب ہوئی، تو فرعونیوں کو مندرجہ ذیل امور میں مبتلا فرمایا

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ جب فرعونی سرکشی پر اتر آئے۔۔۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

تو بھیج دیا ہم نے ان پر طوفان، اور ٹڈی، اور کیڑے، اور مینڈکیں، اور خون، الگ الگ

مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴿۱۳۳﴾

معجزے۔۔۔ تو وہ سب بڑا بنا کیے، اور تھے سب مجرم●

(تو بھیج دیا ہے ہم نے ان پر طوفان)۔

ایسا پانی جو انکے ہاں پہنچ کر تمام کو محیط ہوگیا اور انکے مکانوں اور کھیتوں کو گھیر لیا۔ آسمان سے سخت بارش ہوئی۔۔یا۔۔ سیلاب کا زور ہوا۔۔چنانچہ۔۔ مصر میں ایک ہفتہ دن ورات مسلسل مینہ برسا، اور بادلوں کی تاریکی میں لوگ عاجز رہ گئے اور قبطیوں کے گھروں میں پانی آ گیا۔ عورتیں اور مرد سب کھڑے رہ گئے، اور بچوں کو اونچے پر بٹھادیا اور جو قبطی اپنے گھر میں بیٹھتا ڈوب جاتا، اور باوصف اسکے کہ بنی اسرائیل کے مکانات قبطیوں کے مکانوں سے ملے ہوئے تھے، مگر بنی اسرائیل کے مکانوں میں ایک قطرہ بھی پانی نہ آیا۔ غرضیکہ سارے قبطی تنگ آ کر فرعون کی طرف رجوع ہوئے اور پھر اُس سے ناامید ہوکر حضرت موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، کہ اپنے خدا سے درخواست کر، کہ ہم پر سے یہ عذاب دفع کردے تو ہم اسپر ایمان لے آئینگے۔

جب وہ طوفان حضرت موسیٰ کی دعا سے دفع ہوگیا اور زمین پر سے پانی ہٹ گیا، انکی کھیتیاں ایسی سرسبز وشاداب نظر آئیں، کہ انھوں نے کبھی ویسی دیکھی ہی نہیں، پھر انھوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ایمان نہ لائے، بلکہ بولے کہ یہ کھیتیاں خود ہی ایسی ہونا چاہئے تھیں۔ تو حق نے دوسرا عذاب نازل فرمایا۔

(اور ٹڈی) کا لشکر ان پر نازل کردیا، جنھوں نے انکی بہت ساری مزروعات کو کھا کر انکا صفایا کردیا۔

پھر حضرت موسیٰ سے پناہ مانگی، کہ یہ بلا ہم پر سے دفع ہوجائے، تو ہم ضرور تیرے خدا پر ایمان لائینگے۔ حضرت موسیٰ میدان میں نکلے اور اپنے عصا سے مشرق اور مغرب کی طرف اشارہ کیا، سب ٹڈیاں اِدھر اُدھر چلی گئیں۔ قبطیوں نے دیکھا کہ انکی مزروعات میں کچھ باقی رہ گیا تھا، تو بولے اسی قدر ہمارے واسطے بہت ہے اور پھر تصدیق نہ کی۔ پھر حق تعالیٰ نے تیسرا عذاب نازل فرمایا۔

(اور) ایسے (کیڑے) بھیجے جو گیہوں سے نکلتا ہے اور بالیوں کو برباد کردیتا ہے۔۔یا۔۔ ملخ پیادہ کو بھیجا جو ٹڈی کے علاوہ ہے، وہ گندم کی کچی بالی کو کھا جاتا ہے، پھر وہ کھیتی بالی کے بغیر بڑی ہوتی ہے۔۔چنانچہ۔۔ جو کچھ زراعت باقی تھی، ان سب کا بھی صفایا ہوگیا۔

پھر قبطیوں نے حضرت موسیٰ سے التجاء کی اور ایمان لانے کی شرط پر یہ عذاب بھی دفع ہوا، تو بولے اے موسیٰ ہمیں خوب محقق ہوگیا، کہ فن سحر میں تو بڑا ماہر اور کامل ہے۔۔ الغرض۔۔ پھر وہ ایمان نہ لائے، تو حق تعالیٰ نے چوتھا عذاب نازل فرمایا۔

(اور مینڈکیں) بھیجیں، جو انکے اوڑھنے اور بچھونے میں گھستیں اور انکی دیگوں میں گرتیں۔ یہاں تک کہ وہ مینڈک، جب کوئی بات کرتا تو اسکے منہ میں چلے جاتے۔ پھر قبطیوں نے عاجزی کی اور ایمان کی شرط پر یہ بلا بھی دفع ہوگئی، پھر بھی وہ لوگ اپنے عناد اور تمرد پر قائم رہے، تو ہم نے پانچواں عذاب نازل کیا۔

(اور) آب نیل کو (خون) کردیا۔ جب بنی اسرائیل پیتے، تو صاف پانی ہوتا، اور جب قبطی پینے کا ارادہ کرتے، تو پانی خون ہوجاتا۔ وہ دریا کے جس کنارے کی طرف جاتے، ہر جگہ انکے لئے یہی صورتِ حال پیش آتی۔ اسوقت بھی عہد کیا اور بلا دفع ہوجانے کے بعد متابعت نہ کی۔

مذکورہ بالا یہ سارے واقعات ہماری قدرت کی نشانیاں تھیں، جو (الگ الگ معجزے) تھے ایک دوسرے سے جدا، یعنی ہر دو آیتوں میں ایک مہینے کی مدت تھی اور ہر نشانی ہفتہ بھر رہتی تھی، (تو وہ سب بڑا بنا کئے) اور احساسِ برتری میں مبتلا رہ کر ایمان سے محروم رہے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہوتا، اسلئے کہ (تھے) وہ (سب) جنم کے (مجرم)، جرائم کا ارتکاب جن کی فطرت میں داخل ہو چکا تھا۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ

اور جب آپڑتا ان پر عذاب، کہتے "کہ اے موسیٰ دعا کرو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے، کہ تمہارے پاس اسکا عہد ہے۔

لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿۱۳۴﴾

اگر ہٹا دیا تم نے ہم سے عذاب کو، تو ہم مان ہی جائینگے تم کو، اور ضرور چھوڑ دینگے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو"

(اور) کس قدر وہ دیدہ دلیر تھے، کہ (جب آپڑتا ان پر عذاب)، تو (کہتے کہ اے موسیٰ دعا کرو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے) کیوں (کہ تمہارے پاس) ہماری طرف سے (اس کا عہد ہے) اور پختہ وعدہ ہے، کہ (اگر ہٹا دیا تم نے ہم سے عذاب کو) اپنی دعاؤں کے ذریعہ، (تو ہم) سچے دل کے ساتھ (مان ہی جائینگے تم کو) اور تمہاری جملہ ہدایات کو، (اور ضرور چھوڑ دینگے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو)، تا کہ جہاں تمہارا جی چاہے انھیں لے جاؤ۔

فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

پھر جب ہم نے ہٹادیا ان سے عذاب کو ایسی مدت تک جسکو وہ پائینگے، تو اب وہ عہد توڑ رہے ہیں●

(**پھر جب ہم نے**) موسیٰ کی دعا سے دفع کردیا اور (**ہٹادیا ان سے عذاب کو ایسی مدت تک جسکو وہ پائینگے**)، یعنی ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کیلئے عذاب دور کردیا جس مدت تک پہنچنا انکے لئے مقدر تھا، (**تو اب وہ**) تامل وتوقف کے بغیر وعدہ توڑنے پرآ گئے۔۔ چنانچہ۔۔وہ (**عہد توڑ رہے ہیں**)۔

ہر بار عہد کرنا، پھر بلا تامل اُسے توڑدینا، یہ انکا ایسا جرم تھا، جس نے انھیں سخت عذاب کا مستحق بنادیا۔ ایسا عذاب جو انھیں فنا اور برباد کردے۔ یہی عدلِ خداوندی کا تقاضا ہے۔۔۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا

پس ہم نے ان سے بدلہ لیا، تو ان کو ڈبو دیا دریا میں، کیونکہ بیشک انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو،

وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾

اور اس سے بے خبر تھے●

(**پس ہم نے**) انصاف کیا اور (**ان سے بدلہ لیا، تو انکو ڈبو دیا دریا میں**) یعنی مصر کے قریب دریائے قلزم میں انھیں غرق کردیا۔

فرعونیوں کے غرق ہونے کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، آپ بنی اسرائیل کو مصر کے باہر لیجائیں۔ اس سے قبل بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے زیور عاریۃً لے رکھے تھے، ان سے کہا کہ ہمیں ایک تقریب میں شمولیت کرنی ہے۔ انھوں نے انھیں اپنے زیور دے دیئے، اچانک حضرت موسیٰ کو مصر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا، اور وہ بنی اسرائیل کو رات کے پہلے حصے میں لیکر چل پڑے۔ اسوقت بنی اسرائیل مرد وعورت اور بچے ملا کر تقریباً کل چھ ۶ ہزار تھے۔

جب فرعون کو اسکی خبر ہوئی، تو کم وبیش ایک لاکھ دو ہزار کا لشکر لیکر حضرت موسیٰ کے پیچھے لگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا تک پہنچ چکے تھے۔ جب آپ نے فرعونی لشکر کو آتے دیکھا، تو دریا پر اپنے عصائے مبارک کو مارا، جس سے دریا میں بارہ ۱۲ راستے ہوگئے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ہر ہر قبیلے والا الگ الگ ایک ایک راستے میں داخل ہوگیا، اور بخیر وعافیت

دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ فرعون اور اسکے لشکریوں نے بھی انکا پیچھا کیا اور انھیں راستوں میں وہ داخل ہوگئے۔ جب سارے فرعونی دریا کے درمیان میں پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، تو جوش میں آکر اس نے فرعون اور اسکے تمام لشکر کو ڈبو دیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ہم نے انھیں جو سزادی اسکے وہ سب مستحق تھے۔۔۔

(کیونکہ بیشک انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو) یعنی ہم نے جو معجزات نازل فرمائے انکی تکذیب کی، اور ان سے روگردانی کر کے ان میں پورے طور پر غور وفکر نہیں کیا، (اور) اپنی حالت ایسی بنالی، کہ گویا وہ (اس سے بے خبر تھے)، جبھی ان معجزات کو جادوگری سمجھنے اور کہنے لگے۔ اور انکو اللہ تعالیٰ کی نشانی نہ سمجھ سکے۔۔ الحاصل۔۔ ہم نے ان فرعونیوں کو غرق کردیا۔۔۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

اور مالک بنادیا ہم نے اس قوم کو جو کمزور کردیئے گئے تھے، اُس ملک کے پورب وپچھم کا، جس میں

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا

برکت دے رکھی ہے ہم نے۔ اور پورا ہوگیا تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک بنی اسرائیل پر۔۔۔ جو

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

انھوں نے صبر کیا۔ اور ڈھادیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اس کی قوم، اور جو چنائی کرتے تھے●

(اور) پھر (مالک بنادیا ہم نے اس قوم کو جو کمزور کردیئے گئے تھے) اور قبطیوں کے ماتحت انکی غلامی میں ذلت کی زندگی گزار رہے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ فرعون اور اسکے اتباع کو ہلاک کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو وارث کردیا (اس ملک کے پورب وپچھم کا جس میں برکت دے رکھی ہے ہم نے)، اس میں ارزانی اور کثرتِ محاصل کے سبب سے، اور وہاں انبیاء علیہم السلام کے آنے کے باعث سے۔

تو اے محبوب! دیکھ لو (اور) ظاہر کردو کہ (پورا ہوگیا تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک بنی اسرائیل پر) ۔ چنانچہ۔ اسی وعدۂ الٰہی کے مطابق بنی اسرائیل کو اپنے دشمنوں پر فتح اور انکے دیار وامصار پر غلبہ اور قبضہ حاصل ہوگیا۔ اور یہ وعدہ وفا ہونا اس سبب سے تھا، (جو انھوں نے) شدتوں اور مصیبتوں میں (صبر کیا)۔

۔۔ الغرض۔۔ اگر ایک طرف ہم نے بنی اسرائیل کو غلبہ وسلطنت بخش کر عزت مرحمت فرمائی، تو دوسری طرف فرعونیوں کو ذلیل وخوار کردیا، (اور ڈھادیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اسکی قوم) کے

لوگ (اور جو چنائی کرتے تھے)، بلند و بالا محل بناتے تھے، جیسے ہامان کا محل اور اسکی قوم کے دوسرے لوگوں کے عالیشان مکانات، اور انکے شاندار ایوان۔۔۔الختصر۔۔سب کے سب زمیں بوس ہوگئے اور انکا نشان تک باقی نہ رہا۔۔۔الغرض۔۔۔فرعون اور آلِ فرعون کو شہر قلزم، جو مصر و مکہ کے درمیان کوہ طور کے قریب واقع ہے، کے کنارے بہنے والے دریا میں غرق کردیا۔۔۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی

اور پار کردیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے، تو وہ آئے ایسی قوم پر جو آسن لگائے ہیں

اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ

اپنے بتوں پر۔ بولے، "اے موسیٰ ہمارا بھی معبود بنادو جس طرح ان کے معبود ہیں"۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

جواب دیا، کہ "بے شک تم لوگ جاہل ہو"●

(اور پار کردیا) یعنی صحت و سلامتی کے ساتھ کنارے لگادیا **(ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے)**۔

اس دریا کو حضرت موسیٰ نے عاشورہ کے دن عبور فرمایا، اسی لئے انھوں نے اس دن اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کیلئے روزہ رکھا۔

جب سبھوں نے دریا عبور کرلیا، **(تو وہ آئے)** گزرے **(ایسی قوم پر جو آسن لگائے ہیں اپنے بتوں پر)**۔

اس قوم سے یمن کے قبیلہ لخم کی قوم مراد ہے۔۔یا۔۔کنعان کے عمالقہ مراد ہیں، جن کے متعلق حضرت موسیٰ نے جنگ کا حکم فرمایا تھا۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق، وہ کوئی مصری قبیلہ تھا۔۔الغرض۔۔کسی بت پرست قوم کے پاس سے گزر ہوا، جو اپنے بتوں کے اردگرد بیٹھے تھے اور ان کی عبادت میں مواظبت و مداومت رکھتے تھے۔اس قوم کا حال دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعض ناشکرے کہنے لگے، اور۔۔

(بولے، اے موسیٰ ہمارا بھی معبود بنادو جس طرح انکے معبود ہیں)، یعنی ہمارے لئے اسی طرح کے مجسمے بنادیجئے، تاکہ ہم انکی پرستش کریں۔

اس قوم کے بت گائے کی شکل کے تھے، یہی واقعہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا پیش خیمہ بنا۔

بڑے بڑے معجزات اور مفصل آیات کا مشاہدہ کر چکنے کے باوجود انکا یہ غیر دانشمندانہ سوال ایسا تھا جس نے انھیں اس بات کا مستحق بنادیا تھا، کہ انکی ذات کی طرف مطلق جہالت کی صفت کی نسبت کردی جائے، کیونکہ آیاتِ خداوندی کو دیکھ لینے اور معجزات نبوی کو مشاہدہ کر لینے۔۔نیز۔۔نبی کی ہدایات کو جان بوجھ لینے کے بعد، اسطرح کا سوال کوئی جاہل مطلق ہی کر سکتا ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ نے انکے اس سوال کا یہ (جواب دیا، کہ بیشک تم لوگ جاہل ہو)۔اور یہ تمہاری نادانی ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کا خیال ظاہر کر رہے ہو۔تم نے ان بت پرستوں اور انکی بت پرستی کو اچھا کیسے سمجھ لیا۔۔حالانکہ۔۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾

"یہ لوگ جس میں لگے ہیں وہ برباد کیا ہوا ہے، اور ان کے کرتوت ناحق ہیں"

(یہ لوگ جس میں لگے ہیں، وہ برباد کیا ہوا ہے)۔یہ سارے بت پرست ان چیزوں کے ساتھ جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں، ان سب کے مقدر میں بربادی و رسوائی ہے۔ایک وقت آئے گا کہ حق تعالیٰ انکے دین اور انکے خود ساختہ آئین کو توڑ دیگا، اور انکے بتوں کو ہمارے ہاتھ سے تڑوائیگا (اور) اچھی طرح جان لو، کہ (انکے کرتوت ناحق ہیں)۔۔الغرض۔۔انکی یہ بت پرستی باطل ہے، جو زائل ہونے والی ہے۔یہ ارشاد فرمانے کے بعد۔۔

قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾

کہہ دیا، کہ "کیا اللہ کے غیر کو تجویز کروں تمہارا معبود، حالانکہ اس نے تم کو بزرگی دی اوروں پر"

(کہہ دیا کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو تجویز کروں تمہارا معبود، حالانکہ اس) رحیم و کریم اور فضل عظیم والے (نے تم کو بزرگی دی اوروں پر) اور تمہیں تمہارے اپنے عہد والوں پر انواع و اقسام کی نعمتوں کے ساتھ خاص کیا، اور جن مصائب و آلام میں تم مبتلا تھے، اس سے نجات عطا فرمائی۔ ارشاد خداوندی ہے۔۔۔

وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ

اور جبکہ بچالیا تھا ہم نے تم کو فرعونیوں سے، تمہیں بری مار ماریں۔تمہارے بیٹوں کو جان سے مار ڈالیں،

اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِيۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور عورتوں کو بچا رکھیں۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی بڑی آزمائش ہے●

کہ غور کرو (اور) یاد کرو اس وقت کو (جبکہ بچالیا تھا ہم نے تم کو فرعونیوں سے)، جن کا حال یہ تھا کہ (تمہیں بری مار ماریں) اور ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رکھیں اور تمہارے سامنے اور تمہارے دیکھتے میں (تمہارے بیٹوں کو جان سے مار ڈالیں) تا کہ تمہاری نسل منقطع ہو جائے، (اور عورتوں کو بچا رکھیں) یعنی زندہ چھوڑ دیں انکو اپنی لونڈیاں بنانے کیلئے اور ان سے اپنی خدمت لینے کیلئے ---(اور اس) زیادتی اور اس عذاب (میں) درحقیقت (تمہارے پروردگار کی بڑی آزمائش) رہی (ہے)، تا کہ وہ تمہارے صابرین اور شاکرین کو نمایاں فرمادے، اور پھر اس مصیبت سے چھڑا لینا تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

جب بنی اسرائیل نے دریا سے نجات پائی، تو انھوں نے حضرت موسیٰ کو انکا وعدہ یاد دلایا، اور وہ وعدہ یہ تھا کہ فرعون کے ہلاک ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے ایک کتاب لیکر آئینگے، جس میں وہ ساری باتیں ہونگیں جو بنی اسرائیل کو مطلوب ہیں۔ پھر جب بنی اسرائیل نے دریا سے نجات پائی اور فرعون غرق ہو گیا، تو بنی اسرائیل نے وہ کتاب مانگی اور حضرت موسیٰ نے خدا سے اس کتاب کی درخواست کی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ۔۔۔

وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً وَّاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ

اور ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے تیس رات کا، اور مکمل کر دیا میعاد کو دس ملا کر، تو ان کے پروردگار کا پورا وعدہ ہوا

اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ۚ وَقَالَ مُوۡسٰى لِاَخِيۡهِ هٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِىۡ فِىۡ قَوۡمِىۡ

چالیس رات کا۔ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو، "کہ ہمارے جانشین رہنا ہماری قوم میں،

وَاَصۡلِحۡ وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِيۡلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾

اور اصلاح کرتے رہنا، اور فسادیوں کی راہ نہ چلنا"●

موسیٰ کی درخواست (اور) انکی طلب پر (ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے تیس رات کا)، یعنی اے موسیٰ تم تیس دن روزہ رکھو، پھر طور پر آؤ، تا کہ میں تجھ سے بات کروں۔

چونکہ عرب کے مہینوں کے حساب کا مدار چاند دیکھنے پر ہے اور وہ رات کو دکھائی دیتا ہے، تو حق تعالیٰ نے تاریخ کو رات کے ساتھ مقید کیا۔۔الختصر۔۔ ماہِ ذیقعدہ کے تیس[۳۰] دنوں کا روزہ مکمل کر کے حضرت موسیٰ اکتیسویں دن طور کی طرف چلے، اس حال میں کہ غالباً انہوں نے اپنے طور پر اس دن بھی روزہ رکھ لیا تھا جو انکا اپنا اختیاری اور ذاتی طور پر پسندیدعمل تھا اور رب کی طرف سے کوئی ممانعت بھی نہیں تھی۔

اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ محققین اصحابِ تفسیر نے کفارے کی وجہ حالتِ صوم میں مسواک استعمال کرنے ہی کو قرار دیا ہے، تو اگر اکتیسویں کو حضرت موسیٰ روزے سے نہیں تھے اور پھر مسواک استعمال فرمالی، تو اسپر مواخذہ فرما کر کفارہ لازم کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

ویسے ایک امکانی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تیسویں روزے کے دن ہی میں مسواک کرلی ہو اس خیال سے کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینی ہے۔۔واللہ اعلم بالصواب۔۔اس صورت میں بھی اکتیسواں دن جو بڑھائے ہوئے دس دنوں کا پہلا دن ہے جوانکے لئے روزے ہی کا دن ہے۔۔الختصر۔۔صورت حال کچھ بھی رہی ہو مگر تیس دن ذیقعدہ کے اور دس دن پہلے عشرہ ذی الحجہ کے، یہ کل چالیس دن ہوئے دوبار میں جنکا حضرت کلیم سے وعدہ لیا گیا۔

۔۔الحاصل۔۔ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر چلے اور چونکہ خدائے تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تھا، تو اپنے دہن مبارک کی اندرونی فضا کو کمال درجے کی تطہیر وتنظیف عطا کرنے کے خیال سے، مسواک استعمال کرنے کے سوا، بعض خوشبودار گھاس چبالی اور ہوسکتا ہے کہ اسکا بعض حصہ حلق کے نیچے بھی اتر گیا ہو، تو اس صورت میں روزہ کی حالت میں انھوں نے افطار فرمالیا، اور غالب گمان یہی ہے کہ انھوں نے ایسا بھول کر کیا۔ انھیں اپنا روزہ دار ہونا یاد نہ رہا۔

گو حالتِ صوم میں بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے، مگر جنکا رتبہ ہے سوا، انکو سوا مشکل ہے۔ عظیم المرتبت ہستیوں کی گرفت خلافِ اولیٰ کام انجام دینے پر بھی کرلی جاتی ہے، گو وہ خلافِ اولیٰ، فی نفسہٖ خلافِ اولیٰ بھی نہ ہو، بلکہ انکی عظمت شان کے پیش نظر بظاہر اُسے خلافِ اولیٰ کہہ دیا گیا ہو، تو انکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کفارہ مقرر فرمایا گیا، کہ دس[۱۰] روزے مزید رکھ لیں۔

میں نے دس[۱۰] روزوں کے اضافے کے تعلق سے ابھی جو توجیہہ پیش کی ہے، یہ کسی کتاب سے منقول نہیں۔ اب اگر یہ صحیح نہیں ہے، تو اس میں میرے اپنے نفس کا دھوکا ہے،

جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے۔ اور اگر یہ بات صحیح اور شانِ کلیمی کے مناسب ہے، تو یہ صرف خالص فضل خداوندی ہے۔ یہ توجیہہ اس فقیر اشرفی اور گدائے جیلانی کے نزدیک، اُس توجیہہ سے بہتر و اولیٰ ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کفارہ کی وجہ حضرت موسیٰ کا مسواک کرلینا تھا۔ حالانکہ دین الٰہی میں مسواک صرف مسنون ہی نہیں، بلکہ ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ 'اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا، تو میں ہر نماز کیلئے مسواک کرنے کو ضروری قرار دے دیتا'۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ مسواک کا بنیادی کام منہ کو پاک وصاف کردینا ہے، اور دانتوں کو بہت سارے امراض سے بچانا ہے۔۔ نیز۔۔ اس بُوکو ختم کردینا ہے جو منہ میں کسی جسمانی مرض کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔۔ الغرض۔۔ وہ بُو جو روزے دار کے منہ میں روزہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اسکو دور کرنا مسواک کا کام نہیں۔ اگر۔۔ بالفرض۔۔ ایسا ہوتا کہ مسواک کرنے سے روزے دار کے منہ کی وہ بُو بھی ختم ہوجاتی ہے، جو صرف روزے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، پھر تو روزے داروں کو مسواک کا استعمال کرنا ہی ممنوع قرار دیدیا جاتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے، بلکہ رمضان شریف کا مہینہ ہو۔۔ یا۔۔ کوئی اور مہینہ، روزے کی حالت ہو۔۔ یا۔۔ نہ ہو، ہر حال میں مسواک مسنون ہے اور بڑے ہی فائدے اور فضیلت کی چیز ہے، تو پھر مسواک کرلینے سے کسی گرفت۔۔ یا۔۔ کسی کفارے کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا حضرت موسیٰ سے تیس ۳۰ دن کا۔۔۔

(اور) پھر اپنی کسی حکمت بالغہ کے تحت (مکمل کردیا میعاد کو دس ۱۰) دن مزید (ملاکر، تو) اس طرح (انکے پروردگار کا پورا وعدہ ہوا چالیس ۴۰ رات) و دن (کا)۔

ان چالیس ۴۰ دنوں میں تیس ۳۰ دن تو وہ تھے، جن دنوں میں حضرت موسیٰ کو روزہ رکھنے اور ان ایام میں عبادت کرنے کا حکم دیا گیا، اور دس ۱۰ دن ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے وہ تھے، جن دنوں میں تورات نازل کی گئی اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔۔ یا یہ کہ۔۔ ان چالیس ۴۰ دنوں میں ابتدائی تیس ۳۰ دن حضرت موسیٰ کیلئے ہوں، اور بعد کے دس دن کی مدت ان ستر ۷۰ منتخب اسرائیلیوں کیلئے ہو، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہِ طور پر گئے تھے، جنکا تفصیلی ذکر اسی سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۵ میں آئیگا۔

۔۔ المختصر۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر حاضری کا حکم دیا، تو فرمایا کہ اپنی قوم کے دانشمندوں اور برادری کے سرداروں کو ساتھ لائیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر جو عنایات

ہوں، انکے وہ چشم دید گواہ ہوں، اور پھر واپس آکر اپنی برادری میں گواہی کے طور پر بیان کریں اور حضرت موسیٰ کے رسولِ برحق اور کلیم اللہ ہونے کے تعلق سے انکے علم و یقین اور انکے اطمینان قلبی میں اضافے کا سبب بنیں۔۔ چنانچہ۔۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکا انتخاب کرکے اور باقی ماندہ افراد کی ہدایت اور انکی دیکھ ریکھ کے خیال سے اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا جانشین بنا کر، کوہِ طور کی طرف روانہ ہوگئے۔

(اور) روانہ ہونے سے پہلے (کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو کہ ہمارے جانشین رہنا ہماری قوم میں) اور انکے اوامر ونواہی پر انکی نگہداشت فرمانا (اور) انکے، قابل اصلاح امور میں انکی (اصلاح کرتے رہنا)۔۔ نیز۔۔ ایمان، اخلاص اور عبادت پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے رہنا۔

چونکہ حضرت موسیٰ اپنی فراستِ نبوی اور اپنی قوم کے تعلق سے سابقہ تجربات سے بخوبی واقف ہوچکے تھے، کہ ہماری قوم مخالفت کی عادی ہے، اسلئے آپ نے ضرورت محسوس کی کہ بطورِ نصیحت حضرت ہارون کو اس بات کی بھی شدید تاکید کردی جائے۔۔۔

(اور) انھیں ہر طرح سے ہوشیار کردیا جائے۔۔ چنانچہ۔۔ فرمایا کہ (فسادیوں کی راہ نہ چلنا) یعنی ان میں جو فساد پر مجبور کرے۔۔ یا۔۔ اسکی دعوت دے، تو آپ اسکا اتباع نہ کرنا۔

۔۔ الغرض۔۔ آپ بجائے میرے ساتھ چلنے کے، قوم کی نگہبانی کیجئے۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ ساری ہدایات اور انکے تعلق سے یہ سارے امور اور نصیحتیں سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی سے تھیں۔ حضرت موسیٰ کے قلب پر ان واردات والہامات کا ورود من جانب اللہ ہوتا رہا، اور آپ اسی کے مطابق ارشاد فرماتے رہے۔۔ الغرض۔۔ نبی کا ہر فعل اور ہر قول امر الٰہی سے ہوتا ہے، جسے یہ قول مسلم ہے اُسے موسیٰ علیہ السلام کا قول و فعل مبنی بر صواب معلوم ہوگا اور انکے مذکورہ بالا معاملے مطابق و موافق محسوس ہونگے۔۔ المختصر۔۔ سننے والو! غور سے سنو۔۔۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ

اور جب آگئے موسیٰ ہمارے وعدہ پر، اور کلام فرمایا ان سے انکے پروردگار نے، عرض کیا "پروردگارا تو اپنے کو مجھے دکھادے، کہ میں تجھے دیکھ لوں"۔

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

فرمایا "تم ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں نگاہ کرو پہاڑ کی طرف، تو اگر ٹھہرا رہا اپنی جگہ، تو جلد تم

تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ

مجھے دیکھ لوگے"۔ پس جب تجلی فرمائی ان کے پروردگار نے پہاڑ پر، تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ، اور گرے موسیٰ بے خود۔

فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

پھر جب افاقہ ہوا، تو کہا کہ "پاک ہے تو۔ میری توبہ ہے تیرے یہاں، اور میں پہلا مومن ہوں"●

(اور) یاد رکھو کہ (جب آگئے موسیٰ ہمارے وعدہ پر) یعنی ہمارے مقرر و متعین کردہ کے مطابق چالیسواں یوم مکمل کر کے حاضر ہوئے۔۔ الغرض۔۔ انکا آنا ہمارے مقرر کردہ معیاد سے مخصوص تھا۔۔ چنانچہ۔۔ انکی حاضری کیلئے جو وقت مقرر تھا، اسی وقت پر وہ حاضر ہوگئے (اور) پھر بلا واسطہ و بلا کیف (کلام فرمایا ان سے انکے پروردگار نے) جیسے ملائکہ کرام سے بلا واسطہ اور بلا کیف کلام فرماتا ہے۔

یہ کلام الٰہی ایسی خصوصیت کا حامل تھا، جسکو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے سنا۔ حضرت جبرائیل انکے ساتھ رہنے کے باوجود بھی نہ سن سکے۔ اسلئے انھیں کلیم کے لقب سے ملقب فرمایا۔ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام کو بھی شرف ہم کلامی سے مشرف فرمایا ہے، لیکن بواسطہ کتاب۔۔ یا۔۔ بوسیلہء ملائکہ۔ گروہ انبیاء سابقین میں صرف حضرت کلیم ہی تھے، جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔ یا پھر یہ۔۔ خصوصیت ہمارے نبی آخر الزماں کو حاصل ہوئی۔۔ چنانچہ۔ آپ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ جب حضرت کلیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ ہوئے، تو انھیں شوقِ دیدار غالب ہوا، اور سمجھا کہ جس ذاتِ حق کے کلام میں اتنی لذت ہے، پھر اسکے دیدار میں کتنا سرور ہوگا۔

۔۔ بنا بریں۔۔ (عرض کیا پروردگارا، تو اپنے کو مجھے دکھا دے، کہ میں تجھے دیکھ لوں)۔

اس آرزوئے دیدار کی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے، کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی بہتر مرتبہ پر کامیاب ہو جاتا ہے، تو اس سے اور بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرنے کا آرزو مند ہو جاتا ہے۔ اسی فطرت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ہم کلامی سے مشرف ہوئے، تو انھیں شوق ہوا کہ اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ، یعنی دیدار سے بھی سرشار ہوں، اسلئے دیکھنے کی آرزو کا اظہار کر بیٹھے۔

یہ بھی امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلامِ حق تعالیٰ سے محظوظ ہوئے، تو پھر ان پر ایسی محویت و استغراق کا عالم طاری ہو گیا، کہ انکے خیال سے یہ بات اتر گئی، کہ وہ اس

وقت دنیا میں ہیں یا فردوسِ اعلیٰ میں؟ اسلئے عرض کر دیا اے میرے پروردگار مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمادے۔۔۔جواباً رب تعالیٰ نے۔۔۔

ارشاد (فرمایا) کہ (تم) یہاں مجھے (ہرگز دیکھ نہیں سکتے)۔

حضرت کلیم کو بخوبی معلوم تھا کہ یہاں کسی کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوسکتا اور کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن انھیں اس بات کا بھی یقین تھا، کہ خدائے عزوجل قادرِ مطلق ہے، وہ چاہے تو اپنے کو دکھا سکتا ہے۔ حضرت کلیم کے دیدارِ الٰہی کیلئے اصرار کی بنیاد یہی تھی، کہ اے میرے رب مجھ میں تو یہ طاقت نہیں، کہ میں تجھے دیکھ سکوں، لیکن تجھ میں اتنی قدرت ہے، تو مجھے اپنے کو دکھا سکے اور میرے اندر وہ قوت واستعداد پیدا کردے جسکے سبب سے میں تجھے دیکھ سکوں۔

۔۔المختصر۔ حضرت کلیم کی عرض سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ دنیا میں دیدارِ الٰہی عقلاً محال نہیں۔ اگر یہ عقلاً محال ہوتا، تو ایک اولوالعزم رسول ایسی غیر معقول خواہش کیوں کرتا؟ ہاں یہ ضرور ہے، کہ جمالِ باقی کو نگاہِ فانی سے نہیں دیکھا جا سکتا، جب تک کہ خدائے قادرِ مطلق وہ خاص صلاحیت واستعداد نہ پیدا کردے، جس سے وہ ذاتِ باقی میں فنا ہوکر ایسی بقا حاصل کرلے جسکو پھر فنا نہ ہو۔ جنت میں عام مومنین کو بھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ استعداد مرحمت فرمائی جائیگی۔

تو (ہاں) اے موسیٰ! اپنی دیدار کی صلاحیت واستعداد کی معرفت کیلئے (نگاہ کرو) زبیر (پہاڑ کی طرف) جو ولایت مدین کے سب پہاڑوں سے زیادہ بلند ہے اور اس میں تحمل کی قوت بھی بے پناہ ہے، (تو اگر) وہ پہاڑ برقرار وثابت اور (ٹھہرا رہا اپنی جگہ) پر، (تو جلد تم مجھے دیکھ لوگے) اور تم میں میرے دیدار کی طاقت ہوگی اور اگر اس پہاڑ کو' جو ساری دنیا کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ سخت، مضبوط وتوانا اور قوت برداشت رکھنے والا ہے' مجھے دیکھ سکنے کی طاقت نہ ہوئی، تو تو بھی دنیا میں اس کام کی تمنا سے درگزر کر۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کو پہاڑ کے برقرار رہنے پر معلق کیا ہے، اور پہاڑ کا اپنی جگہ پر برقرار رہنا فی نفسہٖ ممکن ہے، اور جو ممکن پر موقوف ہو، وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن تھا۔

(پس جب تجلی فرمائی انکے پروردگار نے پہاڑ پر) اور اپنے نور۔۔۔یا۔۔۔اپنے عرش کے نور کو سوئی کے ناکے کے برابر۔۔۔یا۔۔۔چھنگلی انگلی کی نصف مقدار کے مطابق اس پر ظاہر کیا، (تو کردیا) اپنی اس تجلی سے (اس) پہاڑ (کو ریزہ ریزہ)۔

۔۔الغرض۔۔پہاڑ اپنی اس عظمت و بڑائی کے باوجود پارہ پارہ ہوگیا اور چھ[۶] پہاڑ اور اس سے جدا ہوگئے۔تین مدینہ منورہ میں جا پڑے اور تین مکہ معظمہ میں جا رہے ہے۔مدینہ منورہ میں پہنچنے والے پہاڑوں کے نام یہ ہیں ﴿۱﴾۔۔احد۔﴿۲﴾۔۔رقان۔﴿۳﴾۔۔رضوی۔ اور مکہ شریف میں پہنچنے والے پہاڑوں کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾۔۔ثور۔﴿۲﴾۔۔ثبیر۔ ﴿۳﴾۔۔حراء۔بعض قول کے مطابق آٹھ[۸] ٹکڑے ہوئے،جن میں چار مکہ شریف پہنچے اور چار مدینہ شریف۔مکہ شریف میں پہنچنے والے چوتھے کا نام ثور ہے اور مدینہ شریف میں پہنچنے والے چوتھے کا نام مہراس ہے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پہاڑ کے تین ٹکڑے ہوئے،ایک زمین میں دھنس گیا اور دوسرا دریاؤں میں ڈوب گیا اور تیسرا اڑ کر عرفات میں پہنچا۔یہی وجہ ہے کہ وہ خوف الٰہی سے ہر کمزور سے کمزور تر ہوگیا۔یہ رہا خدائی نگاہِ عظمت و ہیبت کا اثر،جس سے پہاڑ ویران ہوگیا اور اسکے برعکس اسکی نگاہِ لطف و کرم اور نظر رحمت جب انسان کے دل پر پڑتی ہے،تو وہ دل آباد ہوجاتا ہے۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کے ایک چھوٹے سے حصے کی تاب نہ لاکر ایک طرف پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔۔۔

(اور) دوسری طرف (گرے موسیٰ بے خود)۔

یعنی از خود رفتہ،اپنے سے بے خبر،مست و سرشار ہوکر،یعنی عقل و ہوش کی سلامتی کے باوجود جلال و ہیبت الٰہی سے آپ پر ایسی کیفیتِ سرشاری طاری ہوگئی،کہ آپ از خود رفتہ ہو گئے اور گم کردہ ہوش محسوس ہونے لگے۔یہ وضاحت حضرت مترجم قدس سرہٗ کے ترجمہ کی رعایت کرتے ہوئے کی گئی ہے۔شاید مترجم علیہ الرحمہ نے 'بے ہوش' کی بجائے 'بے خود' کا لفظ اسی لئے استعمال فرمایا ہے،تاکہ ظاہر ہوجائے کہ نبی کے ہوش و حواس ہمیشہ صحیح رہتے ہیں۔

اب اگر کسی حکمتِ بالغہ کے تحت اس پر ایسی کیفیت طاری کردی جائے،کہ وہ گم کردہ ہوش محسوس ہو،تو اس کیفیت کی تعبیر لفظ بے خودی سے زیادہ مناسب لگ رہی ہے۔جبھی تو جیسے ہی اس بے خودی سے افاقہ ہوا،تو حضرت کلیم کی زبان مبارک سے تسبیح ربانی ہی کے کلمات نکلے۔اور توبہ و استغفار ہی کے پھول جھڑے۔۔الغرض۔۔آپ پر بے خودی طاری ہوگئی اور یہ بے خودی جمعرات کی شام سے لیکر جمعہ کی شام تک مسلسل رہی۔اور وہ نویں ذی الحجہ کا دن تھا۔یہاں پر ایک اولوالعزم رسول کے تحمل اور انکی قوت برداشت کا اندازہ لگتا ہے

کہ جس تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا، اس تجلی سے حضرت کلیم پر صرف پورے ایک دن کی بے خودی طاری ہوسکی۔

(پھر جب) حضرت موسیٰ کو اپنی اس بے خودی سے **(افاقہ ہوا، تو)** مشاہدۂ جلوۂ ربانی کی عزت واحترام کے پیش نظر انھوں نے تعظیماً **(کہا کہ پاک ہے تو)**، یعنی تیری اجازت کے بغیر میرے سوال کرنے سے تیری تنزیہہ ہے۔ اور اجازت کے بغیر سوال کرنے کی جرأت سے میں نے توبہ کی۔۔الحاصل۔۔ **(میری توبہ ہے تیرے یہاں)**، یعنی تیرے حضور میں آئندہ اسطرح کا سوال نہ کرنے کا عزم بالجزم پیش کرر ہا ہوں۔۔یا یہ کہ۔۔میری اس سے توبہ ہے کہ میں نے موعودہ دیدار کا دنیا میں سوال کرلیا **(اور)** حال یہ ہے کہ تیری عظمت وجلال کا **(میں پہلا مومن ہوں)**۔

ظاہر ہے کہ نبی کا ایمان امتیوں کے ایمان پر مقدم ہوتا ہے۔۔یا۔۔ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں اپنے تجربے کی روشنی میں، کہ دنیا میں تیرا دیدار نہیں ہوسکتا۔۔۔پھر حضرت موسیٰ کے دل کی تسلی کے واسطے اور مقصود سے محروم رہنے میں جو رنج ہوا تھا، اُسے دفع کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ

فرمایا "اے موسیٰ بیشک میں نے چن لیا تم کو اوروں سے اپنے پیغاموں اور کلام سے۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو لے لو جو کچھ میں نے تم کو دیا، اور شکر گزار رہو"●

(فرمایا اے موسیٰ) اگرچہ تیرے حال کی درستگی اور تیری ذات کی بقا کے واسطے دیدار سے میں نے تجھے باز رکھا، تو اس پر تو غمگین نہ ہو، کیونکہ **(بیشک میں نے چن لیا تم کو اوروں سے)** یعنی دوسرے بنی اسرائیلیوں میں سے۔۔یا۔۔تمہارے عہد میں موجود لوگوں میں سے **(اپنے پیغاموں اور کلام سے)**۔ یعنی ہم نے تم کو اپنا رسول بنایا۔۔نیز۔۔اپنے سے ہم کلام ہونے کا شرف عطا کیا، **(تو لے لو جو کچھ میں نے تم کو) دے (دیا)** یعنی امر و نہی کے احکام۔ ان احکام کو لوگوں تک پہنچاتے رہو اور خود اس پر عمل کرتے رہو۔ **(اور)** میری اس عطا پر **(شکر گزار رہو)**۔ رسول اللہ ہونا اور پھر کلیم اللہ ہونا، یہ خدائے برتر وبالا کی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جن پر تاحیات شکر گزاری لازم وضروری ہے۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور لکھ دیا ہم نے انکے لئے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت، اور ہر چیز کی تفصیل۔

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا

تو اس کو مضبوطی سے لو اور حکم دو اپنی قوم کو کہ اختیار کریں اسکی خوبیوں کو۔

سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۴۵﴾

بہت جلد دکھادوں گا میں تم کو نافرمانوں کے گھر●

(اور لکھ دیا ہم نے)، یعنی قلم نے ہمارے حکم سے۔۔یا۔۔جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے کہا، تو انھوں نے قلمِ ذکر اور نہر النور کی روشنائی سے لکھ دیا **(انکے لئے)** یعنی حضرت موسیٰ کیلئے زمرد سبز کی تعداد میں سات۔یا۔نو۔یا۔دس۔۔اور۔۔دس۔یا۔بارہ گز طول رکھنے والی **(تختیوں میں)** دین کے باب میں جن چیزوں کی احتیاج پڑتی ہے **(ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل)**، یعنی اوامر ونواہی میں سے ہر ایک کی مکمل وضاحت۔ **(تو)** اے موسیٰ! **(اسکو مضبوطی سے لو)** اور نیک ارادے سے اپنالو **(اور)** پھر **(حکم دو اپنی قوم کو)** تا **(کہ)** صدق اور عزیمت کے ساتھ **(اختیار کریں اسکی خوبیوں کو)**۔

اور ظاہر ہے کہ ان میں جو کچھ تھا، وہ سب حَسَن یعنی اچھا ہی تھا۔ایک قول کے مطابق آیتِ کریمہ میں اَحسن سے عزائم مراد ہیں اور حَسَن رخصتیں ہیں، تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا، کہ: اے موسیٰ اپنی قوم کو تو حکم کردے، کہ عزیمت پر عمل کریں اور رخصت پر عمل نہ کریں۔۔یا یہ کہ۔۔فرائض ونوافل، حسن میں سب ہی داخل ہیں، لیکن ان میں فرائض احسن ہیں اسلیئے فرائض وواجبات ومؤکدات کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

اور اے بنی اسرائیلیو! تم کس خیال میں ہو؟ **(بہت جلد دکھادونگا میں تم کو نافرمانوں کے گھر)** یعنی انکے رہنے کی جگہ دوزخ کو۔۔یا۔۔تمہیں ولایت شام میں ہم داخل کرینگے اور جن اگلے لوگوں نے ہماری فرمانبرداری نہیں کی ہے، انکے اجڑے ہوئے مکانات تم کو دکھادینگے۔۔یا۔۔ہم تمہیں دکھادینگے مصر میں فرعون اور قبطیوں کے مکان، جو سب کے سب خراب اور ویران ہوگئے۔ان میں کوئی رہنے والا نہیں رہا، تا کہ ان سے تم عبرت پکڑو۔۔۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اور بہت جلد پھیر دوں گا میں اپنی آیتوں کی طرف سے انہیں، جو بڑائی کی ڈینگ لیتے ہیں زمین میں ناحق۔

وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

اور اگر وہ ساری نشانی دیکھ لیں تو بھی نہ مانیں۔ اور اگر راہ ہدایت دیکھیں تو اسے راہ نہ

سَبِيْلًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

بنائیں۔ اور اگر دیکھ پائیں گمراہی کی راہ، تو چل پڑیں۔ یہ اسلئے کہ انھوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اس سے غفلت برتتے تھے●

(اور) بغور سن لو! کہ (بہت جلد پھیر دونگا میں اپنی آیتوں) یعنی قرآن کریم۔۔یا۔۔اپنی قدرت کی دلیلوں، جو ملکوں اور ذاتوں میں ہم نے امانت رکھی ہے، کے سمجھنے اور ان میں غور وفکر کرنے (کی طرف سے انھیں، جو بڑائی کی ڈینگ لیتے ہیں زمین میں ناحق)۔ ایسے متکبروں کے دلوں پر، ہم مہر کر دیتے ہیں، تاکہ ہماری بات نہ سمجھ سکیں۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ باطل دعوے کرنے والوں کے دلوں کو ان حکمتوں سے سرفراز کرے، جو قرآن میں ہیں۔ اسی لئے ایسوں کے دلوں سے قرآنی حکمتیں قبول کرنے کی قابلیت سلب فرمادی۔ ان متکبرین کی حالت یہ ہے۔۔۔

(اور) انکی ذہنی سوچ ایسی ہے، کہ (اگر) بالفرض (وہ ساری نشانی دیکھ لیں) اور نبی کے سارے معجزات کا مشاہدہ کرلیں۔۔یا۔۔ہمارے نازل فرمودہ پیغامات سے باخبر ہوجائیں، (تو بھی نہ مانیں) گے اپنے عناد کی وجہ سے، (اور) یونہی (اگر) یہ مغرورین (راہِ ہدایت دیکھیں، تو) اسی بغض و عناد کے سبب (اسے) اپنے چلنے کی (راہ نہ بنائیں) اور اسکی متابعت نہ کریں (اور) اسکے برخلاف یہ عقل و دانش سے عاری لوگ اور پیکرانِ بغض وعناد (اگر دیکھ پائیں گمراہی کی راہ، تو) بغیر سوچے سمجھے اسی پر (چل پڑیں)۔ ذہن نشین رہے کہ (یہ) یعنی انکے دلوں کو آیتوں کو سمجھنے سے پھیر دینا (اسلئے) اور اس سبب سے ہے، (کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) یعنی ہمارے کلام کو جھوٹ سمجھا۔۔چنانچہ ۔۔اس میں غور وفکر کرنے سے (اور) اسپر اعتبار کرنے سے بھاگتے تھے، بلکہ (اس سے) مجرمانہ (غفلت برتتے تھے) اور بربنائے عناد، جان بوجھ کر اسکی تکذیب کرتے تھے۔سنو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کے ملنے کو، اکارت گئے ان کے سب عمل۔

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

انھیں بدلہ نہ دیا جائے گا، مگر جو ان کے کرتوت تھے●

(اور) یاد رکھو کہ (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کے ملنے کو)، یعنی ایک طرف قرآن و معجزات کے منکر ہوئے، اور دوسری طرف آخرت کے ملنے کو بھی جھٹلا دیا، تو (اکارت) ہو (گئے انکے سب عمل) جو اس جہان میں کئے تھے، اسلئے (انھیں) انکے کسی عمل کا نیک (بدلہ نہ دیا جائیگا)۔ وہ کسی نیک اجر کے مستحق ہی کہاں تھے۔ ہاں (مگر) انھیں ضرور ضرور سزا دی جائیگی، بالکل اسکے مطابق (جو انکے کرتوت تھے) اور جو دنیا میں انکی بداعمالیاں تھیں۔

سابقہ آیت میں نافرمانوں کی ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کی گئی، کہ وہ راہِ ہدایت کو دیکھ لینے کے بعد بھی اس پر آنے سے گریز کرتے ہیں اور اسکے برخلاف گمراہی کے راستے پر بغیر سوچے سمجھے چل پڑتے ہیں۔۔ بلکہ۔۔ گمراہی کو اپنانے میں کافی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جسکی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر چلے گئے، تو انکی قوم نے انکی واپسی کا انتظار نہیں کیا۔۔۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

اور گڑھ لیا قوم موسیٰ نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا، مورتی گائے کی طرح بولتی۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

کیا یہ انھوں نے نہ دیکھا؟ کہ وہ نہ ان سے بولے اور نہ راہ بتائے انھیں۔۔ اس کو بنالیا، اور بڑے اندھیر کے لوگ تھے●

(اور گڑھ لیا قوم موسیٰ نے) یعنی موسیٰ بن ظفر سامری نے۔

جسکی قوم گوسالہ پرست تھی اور جو خود اگرچہ اسرائیلی نہیں تھا، لیکن انکا پڑوسی تھا اور فرعونیوں کی طرف سے ہونے والے مصائب و مظالم میں انکا شریک تھا۔۔ چنانچہ۔۔ بنی اسرائیلیوں کے ساتھ وہ بھی ہوگیا اور ان میں شامل ہوگیا۔ وہ سنار کا کام بخوبی جانتا تھا، تو وہ اور اسکے دوسرے معاونین نے۔۔۔

گڑھ لیا (انکے) یعنی حضرت موسیٰ کے طور پر چلے جانے کے (بعد اپنے) ان (زیوروں سے) جنھیں بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے عاریۃً حاصل کئے تھے۔

تو جب وہ دریا کے پار اترے اور قبطی ڈوب گئے تو وہ سارے زیورات انکے پاس رہ گئے، جو حضرت ہارون کے حکم سے اکٹھا کردیئے گئے، جسے حضرت ہارون نے سامری کے پاس بطور امانت جمع فرمادیا، کہ جب حضرت موسیٰ آئینگے، تو اسکے تعلق سے جو حکم فرمائینگے اس پر عمل کیا جائیگا۔

۔۔الختصر۔۔سامری نے عجلت پسندی سے کام لیا اور بنالیا ان زیورات سے **(ایک بچھڑا)** یعنی **(مورتی گائے کی طرح بولتی)**، یعنی آواز نکالتی تھی گائے کی آواز کی طرح۔

اسکے آواز نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا، تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا اور انکے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے سے مٹھی بھر خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی۔ جب قالب سے ڈھل کر بچھڑے کی صورت نکلی، تو سامری نے اس خاک میں سے تھوڑی سی اسکے منہ میں ڈال دی۔ حق تعالیٰ نے اس خاک کی برکت کو ظاہر فرمادیا اور اُس بچھڑے کو زندہ کردیا اور اس نے آواز کی۔ جب اس بچھڑے کی آواز بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے کان میں پہنچی، تو اپنی شامتِ نفس سے۔۔یا۔۔سامری کے ورغلانے سے سجدے میں گر پڑی۔ ایسوں کی ناسمجھی کو ظاہر کرنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

(کیا) اسکا سجدہ کرنے سے پہلے **(یہ انھوں نے نہ دیکھا)** اور ذرا بھی چشم بصیرت اور فہم و فراست سے کام نہیں لیا، **(کہ وہ نہ ان سے)** حقیقی اور ذاتی صفتِ کلام سے متصف ہو کر **(بولے، اور نہ)** ہی حقیقی اور ذاتی طور پر ہدایت دہندہ ہو کر **(راہ بتائے انھیں)**، تو ان نادانوں نے **(اسکو بنالیا)** اپنا معبود۔ یہ کتنی جہالت کی بات ہے؟ اسلئے کہ معبود تو وہی ہوتا ہے جو اپنی جملہ صفات و کمالات میں مستقل بالذات ہو اور کسی کا محتاج نہ ہو، بلکہ غنی علی الاطلاق ہو۔ مگر ان لوگوں نے یہ سب کچھ نہیں سوچا **(اور)** ذرّہ برابر بھی غور و فکر سے کام نہیں لیا، اور بھلا انھیں اسکی توفیق کیسے ہوتی، اسلئے کہ وہ **(بڑے اندھیر کے لوگ تھے)**۔

یہ کتنے اندھیر کی بات ہے اور کتنا بڑا ظلم صریح ہے کہ جو خدائے وحدہ لاشریک کا حق تھا، یعنی پوجنا، اُسے خود اپنے ہاتھ سے گڑھے ہوئے بچھڑے کو دیدیا۔ کاش یہ سوچتے کہ خود اپنی مصنوع کو پوجنے والا، ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے مقام و مرتبہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے، جو سراپا اخلاص ہو کر اپنے صانع حقیقی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ رَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا

اور جب اپنے ہاتھوں شرمندگی میں گرے، اور دیکھ لیا کہ بیشک بہک گئے تھے، کہنے لگے، "اگر رحم نہ فرمایا ہم پر ہمارے

رَبُّنَا وَ یَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

پروردگار نے، اور ہم کو بخش نہ دیا، تو ہم دیوالیے ہوگئے"●

بالآخران نادانوں کو ذلت (اور) رسوائی کا چہرہ دیکھنا پڑا۔۔چنانچہ۔۔(جب اپنے ہاتھوں شرمندگی میں گرے) یعنی انھیں پشیمانی اسطرح حاصل ہوئی، جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ میں کوئی چیز پاتا ہے۔۔الختصر۔۔بچھڑے کی پرستش کرنے والے اسکی پرستش سے پشیمان وشرمندہ ہوئے (اور) صاف طور پر (دیکھ لیا) اور اچھی طرح سے سمجھ لیا، (کہ بیشک) وہ (بہک گئے تھے) تو بکمال ندامت وہ (کہنے لگے) کہ (اگر رحم نہ فرمایا ہم پر ہمارے پروردگار نے) ہماری توبہ قبول فرما کر، (اور ہم کو بخش نہ دیا، تو ہم) ضرور بالضرور (دیوالئے ہوگئے) اور زیاں کاروں اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو طور ہی پر انکی قوم کے بعض لوگوں کے گوسالہ پرستی والے کرتوت سے آگاہ فرمادیا تھا۔۔۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ

اور جب لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بڑے غصہ میں رنجیدہ، بولے "کہ بری جانشینی کی تم نے میری

بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّکُمۡ ۚ وَ اَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡهِ یَجُرُّهٗۤ

میرے بعد، کیا تم نے حکم پروردگار سے جلد بازی کردی"، اور تختیاں ڈال دیں۔ اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف

اِلَیۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَ کَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ۫ۖ

کھینچنے لگے، انھوں نے کہا، کہ "اے میرے ماں جائے، بیشک قوم نے مجھ کو کمزور جانا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں،

فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ وَ لَا تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾

تو ہنسنے نہ دیجئے مجھ پر دشمنوں کو، اور نہ مجھ کو ان ظالموں میں شمار کیجئے"●

(اور) انکی عدم موجودگی میں قوم نے جو حرکت کی تھی، اس سے باخبر فرمادیا تھا۔۔چنانچہ۔۔طور سے فارغ ہوکر (جب لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بڑے غصہ میں) اور (رنجیدہ) خاطر۔۔چنانچہ۔۔اپنی قوم کو مخاطب فرما کر (بولے، کہ بری جانشینی کی تم نے میری میرے بعد) یعنی میری مفارقت کے

بعد اور طور پر جانے کی وجہ سے تم میں عدم موجودگی کے سبب، ذرا بھی تم لوگوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا، تو (کیا) تمہارے اس عاجلانہ اور غیر عاقلانہ اقدام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، کہ (تم نے حکم پروردگار سے جلد بازی کردی) اور اتنا بھی صبر نہ کیا کہ میں آؤں اور خدا کا حکم تم کو پہنچاؤں۔

پھر حضرت کلیم نے گوسالہ کو جلا کر اسکی خاک کو سمندر میں ڈلوا دیا اور اسکو نیست و نابود کر دیا۔ اس مقام پر یہ خیال رہے کہ غضب کی دو قسمیں ہیں، ایک 'محمود' ہے اور دوسرا 'مذموم' ہے۔ اگر دین اور حق کی خاطر بندہ غضب میں آئے، تو یہ غضب 'محمود' ہے۔ اور اگر اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا نہ ہونے۔۔یا۔۔ناجائز حکم کے نہ ماننے یا اس کی ممانعت کرنے کی وجہ سے غضب میں آئے، تو یہ غضب 'مذموم' ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو غضب میں آئے تھے، وہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک کی وجہ سے تھا، تو آپکا یہ غضب 'محمود' تھا ۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اُس غضب کے روکنے اور انتقام نہ لینے کی ترغیب دی ہے، جو انسان اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے کرتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا، تو وہ حمیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آگئے، اور انھوں نے اپنے ہاتھوں کو جلد فارغ کرنے کیلئے عجلت سے وہ الواح (اور تختیاں ڈالدیں) یعنی زمین پر رکھ دیں، تا کہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں اور انکو اپنے قریب کر کے ان سے معلوم کر سکیں، کہ انھوں نے بنو اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی کیوں نہیں کی؟

چونکہ یہ سب غضبِ محمود کے تحت خالصاً لوجہ اللہ تھا، اسلئے یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، اور نہ ہی یہ عمل حضرت ہارون کی توہین کی غرض سے کیا گیا۔ اب اگر یہ عجلت زمین پر تختیوں کے رکھنے کی وجہ سے بعض تختیاں ٹوٹ گئیں، تو یہ ایک اتفاقی چیز ہے، جسکے تعلق سے حضرت موسیٰ کو گمان بھی نہیں تھا، کہ ایسا ہو جائیگا۔ ویسے بھی تختیوں کے ٹوٹنے کی بات متفقہ نہیں۔ بہت سارے محققین نے اسکا انکار بھی کیا ہے، اگر چہ بعض کتابوں میں ٹوٹنے کے تعلق سے روایت موجود ہے۔

اور جب اس واقعہ کے ہونے اور نہ ہونے کے تعلق سے خود عظیم المرتبت ائمہ کے نزدیک اتفاقِ رائے نہیں ہے، تو اسکے کسی بھی پہلو کو صحیح ثابت کرنے کیلئے شدت برتنے کی ضرورت نہیں، بلکہ یا تو یہ کیا جائے کہ جس پہلو کو مراد لینے میں [illegible]

ظاہر ہوتا ہو، اسی کو اپنا لیا جائے۔۔یا۔۔ ہر ہر پہلو کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے ادب واحترام پر آنچ نہ آئے۔اوپر میں نے اسی خیال کو نصب العین بنا کر تشریح پیش کی ہے۔
۔۔الحاصل۔۔مذکورہ بالا حکمت (اور) مصلحت کے پیش نظر حضرت موسیٰ اپنے غصہ کے دباؤ میں، نہ کہ اہانت کیلئے، (اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے) اور اپنے قریب کرنے لگے، تا کہ معلوم کر سکیں کہ ایسا کیسے ہو گیا اور قوم کو سمجھانے میں کیا کمی رہ گئی۔جب حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون سے یہ دریافت کیا، تو (انھوں نے کہا کہ اے میرے ماں جائے)،

اگر چہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے حقیقی بھائی تھے، لیکن اس مقام پر انکے دل کو نرم کرنے کیلئے ماں کو یاد کیا، کیونکہ بہ نسبت باپ کے، ماں زیادہ رحیم وشفیق ہوتی ہے۔۔الغرض ۔۔حضرت ہارون نے کہا کہ اے میرے بھائی میں نے انکی تبلیغ وہدایت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور نہ میری طرف سے انکو سمجھانے میں کسی کمی ہی کا مظاہرہ کیا گیا، بلکہ صورت حال یہ ہوگئی تھی، کہ۔۔۔

(بیشک قوم نے مجھ کو کمزور جانا) اور بے چارہ محسوس کیا اور تنہا پا کر کمزور سمجھا۔(اور) انکی سرکشی یہاں تک بڑھ گئی تھی، کہ (قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں) کیونکہ میں انکو گوسالہ پرستی سے منع کرنے میں بے حد مبالغہ اور اصرار کرتا تھا۔اسلئے وہ میرے دشمن ہو گئے، اور میرے قتل کے بارے میں سوچنے لگے۔تو اے میرے بھائی آپ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں، جس سے دشمن اپنی کم عقلی کی بنیاد پر میری توہین سمجھنے لگیں اور پھر مذاق اڑائیں۔

(تو) برائے کرم (ہنسنے نہ دیجئے مجھ پر دشمنوں کو) اور انکے دلوں میں میری اہانت کی جو آرزو ہے، اُسے پورا نہ ہونے دیجئے۔(اور نہ مجھ کو ان ظالموں میں شمار کیجئے)۔یعنی میں نے گوسالہ پرستی نہیں کی ہے اور میں اپنی قوم کے شرک سے بری ہوں۔۔۔اپنے بھائی کے معروضات جب سن چکے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ

تو کہا موسیٰ نے، کہ "پروردگارا بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور جگہ دے ہم کو اپنی رحمت میں،

وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"●

ع ۱۸ / ۸

(تو کہا موسیٰ نے کہ پروردگارا بخش دے مجھے) اس کام میں جو میں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کیا۔۔یا۔تختیاں اس تیزی سے زمین پر رکھیں، کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ میں نے انھیں پھینک دیا (اور) بخش دے (میرے بھائی کو)، اگر اس نے منع کرنے میں کچھ کمی کی ہو، (اور جگہ دے ہم کو اپنی رحمت میں) یعنی دنیا میں اپنی عصمت کی پناہ میں ہمیں داخل کر اور عقبیٰ میں ریاضِ جنت میں، (اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے) اس واسطے کہ سب کا رحم تیرے ہی رحم کے اثر کے سبب سے ہے، اور تیری ہی نظرِ رحمت کے باعث سے ہے۔رہ گئے وہ لوگ جہالت کی وجہ سے۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ

بیشک جنھوں نے بنایا تھا بچھڑا کو بہت جلد پہنچے گا ان تک غضب ان کے پروردگار کا، اور رسوائی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

دنیاوی زندگی میں۔اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں گڑھنت والوں کو●

(بیشک جنھوں نے بنایا تھا بچھڑا کو) اپنا خدا اور اپنا معبود، وہ بے فکر نہ رہیں، کہ ان سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، اور وہ یونہی آزاد چھوڑ دیئے جائینگے، بلکہ وہ یقین رکھیں کہ (بہت جلد پہنچے گا ان تک غضب، انکے پروردگار کا)۔اور وہ غصہ وہی تھا جو حق تعالیٰ نے حکم فرمادیا کہ ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو (اور) علاوہ ازیں (رسوائی دنیاوی زندگی میں)، بایں طور کہ ماتحت ہوکر جزیہ دیں۔۔یا۔۔ جلاوطن کردیئے جائیں۔سن لو (اور) یاد رکھو کہ جس طرح ہم نے بچھڑا پوجنے والوں کو سزا دی ہے (اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں گڑھنت والوں کو)، یعنی جھوٹ بولنے والوں، خدا پر افتراء کرنے والوں، اور بری اور ناپسندیدہ رسم ورواج ایجاد کرنے والوں کو۔۔۔اور پھر اپنے اعمالِ بد پر توبہ نہ کرنے والوں کو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ

اور جنھوں نے برائیاں کیں اور توبہ کرلی اس کے بعد، اور ایمان لے آئے،

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

تو بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد غفور رحیم ہے●

انکے برخلاف (اور) برعکس (جنھوں نے برائیاں کیں) یعنی گناہِ صغیرہ۔۔یا۔۔کبیرہ کا ارتکاب کیا۔۔یا۔۔کفروشرک کر بیٹھے (اور) پھر دل کی سچائی کے ساتھ (توبہ کرلی اسکے بعد) اورعزم بالجزم کرلیا کہ اب ان برائیوں کے قریب نہ جائینگے (اور) پھر خالصاً لوجہ اللہ (ایمان لے آئے) اور اپنے رسول کی جملہ ہدایات کو دل سے قبول کرلیا، اور پھر اس پر ایماندارانہ عمل کرتے رہنے کیلئے اپنے کو پورے طور پر مستعد کرلیا۔۔الغرض۔۔ سچی اور کھری توبہ کرلی، (تو بیشک تمہارا پروردگار) اس کی (اس) توبہ (کے بعد) اس کیلئے (غفور رحیم ہے) یعنی وہ بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کے گناہ کو، اوران پر انکی توبہ قبول کرنے میں مہربان ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى

اور جب تھما موسیٰ کا غضب، تو اٹھالیا تختیوں کو، اوراس کے نوشتہ میں ہدایت

وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ورحمت ہے انکے لئے، جو اپنے پروردگار سے کانپتے ہیں●

(اور جب تھما موسیٰ کا غضب)

یعنی جب وہ غصہ جاتا رہا، جس غصہ نے حضرت موسیٰ کواس کام پر ابھارا جوانھوں نے انجام دیا۔ **(تو اٹھالیا تختیوں کو)** جوڈال دی تھیں۔ اسکی تحریر **(اوراسکے نوشتہ میں)** یعنی اس میں جوان پر لکھا تھا **(ہدایت)** ہے گمراہی سے **(ورحمت ہے)** یعنی گناہوں سے پاک ہوجانا ہے، **(انکے لئے جو اپنے پروردگار سے کانپتے ہیں)** اور ڈرتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے، جورب تبارک وتعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہو۔۔الختصر۔۔ان تختیوں کی ہدایات سے فائدہ اٹھانے والے لوگ یہی تقوی شعار لوگ ہیں۔

گوسالہ پرستی کے تعلق سے جو واقعہ اوپر مذکور ہوا، اس سے ظاہر ہوا کہ سارے بنی اسرائیلیوں نے یہ کام نہیں کیا تھا، مگران سب کا قصور یہ تھا، کہ انھوں نے اس کام سے دوسروں کو روکا بھی نہیں تھا۔ صرف حضرت ہارون ہی تھے جو شدومد کے ساتھ روکتے رہے، گوقوم نے انکا خیال نہ کیا، مگر وہ خلافتِ موسوی کا حق ادا کرتے رہے۔۔بااِیں ہمہ۔۔اسرائیلیوں کو اخروی ہلاکت سے بچانے کیلئے حضرت موسیٰ کورب کریم، صاحب فضل عظیم نے یہ حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے نیک لوگوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ طور پر لیجائیں اوروہ لوگ

وہاں بچھڑے کی پرستش سے عذر کریں، اور توبہ واستغفار پیش کریں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بات کہی، تو انھوں نے مان لی۔۔۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چنا موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر مرد ہمارے وعدہ کیلئے۔ پس جب پڑا انھیں زلزلہ،

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

عرض کیا پروردگارا "اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی۔ کیا برباد کرے گا تو ہم کو اس کے بدلے،

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا، یہ صرف تیری آزمائش ہے۔ اُس سے جسکی چاہے گمراہی بتادے اور جسکو چاہے راہ

مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

دیدے۔ تو ہمارا مولیٰ ہے، تو ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے●

(اور) پھر (چنا موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر" مرد) جس وقت کا ہم نے وعدہ لیا تھا (ہمارے وعدہ) کے اس وقت (کیلئے)۔

حضرت کلیم کے میقاتِ مناجات وہم کلامی کے بعد، یہ دوسرا میقات توبہ وعذر خواہی طے فرمایا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت موسیٰ سب کو وقت موعود پر حاضر کرانے کیلئے لیکر چل پڑے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے کہا کہ خدا نے موسیٰ سے کلام نہیں کیا اور جو کچھ تختیوں پر ہے، یہ سب حضرت موسیٰ ہی کا کلام ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اولادِ یعقوب میں سے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لا، کہ وہ میرا کلام سنیں اور اس پر گواہ رہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر" آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور جب طور پر پہنچے تو ابر پیدا ہوا، اور وہ ابر موسیٰ علیہ السلام اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہوگیا۔۔ الختصر۔۔ موسیٰ علیہ السلام ابر کے پردے میں آگئے اور انکی قوم کے نیک لوگ سجدے میں گر پڑے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور امر و نہی وعدہ ووعید فرمائے۔ پھر جب ابر کھلا، تو موسیٰ علیہ السلام باہر آئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ تم نے میرے پروردگار کا کلام سنا، وہ بولے کہ ہاں کلام تو سنا، مگر کلام کرنے والا معلوم نہ ہوا۔ ہم تو جب ایمان لائینگے اور

اس کلام کو کلام الٰہی باور کرینگے، کہ خدا کو ظاہر میں دیکھیں اور پھر اسکا کلام سنیں۔
یہیں سے فرق ظاہر ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کی ہم کلامی کی شان کچھ اور تھی جو انھیں کے ساتھ مخصوص تھی اور جو حضرت کلیم کی عزت واحترام کو نمایاں کرنے کیلئے تھی۔ اسکے برخلاف حق تعالیٰ نے انکی قوم کے منتخب افراد کو جو سنایا، وہ انکے امتحان وآزمائش کے طور پر سنایا۔۔
الختصر۔۔ جب بنی اسرائیلیوں نے اپنی اس جسارت کا مظاہرہ کیا، تو وہ سزا کے مستحق ہو گئے۔
(**پس جب پڑا انھیں زلزلہ**) کڑک دار بجلی کی آواز سے زمین ہل گئی اور زلزلہ آ گیا۔
اب خواہ وہ بجلی سے جل کر ختم ہو گئے۔۔یا۔۔مہیب آواز کو سن کر دہل اٹھے اور پھر مر گئے ۔۔یا۔۔انکے بدن پر ایسا لرزہ چڑھا کہ انکے جوڑ بند ٹوٹنے کے قریب ہو گئے اور حضرت موسیٰ کو اندیشہ لگا کہ کہیں یہ مر نہ جائیں اور بنی اسرائیل مجھ پر انکی موت کا الزام لگائیں۔
۔۔الختصر۔۔ان میں سے جو بھی صورت حال ہو، حضرت موسیٰ مضطرب ہو گئے اور دعا مانگنے لگے اور (**عرض کیا پروردگارا اگر تو چاہتا، تو**) انکی گوسالہ پرستی کی وجہ سے (**انکو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اور**) قبطی کو مار ڈالنے کے سبب سے (**مجھ کو بھی**) اپنے عتاب کا شکار بنا دیتا۔ مگر تو نے ہم سب پر کرم فرمایا اور ہم کو اپنی مغفرت ورحمت کے سایے میں رکھا۔ تو (**کیا**) اب (**برباد کرے گا تو ہم کو اسکے بدلے جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا**)۔ ایک طرف تو انھوں نے اپنی بے وقوفی میں بچھڑے کی پرستش کی ۔۔تو۔۔دوسری طرف اپنی حماقت میں دیدارِ الٰہی طلب کرنے میں جرأت کی۔
اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آخر ان دونوں باتوں کا داعیہ انکے دلوں میں کیسے پیدا ہوا؟
حقیقت یہ ہے کہ (**یہ صرف تیری آزمائش ہے**) اپنے بندوں کو جس میں تو مبتلا فرماتا ہے۔ تو نے انھیں اپنا کلام سنایا اور اسکی لذت سے محظوظ کیا، تو انھوں نے دیدار طلب کرنے میں جرأت کی، کہ جب تیرے کلام میں یہ لذت ہے، تو دیدار کا عالم کیا ہوگا؟۔۔یونہی۔۔تو نے بچھڑے میں آواز پیدا کر دی، تو وہ اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ نہ تو ان سے کلام فرماتا، نہ یہ طالب دیدار ہوتے۔۔یونہی۔۔نہ تو بچھڑے میں حیات ڈالتا، نہ یہ اسکی طرف جھکتے۔
تو دراصل یہ دونوں چیزیں تیری طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہیں۔ اور تیری سنت قدیمہ ہے کہ تو بندوں کی آزمائش فرماتا رہتا ہے، اور انکا امتحان لیتا رہتا ہے، تاکہ (**اس سے جسکی چاہے گمراہی بتادے**) اور اسکی بے راہ روی کو واضح فرمادے (**اور جسکو چاہے راہ دیدے**)۔۔الغرض۔۔اسی آزمائش

کے ذریعہ جسے چاہتا ہے کہ راہ پائے، اُسے راہ ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ **(تو ہمارا مولیٰ)** مالک ومختار (ہے)، تو جو چاہے کرے۔ تو اپنے چاہے پر قدرت والا ہے، **(تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما)**۔ اور ہم میں جو تیری آزمائش پر صحیح نہیں اترے، انھیں بھی سچی اور کھری توبہ کی توفیق عطا فرما کر اپنے دامن عفوو مغفرت کے سایے میں جگہ عطا فرما دے۔ ہمیں تجھی سے مغفرت ورحمت کی امید ہے (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(تو) ہی (سب سے اچھا بخشنے والا ہے)**۔ تیرے سوا جتنے عطا کرنے والے ہیں، وہ کسی نہ کسی غرض سے عطا کرتے ہیں، خواہ وہ دنیا کی غرض ہو۔۔یا۔۔آخرت کی، لیکن تو ہی ایک ایسا دینے والا ہے جو ہمیشہ دیتا رہا۔۔آج بھی دے رہا ہے، اور ہمیشہ دیتا رہیگا، مگر اس سے تیری اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں۔۔بلکہ۔۔جس کو دیا جو کچھ دیا، جو کچھ دے رہا ہے، اور جو کچھ دیتا رہیگا وہ صرف تیرا فضل وکرم تھا اور ہے۔۔نیز۔۔رہیگا۔

بارگاہِ خداوندی میں حضرت کلیم کی یہ ساری گفتگو اور اپنے مدعا کے اظہار میں بے باکی، نازِ مقام محبوبیت کا مظاہرہ ہے۔ عاشقوں کی اسطرح کی جرأت ترکِ ادب نہیں، بلکہ عین ادب ہے۔ اسی لئے اسطرح کلام عرض کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نازل نہیں ہوا، اور نہ ہی کوئی اصلاح فرمائی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ **رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ** نے انھیں چھوٹ دے رکھی ہے، کہ انکے دل میں اپنی قوم کی نجات ومغفرت کے تعلق سے جو نیک جذبات ہیں اسکا کھل کر اظہار کریں۔

حضرت کلیم نے اپنے کلام کے بین السطور سے یہ بھی ظاہر فرما دیا، کہ ہمارا رب کریم ایسا ہرگز نہیں کریگا، کہ وہ بعض جاہلوں اور بیوقوفوں کی جہالت وحماقت پر مبنی انکے فعال کے نتیجے میں پوری قوم کو ہلاک فرما دے۔۔الختصر۔۔حضرت کلیم اپنی قوم کیلئے خصوصی مراعات حاصل کرنے کیلئے، بارگاہِ خداوندی میں دعائیہ کلمات پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، کہ اے فضل وکرم اور بخشش وعطا والے رب کریم، کرم فرما۔۔۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

اور تقدیر لکھ دے ہماری بھلی اس دنیا میں اور آخرت میں، بیشک ہم نے تیری راہ پائی۔" فرمایا

عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

"میرا عذاب! بھیجوں جس پر چاہوں، اور میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ تو بہت جلد اسے لکھ دوں گا

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

انکے لئے جو ڈریں اور زکوۃ دیں اور وہ جو ہماری آیتوں کو مانیں"●

(اور تقدیر لکھ دے ہماری بھلی اس دنیا میں) یعنی اس دنیا میں ہمارے لئے احکام شرعیہ کو آسان فرمادے۔

کیونکہ بنواسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔انکی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کردیں۔ انکو تیمم کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ روزہ کا دورانیہ رات و دن کو محیط تھا۔ مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ کپڑے اور بدن پر جس جگہ نجاست لگ جائے اُسے کاٹنا پڑتا تھا۔گنہ کار اعضاء کو کاٹنا ضروری تھا۔قتل خطا اور قتل عمد میں قصاص لازمی تھا، دیت کی رخصت نہیں تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہیں تھی اور بہت سخت احکام تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ دنیا میں انکے لئے یہ احکام شرعیہ آسان ہوجائیں۔ یہ دنیا کی بھلائی تھی۔

تو اے رب کریم! اپنے فضل و کرم سے ہمارے لئے دنیا کی مذکورہ بالا بھلائی لکھ دے **(اور آخرت میں)** بھی ہمارے لئے بھلائی مقدر فرمادے۔

آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ کم عمل پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے۔انکو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔حضرت موسیٰ چاہتے تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا۔۔یا۔۔سات سو گنا اجر عطا کیا جائے۔

مولیٰ تعالیٰ! یہ تیرا فضل و کرم ہی ہے کہ **(بیشک ہم نے تیری راہ پائی)** اور تیری طرف رجوع کیا اور طلب مغفرت و رحمت کیلئے تیری بارگاہِ رحمت میں حاضر ہوگئے۔ہم اپنی اس غلطی سے بھی توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے تیری رؤیت کا مطالبہ کردیا تھا۔اسکے باوجود تیرے لطف و کرم سے بعید ہے کہ ہماری توبہ قبول نہ ہو۔اور ہم نے اپنی قوم کیلئے جو بھلائی چاہی وہ ہمیں حاصل نہ ہو۔

لیکن۔۔چونکہ۔۔مذکورہ بالا معنی میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیدنا محمد ﷺ کی امت کیلئے مخصوص کردی تھی، اسلئے یہ بھلائی حضرت موسیٰ کی امت کی بجائے، ہمارے نبی ﷺ کی امت کو عطا فرمائی۔

اور حضرت موسیٰ سے **(فرمایا)** کہ اے موسیٰ! تم تو بخوبی واقف ہو، کہ یہ میرا ضابطہء عدل و

فضل ہے کہ (میرا عذاب) جسکی صفت یہ ہے کہ اسکو (بھیجوں) اور نازل فرماؤں کافروں میں سے (جس پر چاہوں)، کوئی اس عذاب کو دفع کرنے والا نہیں۔ (اور میری رحمتِ) امتنانیہ جسکی شان یہ ہے، کہ وہ (ہر چیز سے وسیع ہے)۔ یہ میری رحمت ہی تو ہے جو دنیا میں مومن وکافر، نکوکار و گنہگار سب کو شامل ہے۔ سب کو وجود بخشنے والا میں ہی ہوں۔۔ نیز۔۔ سب کو ہر حال میں روزی دینے والا، پرورش فرمانے والا، میرے سوا کون ہے؟ یہاں تک کہ مخلوقات کے دلوں میں جو ایک دوسرے سے مہربانی کا جذبہ ہے، وہ بھی میرا ہی عطا کردہ ہے۔

اور اگر یوں دیکھا جائے، کہ یہ رحمت تو یہ ہے، کہ علی العموم سب پر اس رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو بھی ہر ایک پر اس رحمت کا سایہ گستر ہونا صاف نظر آتا ہے۔ کوئی سوال کرے، یا نہ کرے وہ سب کو عطا فرماتا ہے۔ کوئی مستحق ہو یا نہ ہو، وہ سب کو دیتا ہے۔ کسی طرح کی خدمت ودعا سے پہلے وجود کا استحقاق اور پھر فیض وجود کے بعد استفادہ کی لیاقت اور استفاضہ کی قابلیت عطا فرمانا، یہ سب رحمتِ عامہ کی کارفرمائیاں نہیں ہیں، تو اور کیا ہیں؟

اب رہ گئی ہماری وہ رحمتِ خاص جسکو ہم نے خود اپنے ذمہءِ کرم میں رکھ لیا ہے، تو اگرچہ بندوں کو اس رحمت کا استحقاق بھی ہماری رحمت امتنانیہ ہی کا نتیجہ ہے، لیکن اسکو بندوں ہی کے فائدے کیلئے چند شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ تو اس لحاظ سے اس رحمت کو رحمت خاصہ ومقیدہ بھی کہہ سکتے ہیں جو خاص خاص بندوں ہی کا حصہ ہے۔۔ لہٰذا۔۔ ہماری رحمت عامہ کے جلووں کو دیکھ کر شیطان خود کو مستحق رحمت نہ گمان کرنے لگے۔ اسلئے کہ ہماری یہ رحمت انھیں کیلئے ہے، جو اہل تقویٰ ہیں اور شرک وکفر سے بچنے والے ہیں۔

(تو) اس رحمت خاص کا دنیا و آخرت میں استحقاق، (بہت جلد اسے لکھ دونگا) اور مقرر وثابت کر دونگا (انکے لئے جو ڈریں) اللہ تعالیٰ سے اور اپنے کو کفر وشرک سے بچائیں۔ تو اب عزازیل جیسے سرکش اور متمرد کیلئے اس رحمت میں کیا حصہ رہ جاتا ہے؟ یہ تو صرف تقویٰ والوں کا مقدر ہے، جو خدا سے ڈرتے رہیں (اور) سارے فرائض وواجبات کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اس عمل خاص کو انجام دیں جسکی ادا انسان کو شاق محسوس ہوتی ہے، یعنی (زکوٰۃ دیں) جذبہءِ اخلاص کے ساتھ، (اور) جن کی یہ شان ہو اور (وہ) ایسے ہوں (جو ہماری) نازل فرمودہ (آیتوں کو مانیں)۔

اس مقام پر یہود ونصاریٰ بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں اور یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم

بھی تو آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، تو ہمارے واسطے بھی یہ رحمت خاص ثابت ہوگی اور ہم بھی اس کے مستحق قرار پائینگے، تو اللہ تعالیٰ نے انکی امید کو منقطع فرمادیا، کہ جس رحمت خاص کا ذکر ہورہا ہے، یہ رحمت امت مرحومہ محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔۔ چنانچہ۔۔ دنیا وآخرت میں مذکورہ بالا تمام رعایتیں، سہولتیں اور انعامات وعنایتیں ان لوگوں کیلئے مخصوص ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

جو لوگ پیچھے چلیں اِس رسول نبی اُمّی کے، کہ پاتے ہیں جس کو لکھا ہوا

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ

اپنے پاس توریت وانجیل میں، کہ حکم دیں ان کو نیکی کا اور روکیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

برائی سے، اور حلال کریں انکے لئے پاکیزہ چیزیں، اور حرام کردیں ان پر گندگیوں کو، اور اتار دیں ان سے

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ

ان کے بوجھ، اور سارے طوق جو گلے پڑے ہیں۔ تو جو ان کو مان گیا، اور حق تعظیم ادا کیا اور

نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ١٥٧ؑ

حمایت کی، اور پیروی کی اس نور کی، جو ان کے پاس نازل کی گئی ہے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں●

(**جو لوگ پیچھے چلیں اس رسول نبی امی**) لقب والے (**کے**)۔ سارے انسانوں کا بلکہ ساری مخلوقات کا رسول، جسکا دین آخری دین، جس پر نازل شدہ کتاب آخری کتاب، جسکی نبوت آخری نبوت، جو سارے ادیان وملل کو منسوخ فرمادینے والا ہے، ایسا امی جو ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوا، ام الکتاب یعنی قرآن کریم کو ساتھ لانے والا۔۔ یا۔۔ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کے علوم کا جامع، اور ام المکونات یعنی اصل کائنات ہے۔۔ المختصر۔۔ وہ نبی امی یعنی پیدائشی نبی ہے۔

اور ایسی بات بھی نہیں تھی کہ وہ یہود ونصاریٰ کیلئے غیر معروف تھے، انکی آسمانی کتابوں نے انکو اس نبی کا مکمل تعارف کرادیا تھا۔۔ الغرض۔۔ انکو بخوبی معلوم ہے (**کہ**) جس نبی کے اتباع کی بات کی جارہی ہے، یہ وہی ہے، یہ لوگ (**پاتے ہیں جس**) کے ذکر اور اوصاف حمیدہ (**کو لکھا ہوا اپنے پاس**) موجود کتاب (**توریت وانجیل میں**)۔ واضح طور پر واضح کردیا گیا ہے کہ اس نبی کی شان یہ ہے، (**کہ**

حکم دیں انکو نیکی کا) یعنی توحید اور شرائع اسلامیہ کا، (اور روکیں برائی سے)، یعنی ہر اس عمل سے شریعت اور سنت سے جسکا کوئی تعلق نہیں۔ (اور حلال کریں انکے لئے پاکیزہ چیزیں) حالانکہ اسکے قبل انکی شامت اعمال کی وجہ سے ان پر وہ چیزیں حرام تھیں۔۔مثلاً: چربی وغیرہ (اور حرام کردیں ان پر گندگیوں کو) یعنی مردار خون، سوّر کا گوشت ۔۔یا۔۔ مالِ بے مزہ، جیسے رشوت وسود وغیرہ، (اور اتار دیں ان سے انکے بوجھ اور سارے طوق جو گلے پڑے ہیں) یعنی وہ امور شاقہ جو ان پر مقرر تھے اُن سے معاف کرادیئے۔

ان امور شاقہ میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ان تکالیف کو 'اصر' اور 'اغلال' سے تشبیہ دی گئی ہے۔'اغلال' ہر وہ لوہے کی کڑی جسے ہاتھ کو باندھ کر گردن سے جکڑا جائے اور 'اصر' ہر وہ بوجھ جو انسان پر پڑنے کے بعد اُسے حرکت کرنے سے روک دے۔۔الختصر۔۔ اس رسول نے اپنی امت کو اس بوجھ سے سبکسار کردیا۔۔اور۔۔اور اس قید سے آزاد فرمادیا جس میں سابقہ امتیں مبتلا تھیں۔

(تو) اب بھی (جو) بنی اسرائیلیوں میں سے (انکو مان گیا) اور امی لقب نبی کے دین کو قبول کرلیا اور انکی تعظیم کی، جیسا کہ تعظیم کا حق ہے، یعنی نفاق سے ہٹ کر پورے اخلاص کے ساتھ قبول کیا۔۔الختصر۔۔سراپا خلوص ہو کر ایمان لایا (اور حق تعظیم ادا کیا، اور) دشمنوں ۔۔نیز۔۔ بدخواہوں کے مقابلے میں انکی مکمل (حمایت کی) اور ہمیشہ انکی یاری اور مددگاری میں لگا رہا (اور پیروی کی اس نور) ہدایت، یعنی قرآن کریم اور دلوں کی روشنی (کی، جو انکے پاس) حضرت جبرائیل کے توسط سے (نازل کی گئی ہے)۔

'انکے پاس' کا لفظ 'بقاءِ قرآن' پر دلالت کرتا ہے۔یعنی نازل کیا گیا اور انکے پاس باقی رہیگا، بخلاف لوحوں کے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں اکثر آسمان پر اٹھالی گئیں، سب باقی نہ رہیں۔قرآن کریم کو نور فرما کر واضح فرمادیا کہ اسکی ہدایتیں نہایت روشن اور ظاہر ہیں، اس واسطے کہ دین ودنیا کے امور قرآن سے مفصل اور ظاہر ہیں۔

(تو وہی لوگ) جو ایمان لائے اور پیغمبر ﷺ کی تعظیم ونصرت اور متابعت کی، حقیقی معنوں میں (کامیاب ہیں)، یعنی عذاب سے فلاح ونجات پانے والے اور رحمت وثواب سے بہرہ ور ہونے والے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کیلئے لکھ دونگا، جو اس نبی امی لقب کی پیروی کرینگے جسکو یہ تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ اب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمارہا ہے کہ جس رسول کی اتباع کرنے کا ہم نے حکم دیا ہے انکی رسالت کی دعوت قیامت تک کے سارے انسانوں کیلئے ہے۔ تو اے رسول آخرالزماں!۔۔۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

پکار دو" کہ اے انسان بیشک! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، وہ جس کی آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

حکومت ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوا اسکے، وہی جلائے وہی مارے۔" تو مان جاؤ اللہ کو اور اسکے رسول نبی امی کو،

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو مانیں اللہ کو اور اس کے کلمات کو، اور غلامی کرو ان کی، کہ ہدایت پاؤ●

(**پکار دو**) اور واضح لفظوں میں اعلان کر دو (**کہ اے انسان!**) تو کالا ہو یا گورا، عربی ہو کہ عجمی، شرقی ہو یا غربی، رومی ہو کہ حبشی، (**بیشک**) اپنی بعثت سے لیکر ہمیشہ ہمیش کیلئے (**میں اللہ**) تعالیٰ (**کا رسول ہوں تم سب کی طرف**)۔ ایسا نہیں کہ بعض کی طرف ہوں اور بعض کی طرف نہیں، جس طرح اور رسول تھے۔ اور صرف تمہارا ہی رسول نہیں، بلکہ سارے جنوں کا بھی رسول ہوں۔ میری بعثت جن وانس سبھی کیلئے ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ یہاں بھی **النَّاس** میں تغلیباً جن شامل ہوں۔ ویسے بھی **النَّاس** کا ایک معنیٰ 'متحرک' کے بھی ہیں، تو اس معنیٰ میں جن وانس دونوں پر **النَّاس** کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ارشاد قرآنی کے مطابق جن وانس صرف عبادت الٰہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، تو انسانوں کی طرح جن بھی اس بات کے محتاج ہوئے، کہ رضائے الٰہی کے مطابق طریقہ ہائے عبادت اور انکے احکامات کو بتانے کیلئے انکی طرف بھی رسول کی بعثت کی جائے۔ اسلئے فضل خداوندی نے نبی آخرالزماں کو سارے عالم کیلئے نذیر بنا کر، جنوں کی ہدایت کیلئے بھی مبعوث فرمایا۔ ویسے تو جنوں پر بادشاہت بعض انبیاء سابقین کو عطا فرمائی جاچکی تھی، لیکن انکا نبی و رسول ہونا، صرف ہمارے آخری نبی ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

اسلئے سابقہ پیغمبروں میں کوئی بھی انھیں دینی دعوت دینے پر مامور نہیں تھے۔تو گو جنات اور انکے سوا بڑے بڑے شیاطین وعفاریت، اپنے بادشاہ کی خدمت کرتے اور انکے حکم کے پابند رہتے، لیکن کفر ہی پر رہے اور اپنی فطری سرکشی وطغیان سے سرمو نہ ہٹے۔۔۔لفظ **النّاس** کے تعلق سے مذکورہ بالا وضاحت سے قطع نظر نبی کریم کا جن وانس کا رسول ہونا، قرآنی نصوص اور ارشادات رسول سے اس قدر واضح ہے، جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے، بلکہ سرکار ﷺ نے 'میں ساری مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' فرما کر، اپنی رسالتِ عامہ وشاملہ کو واضح فرمادیا ہے، جس سے 'نذیراً للعالمین اور رحمة للعالمین' میں مذکورہ لفظ 'عالمین' کی معنوی وسعت کا بآسانی اندازہ لگ جاتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے رسول تم اپنی رسالت عامہ کا اعلان فرمادو اور کھول کر واضح کردو، کہ میں جس ذاتِ کبریاء کا رسول ہوں، (وہ) ہے (جسکی آسمانوں اور زمین کی حکومت) اور بادشاہی (ہے)۔وہی آسمانوں اور زمین میں تدبیر وتصرف فرمانے والا ہے۔(نہیں ہے کوئی معبود) مستحق عبادت (سوا اسکے، وہی جلائے) جسے چاہے جب تک چاہے، اور میعادِ زندگی ختم ہونے پر (وہی مارے) اپنی قضا سے جسکو چاہے۔یا۔مُردوں کو قیامت میں زندہ کرکے اٹھانے اور دنیا میں زندوں کو موت دینے والا وہی ہے۔

تو غور کرو کہ اس قادرِ مطلق، مالکِ کل اور پروردگارِ عالم سے زیادہ کون مستحق ہے جس پر ایمان لایا جائے، اور جسکی پرخلوص اطاعت کی جائے، (تو مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو) جسکی شان تم نے سن لی ہے (اور) مان جاؤ (اس) عظیم المرتبت شانِ کبریائی رکھنے والی ذات (کے) عظیم الشان (رسول) یعنی (نبی امی) لقب والے (کو)، جن کی شان یہ ہے کہ کسی دنیاوی درسگاہِ علمی میں بیٹھے بغیر اور کسی دنیاوی مدرس ومعلم سے کچھ سیکھے بغیر، غیب کی خبریں بتانے والے اور ساری کائنات کو علم وحکمت کی باتیں سکھانے والے ہیں، اور (جو) علم وعرفان کے اس مقام پر ہیں، کہ بے چون وچرا (مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور اسکے) ان (کلمات کو)، جو اس نے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل فرمائے ہیں۔اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **معرفت تو وہی کراسکتا ہے جو خود بھی پہلے سے عارف ہو۔اسی طرح ایمان کی دعوت دینا اُسی کو زیب دیتا ہے، جو خود بھی ایمان والا ہو۔**

چونکہ ایمان اصل الاصول ہے، اسلئے پہلے ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور جب تم ایمان لاچکے، تو اب اسکا تقاضا یہ ہے کہ۔

مخلصانہ پیروی کرو (اور) سچی (غلامی کرو)۔۔نیز۔۔والہانہ وفاداری کرتے رہو (انکی) یعنی اس نبی امی لقب کی، تا (کہ ہدایت پاؤ) اور ہمیشہ ہدایت پر قائم رہو۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس عظیم رسول نبی امی پر ایمان لانا تمام لوگوں پر واجب ہے اور اگلی آیت میں یہ بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گروہ تھا، جو حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور حق کے ساتھ عدل کرتا تھا۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ہے جو حق کا راستہ بتائیں، اور اس سے حق انصاف کریں●

(اور) ظاہر فرماتا ہے کہ (قوم موسیٰ میں) بھی (ایک جماعت) رہی (ہے، جو حق کا راستہ بتائیں) لوگوں کو (اور اس سے حق انصاف کریں) یعنی ناحق رسی سے بچتے بچاتے رہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی کرنے سے پرہیز کریں۔

۔۔الختصر۔۔بنواسرائیل میں ہر چند کہ زیادہ تر ضدی، ہٹ دھرم اور فساق وفجار تھے، لیکن ہر دور میں انکے اندر چند صالح لوگوں کی بھی ایک جماعت موجود رہی، اگر چہ وہ قلیل ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں بنواسرائیل کی عہد شکنیوں اور بداعمالیوں پر شدت کے ساتھ سرزنش کی ہے، وہاں اسکے اندر اس قلیل گروہ کی تعریف وتحسین بھی فرمائی ہے۔

'حق' اور 'عدل' کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس قلیل گروہ میں علماء بھی تھے اور قضاۃ بھی، جو دین حق پر قائم تھے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتے تھے۔ان ہی کی نسل سے ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب پیدا ہوئے۔اب آگے بنی اسرائیل کے احوال قدرے تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ:

وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ

اور تقسیم کر دیا ہم نے انھیں بارہ قبیلوں پر الگ الگ گروہ، اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف

إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ

جب پانی مانگا ان کی قوم نے، "کہ اپنا عصا مارو پتھر پر"، تو پھوٹے اس سے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا

بارہ چشمے۔ بیشک جان لیا سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ۔ اور سایہ ڈال

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۚ كُلُوا مِن

دیا ہم نے ان پر بادل کا، اور اتارا ان پر من وسلویٰ کو، "کہ کھاؤ پاکیزہ

طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۰﴾

چیزیں جو ہم نے دی ہیں تم کو"۔ اور انھوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا بگاڑتے تھے●

(اور تقسیم کردیا ہم نے انھیں بارہ قبیلوں پر الگ الگ گروہ)، چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے پیدا ہوئے تھے، تو انکو باہم متمیز کردیا کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور ان میں لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت کی نوبت نہ آئے۔ انکے لئے اتنا اہتمام کیا گیا کہ ایک ہی گھاٹ پر سب پانی نہ پئیں، کہ کسی طرح آپس میں، تو تو میں میں، کی گنجائش نکل آئے۔۔ چنانچہ۔۔ اولاً انکو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا گیا (اور) پھر (وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف، جب پانی مانگا انکی قوم نے، کہ اپنا عصا مارو) اس (پتھر پر) جس نے میدان تیہ میں تم سے بات کی تھی، اور عرض کیا تھا کہ اے موسیٰ! مجھے اپنے پاس رکھ لیجئے، میں آپ کے کام آؤنگا۔

۔۔ چنانچہ۔۔ آپ نے اُسے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ وحی الٰہی کے بعد حضرت موسیٰ نے تھیلے سے اس پتھر کو نکالا اور اس پر اپنا عصا مارا۔

(تو پھوٹے اس سے بارہ چشمے) اور (بیشک جان لیا سب لوگوں) یعنی ہر ہر گروہ (نے اپنا اپنا گھاٹ)، یعنی پانی پینے کی اپنی اپنی جگہ۔ پھر کسی نے دوسرے کی جگہ کی طرف میل نہیں کیا (اور) انکی راحت وآرام کیلئے (سایہ ڈال دیا ہم نے ان پر بادل کا)۔ ایسے طریقے سے کہ دن کو جہاں جاتے بادل انکے سروں پر سایہ کیا کرتے، تاکہ انھیں سورج کی گرمی نہ ستائے اور رات کو وہی بادل نورانی گیس بن جاتے، تاکہ راہ چلتے وقت انھیں تاریکی سے تکلیف نہ ہو۔ اس تکلیف دہ مقام اور حیران کن میدان میں انھیں کھانے کی بھی کوئی دشواری نہیں تھی۔ (اور اتارا ان پر) اعلیٰ درجہ کی خوش ذائقہ غذا (من وسلویٰ کو)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ یہ کھانا حضرت موسیٰ کے لشکر بنی اسرائیل پر جبکہ وہ بھوک سے پریشان تھے شام کے ایک پرخار میدان میں نازل ہوا۔ درختوں پر میٹھی رطوبت جم جاتی، وہ اُسے اکٹھا کر لیتے

اور بے شمار بٹیروں سے ملتے جلتے پرندے جنگل میں آجاتے، انھیں وہ مار کر بھون لیتے۔ اسطرح ایک میٹھی اور ایک سلونی غذا انکو مل جاتی، اور اس تعلق سے انکو ہدایت یہ تھی---
(کہ کھاؤ)۔ یہ (پاکیزہ چیزیں جو ہم نے دی ہیں تم کو) تمہاری کسی محنت و مشقت کے بغیر۔ اور چونکہ یہ تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لئے کافی ہیں، اسلئے صرف انھیں چیزوں کو کھاؤ اور کسی چیز کو طلب مت کرو، اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرو۔

مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کیا اور منع کرنے کے باوجود کھانے کو ذخیرہ کیا --یا-- اس وقت میں کھایا جس وقت انھیں کھانے سے منع فرمایا تھا --یا-- انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اور چیزوں کو طلب کیا۔ جو بھی شکل ہو، یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب مکلف وہ کام کرتا ہے جس سے اسکو منع کیا گیا تھا، تو وہ دراصل اپنے اوپر ظلم کرتا ہے-- چنانچہ-- ارشاد فرمایا گیا کہ حکم الٰہی کی بجا آوری نہ کر کے---
(اور) نافرمانی کر کے (انھوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا)۔ وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے تھے، (لیکن) یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ (اپنا بگاڑتے تھے) اسلئے کہ انکے اپنے اوپر اس ظلم کا ضرر اور وبال انھیں کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑے گا---

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب کہا گیا ان کو "کہ اس آبادی میں رہو اور یہاں جہاں چاہو کھاؤ

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ

اور زبان سے کہو خطا معاف، اور دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے، تو بخش دینگے ہم تمہاری خطائیں۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

بہت جلد زیادہ دینگے ہم مخلص بندوں کو"●

اے محبوب! ان بنی اسرائیلیوں کے تعلق سے اس واقعہ کو یاد کرو (اور) اپنے علم و ادراک سے ملاحظہ فرماؤ، (جب کہا گیا) تھا (انکو) اس وقت جبکہ وہ جبارین سے لڑ کر اُن پر غالب آگئے تھے (کہ اس آبادی) یعنی بیت المقدس --یا-- اریحا (میں رہو اور) اس بستی کے باغات کے مطاعم و ثمرات --الغرض-- (یہاں) کے میووں اور غلوں کو (جہاں چاہو کھاؤ)، تم سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرونگا۔

(اورزبان سے کہو) کہ ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ اور ہماری (خطا معاف) ہو۔

زبان سے معافی چاہو (اور) اس عمل کا مظاہرہ کرو کہ شہر کے (دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے)، یعنی حالتِ رکوع والی کیفیت کے ساتھ متواضع جھکے ہوئے، شکریہ کے طور پر، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگل کے عذاب سے نجات دی۔

مذکورہ بالا تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ قریہ سے مراد اریحا ہو، جس میں باختلاف روایات حضرت موسیٰ باقی بنی اسرائیل۔۔یا۔۔انکی اولاد کو لیکر داخل ہوئے اور اس بستی کو فتح کیا۔۔۔اور اگر قریہ سے مراد 'بیت المقدس' ہے، تو ایک روایت کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یہ لوگ اس میں داخل ہوئے۔۔الختصر۔۔ان سے کہا گیا تھا کہ جب تم معافی مانگتے ہوئے متواضعانہ انداز سے دروازے میں داخل ہوگے۔۔۔

(تو بخش دینگے ہم تمہاری خطائیں) یعنی تمہاری استغفار اور خضوع سے ہم تمہارے پچھلے گناہ معاف کردینگے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں کہ انکے گناہوں کو معاف کردینگے، بلکہ اپنے فضل وکرم سے (بہت جلد زیادہ دینگے ہم مخلص بندوں کو)۔ انکو مغفرت تو فرمان کی تعمیل سے حاصل ہوگی اور اسکے علاوہ کثیر در کثیر ثواب، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوگا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

تو بدل دیا جنھوں نے ان میں سے اندھیر مچایا بات کو اس کے خلاف جو ان کو بتایا گیا تھا، تو بھیج دیا ہم نے ان پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

عذاب آسمان سے جو اندھیر کر رہے تھے●

(تو بدل دیا) بنی اسرائیلیوں میں سے ان لوگوں نے (جنھوں نے ان میں سے اندھیر مچایا) اور اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے (بات کو اسکے خلاف جو انکو بتایا گیا تھا)۔

۔۔چنانچہ۔۔قول باری تعالیٰ کی حقارت کی نیت سے اور حضرت موسیٰ سے استہزاء وتمسخر کے طور پر، حِطَّةٌ کی جگہ حِنطَةٌ یعنی گیہوں کہتے ہوئے متواضعانہ انداز سے جھک کر چلنے کی بجائے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے چلے اور پھر نامناسب خواہشات کے اظہار اور کمینہ پن کی باتوں پر اتر آئے۔۔الختصر۔۔انھوں نے اپنے طرزِ عمل کی ہر ہر ادا سے اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا۔

(تو) پھر (بھیج دیا ہم نے ان پر) بجلی --یا-- طاعون کا (عذاب)، جو (آسمان سے) نازل فرمایا گیا اسکی سزا میں (جو اندھیر کر رہے تھے) اور حقارت آمیز جملہ بازیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے اور گستاخانہ اور باغیانہ طرز عمل پر اتر آئے تھے--- یہ بنی اسرائیل اسطرح کی اوچھی حرکتیں برابر کرتے رہے ہیں۔

تو اے محبوب! ان کے تعلق سے آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ جن جن حالات وواقعات کی خبر دی جاچکی ہے، انکی زبان سے بھی اسکا اظہار واعتراف کرالیں --یا-- کم از کم انکو اس بات سے باخبر کردیں، کہ آپ امی ہونے کے باوجود اور کسی مخلوق سے کچھ نہ سیکھنے کے باوجود، انکے حالات سے بالکل واقف ہیں۔ یہ اپنے کسی بھی واقعہ کو آپ کی نگاہِ علم وادراک سے چھپا نہیں سکتے، اور یہی آپ کے نبی اور آپ کی جملہ ہدایات کے منزل من اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ شاید کہ ان حالات کو سن کر ان میں بعض کو ہوش آجائے اور اُسے آپ پر ایمان لانے کی توفیق مل جائے۔ تو اے محبوب! دریافت کرو---

رکوع لازم

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ

اور ان سے پوچھو اس آبادی کو دریا کے کنارے کی--- جبکہ وہ قانون سے باہر ہو جاتے تھے

فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ

سنیچر میں، جبکہ مچھلیاں آتیں سنیچر کے دن جھنڈ کے جھنڈ تیرتی، اور جس دن سنیچر نہ ہو، تو نہیں آتی تھیں۔

معانقہ (الصف)

لَا تَأْتِيهِمْ ۛ كَذَٰلِكَ ۛ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

اسی طرح ہم انھیں آزماتے، کیونکہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے●

(اور ان سے پوچھو اس آبادی) یعنی ایلہ کے رہنے والوں (کو) کیا پیش آیا اور (دریا) بنام قلزم (کے کنارے کی) اس بستی پر کیا گزری۔ اور قانون الٰہی کا پاس ولحاظ نہ رکھنے کی انھیں کیا سزا ملی؟

انکے لئے ضابطہ بنادیا گیا تھا کہ وہ سنیچر کے دن عبادت الٰہی کے سوا کوئی دوسرا کام نہ کریں۔ دریا کے کنارے رہنے کی وجہ سے انکے لئے سب سے زیادہ آسان کام مچھلیوں کا شکار ہی تھا۔ اور من جانب اللہ انکی یہ بھی عجیب آزمائش تھی، سنیچر کے دن کے علاوہ انکے سامنے کھل کر مچھلیاں نہیں آتیں، سب شکار ہوجانے کے خوف سے پوشیدہ رہتیں۔ مگر سنیچر

کے دن وہ کھل کر سامنے آجاتیں۔ جب ایلہ والوں نے ہفتہ کے دن بہت مچھلیاں دیکھیں اور شکار کرنا مشکل تھا اور صبر کرنا دشوار ہوا، تو متردّد ہوئے اور انواع واقسام کی تدبیریں اور حیلے پکڑ کر شکار کی راہ ڈھونڈنے لگے۔

آخر انکی رائے میں یہ بات ٹھہری کہ انھوں نے حوض بنائے اور دریا سے ان حوضوں میں نہریں کاٹیں اور ہفتہ کے دن جبکہ مچھلیاں ظاہر ہوتیں، تو ان مچھلیوں کو حوضوں میں ہنکالاتے اور نہروں میں جال گاڑ دیتے، کہ مچھلیاں حوضوں ہی میں رہتیں اور پھر اتوار کے روز مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ کئی بار انھوں نے اسی ترکیب سے شکار کیا اور عذاب کے آثار کچھ نہ ظاہر ہوئے، تو ڈھیٹ ہو کر ہفتہ کے دن کی تعظیم ہی سے درگزرے۔

تو اے محبوب! دریا کے کنارے مذکورہ بالا بسنے والوں سے انکے حالات پوچھو، کہ انکی بے صبری کا کیا عالم تھا (جبکہ وہ قانون سے باہر ہو جاتے تھے سنیچر میں، جبکہ مچھلیاں آتیں) انکے پاس (سنیچر کے دن جھنڈ کی جھنڈ تیرتی) پانی پر اپنے سر اٹھائے ہوئے۔ (اور جس دن سنیچر نہ ہو، تو نہیں آتی تھیں) ایسی صورت میں سنیچر کے دن کی عظمت کا پاس ولحاظ اور اس دن شکار نہ کرنے کے قانون پر عمل انکے لئے سخت امتحان تھا، جس پر وہ عمل کر نہ سکے۔ بیشک (اسی طرح ہم انھیں آزماتے) یعنی انکے ساتھ ہم آزمانے والوں کا معاملہ کرتے ہیں، (کیونکہ) اپنی نادانی اور سرکشی کے سبب (وہ نافرمانی کیا کرتے تھے)۔

جس شہر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس شہر کے رہنے والے تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک فریق وہ تھا، جو ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کرتا تھا۔ اور دوسرا فریق وہ تھا، جو انکو اس نافرمانی سے منع کرتا تھا اور ڈانٹتا تھا۔ اور تیسرا فریق وہ تھا، جو خاموش رہتا تھا۔ نہ خود نافرمانی کرتا تھا اور نہ ہی دوسروں کو نافرمانی سے روکتا تھا۔

نافرمانی سے روکنے والے گروہ سے وہ نیک بخت لوگ مراد ہیں، جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انھیں نصیحت کی۔ اگرچہ انھوں نے اسکی پاداش میں ان نیک بختوں کو بہت ذلیل وخوار کیا، یہاں تک کہ اب وہ ان کی نصیحت سے ناامید ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ یہ ماننے والے نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کا وعظ ونصیحت ہی اثر کرتی ہے اور انہوں نے اپنے وعظ ونصیحت کے اثرات ان پر غیر مفید پائے اور سمجھ گئے کہ اب انھیں ہمارا سمجھانا اور ڈرانا بے سود ہے، تو اے محبوب! پوچھ لو۔۔۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ

اور جب بولا ان کا ایک گروہ "کہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان کو، کہ اللہ جن کو تباہ کرنے والا اور

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

سخت عذاب دینے والا ہے"۔ جواب دیا "کہ اپنی معذرت کیلئے پروردگار تمہارے سے، اور یونکہ وہ ڈر جائیں"●

(اور) معلوم کرادو اہل کتاب سے اس واقعہ کی خبر، کہ (جب بولا) اطاعت شعاروں میں سے (انکا ایک گروہ) اپنے دوسرے فرمانبرداری کرنے والے ساتھیوں سے (کہ) برائیوں سے روکنے کے تعلق سے ہمارا جو فرضِ کفایہ تھا وہ ہم ادا کرچکے، تو اب (کیوں نصیحت کرتے ہو انکو کہ اللہ) تعالیٰ (جن کو تباہ کرنے والا) ہے دنیا میں نافرمانی کرنے اور ہفتہ کے دن کی تعظیم ترک کرنے کی وجہ سے، (اور سخت عذاب دینے والا ہے) آخرت میں آتش دوزخ کی شکل میں۔

جس عذاب کا ذکر اس میں ہے، مذکورہ بالا فریقوں میں سے تیسرے فریق پر وہ عذاب نہیں نازل کیا گیا، اسلئے کہ جو فرضِ کفایہ تھا وہ ایک گروہ نے ادا کردیا، اسی لئے خاموش رہنے والا گروہ بھی عذاب سے بچا رہا۔۔ الختصر۔۔ بعض ساتھیوں نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مذکورہ بالا بات کہی۔۔۔

تو انھوں نے (جواب دیا اپنی معذرت کیلئے پروردگار تمہارے سے) یعنی ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ہم انھیں اسلئے نصیحت کرتے ہیں کہ بارگاہِ خداوندی میں انکے تعلق سے ہماری حجت قائم ہوجائے اور انکو باوجود کوشش کے راہ پر نہ لاسکنے میں ہماری معذوری ظاہر ہوجائے۔۔ الحاصل۔۔ ہماری یہ نصیحت ہماری طرف سے بارگاہِ خداوندی میں ایک طرح کی عذرخواہی ہے۔

(اور یوں) پوری امید رکھنی چاہئے (کہ) ان نصیحتوں کو سن کر (وہ ڈر جائیں) اور اپنی حرکتوں کو چھوڑ کر گناہوں سے باز آجائیں اور سچے دل سے توبہ کرلیں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا

تو جب بھول گئے جس کی نصیحت کی گئی تھی، تو بچا لیا ہم نے انھیں جو روکتے تھے گناہ سے، اور پکڑا ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۵﴾

انھیں جو اندھیر کر چکے تھے، برے عذاب میں، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے●

(توجب بھول گئے جسکی نصیحت کی گئی تھی)، یعنی جتنا نیک لوگوں نے نصیحتیں کیں سب کو پس پشت ڈال دیا۔ جیسے بھولنے والے کے ذہن سے بات بالکل اتر جاتی ہے۔ ایسے ہی وہ واعظوں کی باتوں کو اپنے خیال تک میں نہ لائے اور نصیحت کرنے والوں کے تمام کلمات سے ایسی بے اعتنائی برتی، گویا انھوں نے سنا ہی نہیں۔ (تو بچالیا ہم نے انھیں جو روکتے تھے) برائی اور نافرمانی کے (گناہ سے) یعنی ہم نے انھیں سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے بچالیا اور اس طرح وہ عذاب سے بھی بچالئے گئے۔ (اور) انکے برعکس (پکڑا ہم نے انھیں، جو) ممنوع شکار کرکے (اندھیر کر چکے تھے، برے) اور سخت (عذاب میں، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے) اور فرمانبرداری کی راہ سے نکل جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلے معمولی عذاب میں مبتلا کیا، پھر جب وہ اس مہلت سے گمراہی و ضلالت اور سرکشی و بغاوت میں بڑھے، تو انھیں مسخ میں مبتلا کرکے انکی جڑ کاٹ دی۔۔

چنانچہ۔۔فرمایا، کہ۔۔۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴿۱۶۶﴾

پھر جب سرکشی کی جس سے روک دیئے گئے تھے، تو ہم نے انھیں ڈانٹا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل●

(پھر جب سرکشی کی جس سے روک دیئے گئے تھے)، وہی کام انجام دینے لگے اور مچھلی کے شکار سے باز نہ آئے، (تو ہم نے انھیں ڈانٹا کہ بندر ہو جاؤ، ذلیل) وخوار۔

۔۔الختصر۔۔منع کرنے والے جب مایوس ہوئے اور سمجھے کہ شکاری لوگ ہماری نصیحت نہ مانیں گے، تو انکے ساتھ ایک جگہ رہنا چھوڑ دیا اور اپنے اور انکے مکانوں کے بیچ میں ایک دیوار کھینچ لی اور اپنے محلّہ میں ایک دروازہ قائم کرکے انکے گھروں میں آنے جانے کی راہ بند کردی۔ ایک دن وہ منع کرنے والے اپنے محلّہ سے باہر آئے اور شکاریوں کے محلے سے کوئی نہ نکلا، تو انھوں نے کھوج لگائی، تو سب فاسقوں کو بندر پایا اور ہر بندر اپنے لوگوں کے گرد روتا پھرتا اور انکے کپڑوں سے اپنا منہ رگڑتا۔ تین روز وہ بندر جئے پھر مر گئے۔ اس سلسلے

میں جمہور کا مسلک یہی ہے، کہ مسخ شدہ انسان تین دن زندہ رہ کر مرجاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ مسخ شدہ مخلوق کی نسل نہیں بڑھاتا۔۔۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ

اور جب اعلان عام کر دیا تمہارے پروردگار نے، کہ ضرور ان پر بھیجتا رہے گا قیامت تک ایسے کو، جو انھیں برا

سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

عذاب دیا کریں۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب والا ہے۔ اور بیشک وہ غفور رحیم ہے ●

اے محبوب! یاد کرادو (اور) ظاہر کردو کہ یہ بھی نافرمانوں پر عذاب خداوندی ہی کا ایک حصہ ہے (جب) کہ **(اعلان عام کر دیا تمہارے پروردگار نے، کہ ضرور ان)** یہودیوں (پر **بھیجتا رہیگا قیامت تک ایسے کو، جو انھیں برا عذاب دیا کریں**) جیسے قتل، شہر بدر کردینا، مارنا اور جزیہ لینا، وغیرہ۔

۔۔چنانچہ۔۔ بخت نصر بابلی نے انھیں قتل اور قید کرنے میں پیش قدمی کی اور اسکے بعد فارس کے بادشاہ انھیں رنج دیتے رہے اور ان سے خراج لیتے رہے، یہاں کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے اور انھیں قتل کرنے کا حکم فرمایا، کہ ایمان لائیں۔۔یا۔۔ جزیہ قبول کریں اور یہ حکم قیامت تک کیلئے باقی ہے۔۔الختصر۔۔ قیامت تک یہود کو عزت واحترام نصیب نہ ہوگا۔ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہیں گے۔ انھیں کہیں بھی اپنے بل بوتے پر قدم جمانے کا موقع نہ مل سکے گا۔ آج بھی فلسطین کی سرزمین پر انکا غاصبانہ قبضہ امریکہ و برطانیہ کے سہارے کے اوپر ہے۔۔ بایں ہمہ۔۔ انھیں وہاں بھی سکون وعزت اور بےفکری کا رہنا میسر نہیں۔

(**بیشک تمہارا پروردگار**) کافروں پر (**جلد عذاب**) فرمانے (**والا ہے**)۔ قیامت کا عذاب تو ہر کافر کیلئے ہے ہی۔ لیکن ان یہودیوں کو دنیا میں بھی ذلت ومسکنت کا عذاب دینے والا ہے۔ (**اور**) ساتھ ہی ساتھ (**بیشک وہ غفور**) بخشنے والا ہے اُسے، جو توبہ کرے اور مغفرت چاہے۔ اور (**رحیم ہے**) ۔۔نیز۔۔ مہربان ہے کہ توبہ کے بعد گناہ پر نہ پکڑے گا۔۔الحاصل۔۔ جب یہودیوں نے حق سے روگردانی کی۔۔۔

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ

اور ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ان کے زمین میں ٹولی ٹولی۔ بعض تو نیکوکار اور بعض ان سے

ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

الگ۔ اور آزمایا ہم نے ان کو اچھی نعمتوں اور بری مصیبتوں سے، کہ وہ توبہ کرلیں●

(اور) سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو (ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے انکے زمین میں)۔ اسطرح وہ (ٹولی ٹولی) میں بٹ گئے، تاکہ متحد رہنے سے انکی شان وشوکت نہ بڑھے۔۔ چنانچہ۔۔اب زمین میں کوئی ایسا خطہ اور کوئی ایسی ولایت نہیں ہے جہاں یہودی نہ ہوں۔ ایسی بات بھی نہیں کہ سارے یہودی خراب ہی ہوں۔ بلکہ ان میں (بعض تو نکوکار) اور شائستہ ہیں، جو حضرت موسیٰ کے دین کے سچے پیروکار ہیں اور انکے حالات میں تغیر وتبدل نے دخل نہیں پایا۔

ان صالحین سے وہ یہود مراد ہیں جو ہمارے پیغمبر پر ایمان لائے۔۔یا۔۔وہ یہودی مراد ہیں، جو شب معراج آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے۔

(اور بعض ان) صالحین (سے) اپنے ایمان واعمال میں (الگ) رہے اور کفر وفسق کے راستے پر چلتے رہے، اس سے مراد کافر وفاسق لوگ ہیں۔۔الختصر۔۔امتحان لیا، (اور آزمایا ہم نے انکو اچھی نعمتوں اور بری مصیبتوں سے) یعنی انکے ساتھ وہ معاملہ کیا، جو آزمائش وامتحان والوں سے کیا جاتا ہے۔تاکہ لوگوں پر انکی حقیقت ظاہر ہوجائے۔۔چنانچہ۔۔کبھی ہم نے انکو بہت مالدار کردیا اور صحت وتندرستی سے نوازا اور کبھی بھوک، فاقہ اور دیگر تکالیف میں مبتلا کردیا، تا (کہ وہ توبہ کرلیں)۔

اسلیئے کہ حسنات وسیئات، ہردونوں اطاعت وفرمانبرداری کی طرف بلاتی ہیں۔ کیونکہ حسنات میں طاعت کی ترغیب اور سیئات میں خوف خدا کی تذکیر ہوتی ہے۔لیکن حال یہ رہا کہ نعمت میں شکر کرنے کی بجائے، سرکشی وتکبر میں مبتلا ہوگئے۔اور کہنے لگے کہ 'اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔' یونہی تکلیف میں صبر کرنا چاہیئے تھا، اسکے بدلے نازیبا باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ 'اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بند ہیں'۔۔الغرض۔۔یہ امتحان میں پورے نہ اترے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى

پھر ان کے بعد ان کے جانشین آئے ناخلف، کہ کتاب کے وارث ہوئے، لے رہے ہیں اس دنیا کی پونجی،

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ

اور ڈینگتے ہیں کہ بہت جلد ہم بخشے جائینگے۔ اور اگر آجائے ان کے پاس ایسی ہی اور پونجی تو اسے لے لیں،

اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡہِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ وَ

کیا نہیں لیا گیا تھا ان پر کتاب میں مضبوط عہد؟ کہ نہ بولیں اللہ پر مگر حق، اور

دَرَسُوۡا مَا فِیۡہِ ؕ وَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

انھوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے۔ اور دار آخرت بہتر ہے انھیں جو ڈریں۔ تو کیا عقل نہیں رکھتے؟●

(پھر انکے بعد انکے جانشین آئے ناخلف)۔

یہ عہد رسالت کے وہ یہودی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جانشین تھے، لیکن انکی مخالفت کر کے حضور ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین پر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا، جیسے آج بھی انکی حالت یہ ہے کہ کوئی روس میں دھکے کھا رہا ہے، کوئی امریکہ کی چاپلوسی میں سرمست ہے، اور کوئی برطانیہ کی کاسہ لیسی میں لگا ہوا ہے۔۔ المختصر۔۔ مذکورہ بالا یہ ناخلف وہ تھے۔۔۔

جو (کہ) ان صالحین کے بعد (کتاب) الٰہی (کے وارث ہوئے)، جسے وہ پڑھتے اور اسکے مضامین کو سمجھتے تھے۔ جنھوں نے اپنے باپوں سے اسکا علم حاصل کیا تھا۔ لیکن انکی بدبختی اور بدقسمتی کا عالم یہ رہا، کہ جس کتاب الٰہی کو آخرت میں مغفرت ونجات کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہئے تھا اور جسکے ذریعہ اپنی عاقبت سنوارنی چاہئے تھی، اس سے **(لے رہے ہیں)** وہ صرف **(اس دنیا کی) ذلیل (پونجی)** یعنی دنیا حاصل کرنے میں لگ گئے۔

اس تعلق سے انکی جسارت کا عالم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب یعنی توریت میں اپنی مرضی کے مطابق ردوبدل کر ڈالا اور اس میں تحریف کر ڈالی اور انہیں محرف مضامین کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہہ کر پیش کرنے لگے۔۔ نیز۔۔ اسکو رشوت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا۔

(اور) اس گمان میں رہے کہ ہماری کوئی پکڑ نہ ہوگی۔۔ چنانچہ۔۔ علانیہ **(ڈینگتے ہیں کہ بہت جلد ہم بخشے جائینگے)** انکا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارے دن کے گناہ رات کو، اور رات کے گناہ دن کو بخش دیئے جاتے ہیں۔ اسی خام خیالی کا نتیجہ تھا کہ وہ حرام کاری اور حرام خوری سے باز نہیں آتے تھے۔ **(اور)** جس چیز کو وہ باطل طریقے سے لے چکے تھے، **(اگر آجائے انکے پاس ایسی ہی اور پونجی)**، جو حرام ہونے میں پہلی ہی پونجی کی طرح ہو، **(تو اسے) بھی (لے لیں)**۔۔ الغرض۔۔ حرام کھانے میں پوری بے باکی کا مظاہرہ کریں۔

ان نادانوں کو سوچنا چاہئے تھا، کہ (کیا نہیں لیا گیا تھا ان پر کتاب میں مضبوط عہد، کہ نہ بولیں اللہ) تعالیٰ (پر، مگر حق)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سچ بات ہی کی نسبت کریں۔ انھوں نے یہ جھوٹ کہا جو دن رات میں اپنی بخشش خدا کی طرف منسوب کی اور انھیں اسکا بخوبی علم ہے، کہ وہ یہ جھوٹ بک رہے ہیں۔ اسلئے کہ توریت انکے پاس موجود ہے (اور انھوں نے) اچھی طرح (پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے)۔ اس میں مذکورہ بخشش کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔

کیا ان نادانوں نے توریت میں نہیں دیکھا (اور) نہیں پڑھا، کہ دنیا کی فانی لذتوں سے (دارِ آخرت بہتر ہے) جہاں کی نعمتیں برتر و بہتر ولا فانی ہیں (انھیں جوڑریں)۔ یعنی ان لوگوں کیلئے جو حرام کو حلال ٹھہرا لینے اور خدا پر جھوٹ لگانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ (تو) اے بے عقلی کا کام انجام دینے والو! (کیا) تم (عقل نہیں رکھتے) اور اتنا بھی سمجھ نہیں پا رہے ہو، کہ مالِ دنیا سے عقبیٰ کی نعمت بہتر ہے۔ سننے والو! غور سے سنو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

اور جو لوگ تھامے ہیں کتاب کو، اور قائم رکھا نماز کو،

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

تو بیشک ہم نہیں ضائع فرماتے نیکوں کے اجر کو●

(اور) یاد رکھو کہ (جو لوگ) حضرت عبد اللہ بن سلام اور انکے اصحاب وغیرہم کی طرح (تھامے ہیں کتاب کو)، یعنی عہد موسوی میں توریت کو اور عہد محمدی میں قرآن کریم کو، (اور قائم رکھا نماز کو) جو افضل العبادات ہے اور دین کا ستون ہے۔

اسلئے خاص طور پر اسکا ذکر فرما دیا گیا، ویسے مقصود تمام عبادتوں اور فرائض الٰہیہ کی حفاظت ہے۔

تو جو تمام دینی فرائض وواجبات کی بجا آوری کرتا رہا اور محرمات شرعیہ کے ارتکاب سے اپنے کو بچاتا رہا، (تو) یہ سن لے! کہ (بیشک ہم نہیں ضائع فرماتے نیکوں کے اجر کو)۔

ذہن نشین رہے کہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے، کہ اسکو یاد بھی کر لیا جائے اور اس میں تدبر وغور وفکر سے کام لیا جائے اور اسکے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ برتی جائے۔۔۔ غور وفکر کے بغیر صرف تلاوت کر لینے سے مضبوطی سے پکڑنے والا تقاضا

پورا نہیں ہوتا۔۔۔اسی لئے بنی اسرائیل کے اکثر و بیشتر لوگ تورات کے احکام پر عمل کرنے سے گریز کررہے تھے۔اسی لئے توریت کے احکام پر عمل کرنے کا عہدان سے خوف وہراس کا ماحول بنا کرلیا گیا،جسکا واقعہ مختصراًیہ ہے۔

جب حضرت موسیٰ بنواسرائیل کے پاس تورات کی الواح لیکر آئے اور فرمایا کہ ان کو لو، اور انکی اطاعت کا اقرار کرو۔تو انھوں نے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کریگا، ہم یہ اقرار نہ کرینگے۔تو پھر بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ وہ ہلاک کردیئے گئے اور پھر زندہ کیے گئے۔حضرت موسیٰ نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کیلئے فرمایا، انھوں نے پھر انکار کردیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ، یعنی تین میل اور بقول بعض بارہ[۱۲] ہزار گز، تقریباً آٹھ[۸] کلومیٹر لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کردیں۔انکے پیچھے سمندر تھا اور اُنکے سامنے سے آگ آرہی تھی۔ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کروگے، ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائیگا، تب انھوں نے توریت پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔انھوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، تو انھوں نے کہا کہ اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں، جسکو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جسکی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔پھر انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔۔تو۔۔اے محبوب! اپنے عہد کے یہودیوں سے انکے مورثین سے تعلق رکھنے والا یہ واقعہ سنادو۔۔۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ

اور جب ہم نے اٹھا کر دیا پہاڑ کو ان کے سر پر، گویا سائبان ہے، اور وہ سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا،

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۹ ۲۱ ۱۱

کہ "لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے، اور یاد رکھو جو اس میں ہے کہ تم اللہ سے ڈرنے لگو"

(اور) ان پر ظاہر کرو کہ (جب ہم نے) فرشتوں کے ذریعہ (اٹھا کر دیا پہاڑ کو انکے سر پر

گویا سائبان ہے، اور) اسکے سایہ فگن ہونے کی صورت یہ تھی، کہ (وہ سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑیگا) اور اس حال میں ان سے عہد لیا گیا اور کہا گیا (کہ لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے، اور یاد رکھو جو اس میں ہے)، تا (کہ تم اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے لگو) اور اسکے احکام کا دل وجان سے پاس ولحاظ کرنے لگو۔۔۔

رب کریم، صاحب فضل عظیم کے فضل وکرم نے ہمیشہ یہی پسند فرمایا، کہ اسکے بندے راہِ راست پر رہیں اور کبھی انکے ہاتھوں سے ایمان وعمل صالح کا دامن چھوٹنے نہ پائے، اور وہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں۔ حضرت کلیم کا مذکورہ بالا واقعہ اور اپنی قوم کو صحیح راستے پر رکھنے کی تدبیریں، یہ سب اسی رحمت خداوندی کے مظاہر ہیں۔ بندوں کی پیدائش کے پہلے ہی سے یہ اہتمام فرمایا گیا، کہ بندے اسکی توحید اور ربوبیت کے انکار کا کوئی بہانہ نہ پاسکیں ۔۔چنانچہ۔۔اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ

اور جب لیا تھا تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو، اور انھیں گواہ بنایا تھا

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا

انھیں پر، "کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے کہا تھا، کہ "کیوں نہیں"، "ہم سب گواہ ہیں"، "کہ کہہ ڈالو

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۟ۙ

قیامت کے دن کہ بے شک ہم لوگ اس سے بے خبر تھے ●

(اور) سب پر ظاہر کردو اس واقعہ کو (جب لیا تھا تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے انکی نسل کو اور انھیں گواہ بنایا تھا انھیں پر) یعنی ہر ایک کو خود اپنے اوپر۔۔یا۔۔ ہر ایک کو آپس میں ایک دوسرے پر، (کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں)۔

یہ میثاق ایک روایت کے مطابق عرفہ کی ایک جانب وادیٔ نعمان میں لیا گیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق، سرزمین ہند میں حضرت آدم کو جہاں اتارا گیا تھا، وہیں یہ میثاق لیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ یہ میثاق لیا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کو جب جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف اتارا گیا، تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق کے بعد جنت

میں داخل کرنے سے پہلے میثاق کی یہ مجلس آراستہ کی گئی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ عرف عام میں 'بنی آدم' نوعِ بشر کو کہا جاتا ہے۔اس عرفی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت آدم بھی اس میں شامل ہیں۔۔یا۔۔چونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں اور سب انکی فرع،تو تمام فروع کے ذکر کے بعد انکے الگ سے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔۔الحاصل۔۔اس مجلس میثاق میں سب نے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر کے اس پر مضبوط قائم رہنے کا وعدہ کیا اور عہد کیا کہ ہم عبودیت معبودِ حقیقی سے مخصوص کرینگے۔اسکے غیر کیلئے عبودیت کا حق نہیں سمجھیں گے۔اسی طرح معبود حقیقی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرینگے۔

۔۔الختصر۔۔جب ان سے پوچھا گیا کہ۔۔'کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں'۔۔اور تمہارے جملہ امور کا مالک نہیں ہوں،اور علی الاطلاق تربیت میرے قبضہ میں ہے،اس میں کسی اور کا دخل نہیں،کیا اسے تم مانتے ہو۔۔یا۔۔نہیں؟اب انکے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہاں ہم اپنے نفوس پر گواہی دیتے ہیں،کہ بیشک تو ہمارا رب کریم ہے اور معبود برحق ہے۔تیرے سوا نہ کسی کو رب مانیں گے اور نہ معبود۔

لوگو!یہ عہد و پیمان کی محفل اسلئے سجائی گئی،تا کہ تم کو اس بات کی گنجائش نہ رہے،(کہ کہہ ڈالو قیامت کے دن، کہ بیشک ہم لوگ اس سے بے خبر تھے)۔غور کرو کہ یوم میثاق کا عہد و قرار بے خبری کا نتیجہ تھا۔۔یا۔۔علم و ادراک اور ہوش و خبر کا؟اس وقت حقائق اس طرح تمہارے سامنے کھل کر آ گئے تھے،کہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم ان سے انکار کر سکو۔تمہارا اس وقت کا عہد و اقرار اضطراری ہی سہی۔۔لیکن ۔۔دنیا میں تمہیں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا اور تم کو خود تمہاری اپنی ذاتی رائے کے حوالے نہیں کر دیا گیا،بلکہ ہر دور میں تمہارے پاس نبی و رسول مبعوث ہوتے رہے،جن کے معجزات انکی نبوت کی روشن دلیل اور واضح برہان تھے،اور انکا بنیادی کام ہی یہی تھا کہ وہ یوم میثاق کا تمہارا عہد و قرار یاد دلاتے رہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے۔۔لہٰذا۔۔اب تمہارے پاس کوئی عذر نہیں،کہ کہہ سکو کہ ہمیں تو روزِ میثاق کے تعلق سے کچھ معلوم ہی نہیں،کہ ہم نے کب اور کیا عہد و قرار کیا۔۔۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

یا کہہ ڈالو" کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا پہلے سے،اور ہم ان کی نسل تھے،ان کے بعد۔

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

توکیا تو ہم کو ہلاک کرے گا اس جرم سے جو باطل پرستوں نے کیا●

(یا) یہ (کہہ ڈالو کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا پہلے سے اور ہم انکی نسل تھے انکے بعد)۔۔الغرض۔۔شرک کا آغاز ہم نے نہیں کیا اور نہ ہی ہم اسکے موجد تھے۔ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو جو کرتے دیکھا وہی کیا۔تو اصل قصوروار تو وہ ٹھہرے، (تو کیا تو ہم کو ہلاک کردیگا اس جرم) کی وجہ (سے جو باطل پرستوں نے کیا)۔تمہارا یہ عذر بھی معقول نہیں، اسلئے کہ کیا تمہارے پاس انبیاء کرام نہیں آئے؟ انھوں نے حق و باطل کو واضح نہیں کردیا؟ تمہیں صراط مستقیم پر لانے کی جدوجہد نہیں کی؟ تو تم عقل و شعور رکھتے ہوئے باطل پرستوں ہی کے پیچھے کیوں چلے؟ اور حق پرستوں کی ہدایت کو قبول کر کے انکی پیروی کیوں نہیں کی؟ اے محبوب! بتادو۔۔۔

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں آیتوں کی، اور کہ وہ توبہ کرلیں●

(اور) واضح کردو، کہ جس طرح ہم نے عہد و پیمان کا حال بیان کیا ہے، (اسی طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں آیتوں کی اور) یہ اسلئے تا (کہ وہ) اپنے باطل نظریات و اعمال سے سچی اور کھری (توبہ کرلیں)۔۔الختصر۔۔ہم ان پر اپنی قدرت کی نشانیاں اسلئے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور اپنے باطل آباء و اجداد کی تقلید سے باز آکر تحقیق حق کی طرف اپنا رخ پھیرلیں۔

آگے کے مضمون میں مقام و حال کی مناسبت سے یہودیوں کو زجر و توبیخ کرنا مطلوب ہے اور انکے علماء کی بے راہ روی کو ظاہر کرنا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ اے محبوب! بیان کردو۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

اور پڑھ کر سنادو انھیں واقعہ اس کا جس کو ہم نے دیا تھا آیتیں، پھر وہ ان سے نکل ہی گیا۔

فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۱۷۵﴾

تو پیچھا کیا اس کا شیطان نے، تو ٹھہرا گمراہوں سے●

(اور) (پڑھ کر سنادو انھیں) یعنی ان یہودیوں کو (واقعہ اسکا) یعنی بلعم بن باعور کا، جو علمائے

یہود میں سے تھا اور (جسکو ہم نے دیا تھا آیتیں)۔
یعنی بعض کتابِ الٰہی کا اور اسم اعظم کا علم، جسکی برکت سے وہ مستجاب الدعوات ہو گیا۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت موسیٰ نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے، تو جو لوگ اس جنگ کو نہیں چاہتے تھے، تو ان میں سے ایک قوم بلعم کے پاس پہنچی اور درخواست کی کہ وہ حضرت موسیٰ کیلئے بددعا کر دے، تاکہ وہ یہ اقدام نہ کر سکیں۔
ابتداءً اس نے حضرت کلیم کی عظمت و نبوت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اس کام کو انجام دینے سے انکار کیا، لیکن جب قوم کا اصرار بڑھا، یہاں تک کہ قوم نے بلعم کی بیوی کو بھی اس کام کیلئے اپنا ہمنوا کر لیا، تو وہ اصرار کرنے میں ان کی شریک ہوگئی اور اس پر مستزاد یہ ہے، کہ اس بددعا کرنے کیلئے ایک خطیر رقم بطورِ رشوت دینے کیلئے تیار ہو گئے، تو بلعم اس کام کیلئے راضی ہو گیا اور بددعا کرنے کی غرض سے چل پڑا اور جیسے ہی اس نے بددعا کرنے کا ارادہ کیا، قدرت الٰہی سے اسکی زبان لٹک کر سینے تک آ گئی اور اس سے اسم اعظم اور جو بعض دیگر آیاتِ الٰہیہ کا علم تھا، وہ سب محو ہو گیا اور اسکی دنیاء و آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔
(پھر وہ) اپنی اس اوچھی حرکت کی وجہ سے **(ان)** کی، یعنی اسم اعظم وغیرہ کی برکتوں **(سے نکل ہی گیا، تو)** موقع پا کر **(پیچھا کیا اسکا شیطان نے)**۔۔ الغرض۔۔ پھر شیطان اسکا دوست اور ساتھی ہو گیا اور اسکو اپنی انگلیوں پر نچانے لگا **(تو)** انجام کار یہ ہوا، کہ وہ **(ٹھہرا گمراہوں سے)** یہاں تک کہ اسکی موت کفر پر ہوئی۔
ایک قول کی بنیاد پر وہ شخص امیہ بن ابی الصلت تھا، جو آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور جانتا تھا کہ اس زمانہ میں ایک رسول مبعوث ہوگا اور وہ چاہتا تھا، کہ وہ رسول میں ہی ہوں۔ جب جناب رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے، تو امیہ حسد کی راہ سے کافر ہو گیا اور وہ آیتیں جو اس نے پڑھی تھیں کنارے رکھ دیں، پھر نکل آیا ان آیتوں سے کفر و عناد کے واسطے جس طرح کہ سانپ کینچلی سے نکل آتا ہے، پھر پیچھے پڑا اسکے شیطان۔۔ یا۔۔ اُسے اپنے پیچھے لگا لیا۔ پھر ہو گیا وہ آیتیں جاننے والا، گمراہوں میں سے۔۔۔
بعضوں نے کہا ہے کہ وہ شخص ابو عامر راہب تھا، آنحضرت ﷺ نے جسکا لقب فاسق رکھا تھا اور مسجد ضرار بننے میں ساعی تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی صفت کتب الٰہیہ میں دیکھی اور پہچان کر ایمان لایا، پھر آخر کو انکار کر کے کافر ہو گیا۔۔۔ الحاصل۔۔ وہ شخص جسکے بارے

میں آیت زیر تفسیر نازل فرمائی گئی ہے، مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی بھی ہو۔۔یا۔۔انکے سوا کوئی ہو۔۔۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور اگر ہم چاہتے تو بلند فرمادیتے اس کو ان آیتوں کی بدولت، لیکن وہ تو جھک پڑا پستی کی طرف، اور لگ گیا اپنی خواہش کے پیچھے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۗ

تو اسکی مثال ہے جیسے کتے کی طرح، کہ اگر سختی کرو اسپر تو زبان نکالے، ہانپے، اور اگر اسے چھوڑ دو، تو بھی زبان نکالے ہانپے،

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

یہ مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

تو واقعات بیان کردو کہ وہ سوچ سے کام لیں●

(اور) کسی بھی قوم سے ہو (اگر ہم چاہتے، تو بلند فرمادیتے اسکو ان آیتوں کی بدولت) یعنی بہ سبب اُن صحیفوں کی آیتوں کے۔۔یا۔۔جو کلمات اسم اعظم پر شامل تھے انکے سبب سے ہم اُسے مراتب علیہ پر بلند کردیتے۔ وہ مراتب جو ابرار اور نیک لوگوں کے مقامات ہیں، (لیکن وہ تو) پست ہمتی کے سبب (جھک پڑا پستی کی طرف) اور رذالت پر اتر آیا، (اور لگ گیا اپنی خواہش کے پیچھے) رشوت لیکر ۔۔یا۔۔اپنی جورو کی بات مان کر، (تو اسکی مثال) اور ذلت وخرابی کی کیفیت ایسی (ہے جیسے کتے کی طرح، کہ اگر سختی کرو اسپر تو زبان نکالے، ہانپے اور اگر اُسے چھوڑ دو، تو بھی زبان نکالے ہانپے)۔

۔۔الغرض۔۔کتے کو ہنکانا اور نہ ہنکانا یکساں ہے۔ کسی حال میں بھی وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا۔ دونوں صورتوں میں زبان نکال کر ہانپنا ہی اسکا کام ہے۔۔۔بلعم کتے کی ایسی خاصیت والے کا بھی ایسا ہی حال تھا، کہ کسی طرح اپنی برائی سے نہیں پھرا۔ اس نے خواب بھی دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے بددعا نہ کرنا، مگر متنبہ نہ ہوا۔

جب حضرت موسیٰ کے لشکر کی طرف بددعا کرنے کو چلا، تو جس دراز گوش پر سوار تھا وہ دراز گوش اس سے بولا، کہ اس راہ سے پھر اور اس کام سے باز آجا، جب بھی اس نے کچھ خیال نہیں کیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی عارف کامل نے، کہ:

نامعلوم باد تقدیر کھلتے ہی کیا گل کھلاتی ہے

۔۔۔اگر فضل وکرم لائے تو بہرام جیسے کافر سے زنار اتروا کر دین حق کا شیدائی بنادے، اور اگر عدل کا ترازو لیکر آئے، تو بلعم بن باعور جیسے ولی کامل سے ایمان بلکہ شرافت انسانی چھین کر کتوں کے ہم پلہ بنادے۔۔الحاصل۔۔کسی کی عقل کو چون و چرا کی طاقت کہاں؟ مطلق فرمان دینے والا تو وہی ہے، جیسا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔۔۔
یہ مثل جو کہی گئی ہے، (یہ مثال ہے اس قوم کی جس نے) تکبر وانکار کی وجہ سے (جھٹلایا ہماری آیتوں کو)۔
یہاں قوم سے مراد مکہ کے کافر ہیں اور آیتوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ اس قوم سے یہود مراد ہیں، کہ انھوں نے توریت کی آیتوں کی تکذیب کی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی نعت چھپانے میں مشغول رہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔
بلعم کا قصہ انھیں سنادو کہ میری آیتوں سے انکا نکل جانا، میری آیتوں کو ان کے جھٹلانے سے مناسبت رکھتا ہے۔ (تو) اے محبوب! (واقعات بیان کردو) تا (کہ وہ سوچ سے کام لیں)۔۔نیز۔۔ فکر کریں اور فکر کرنے کے سبب نصیحت مانیں۔۔۔ان کافروں کا فعل اتنا برا ہے جسکی وجہ سے انھیں وصف قبیح سے موصوف ہونا پڑا۔۔۔

سَآءَ مَثَلَاْ الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ﴿۱۷۷﴾

بری مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور وہ اپنے ہی لئے اندھیر مچاتے رہے●

تو کس قدر (بری مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) جان بوجھ کر ان پر دلیل قائم ہو چکنے کے بعد، (اور) اپنے اس طرز عمل سے (وہ اپنے ہی لئے اندھیر مچاتے رہے) اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ انکے ظلم کا وبال انکے سوا کسی اور پر نہ پڑیگا۔
سچ ہے کہ۔۔۔

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دے، تو وہ ہدایت پر ہے۔ اور جس کی گمراہی بتادے، تو وہی دیوالیے ہیں●

(جسے اللہ) تعالیٰ اپنے فضل سے (ہدایت دے، تو وہ ہدایت پر ہے)۔ بس وہی راہ پانے والا ہے۔ (اور) اپنے عدل کے رو سے، (جسکی گمراہی بتادے) ظاہر فرمادے، (تو وہی دیوالیے

ہیں) اور دونوں جہاں میں نقصان پانے والے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ ہدایت ہو۔۔یا۔۔ضلالت، دونوں میں انسانی عزم وارادہ کا دخل ہے۔انسان جس چیز کا عزم کرتا ہے، رب تعالیٰ اس میں اسی چیز کی تخلیق فرمادیتا ہے۔تو بندے کی طرف سے کسب ہے اور رب کی طرف سے تخلیق۔اسی کسب کی وجہ سے ہدایت کی صورت میں بندہ جزاء، اور گمراہی کی صورت میں سزا، کا مستحق قرار پاتا ہے۔

سابقہ آیات میں گمراہوں کی گمراہی، ظالموں کے ظلم، بدعہدوں کی بدعہدی اور سرکشوں کی سرکشی اور انکے کفر وطغیان کی وضاحت فرمائی اور اب اگلی آیت سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے، گویا کہ یوں کہا گیا کہ اگر یہ ضدی اور معاند مشرکین ایمان نہیں لاتے، اور آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتے، تو آپ پریشان اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ ضدی مشرکین ان لوگوں میں سے ہیں، جن کو انجام کار دوزخ کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔انکی وجہ سے آپ ملول خاطر نہ ہوں۔آپ اپنے دینی معاملات میں اور اپنے متبعین کے ساتھ مشغول رہئے، اور انکی پرواہ نہ کیجئے۔۔۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

اور بے شک ہم نے پیدا فرمایا جہنم کیلئے بہتیرے جن وانسان۔ ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے

بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں، کہ ان سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ایسے ہیں، کہ جن سے سنتے نہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وہ ہیں گویا چوپائے، بلکہ وہ زیادہ گئے گزرے۔وہی لوگ بے خبر محض ہیں●

(اور) سب پر واضح فرما دیجئے کہ (بیشک ہم نے پیدا فرمایا جہنم کیلئے بہتیرے جن وانسان)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا، کہ انکے اذہان حق کی معرفت کو قبول نہیں کرینگے، اور یہ اپنی آنکھوں سے مخلوقات میں اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی آیات جب تلاوت کی جائینگی، تو یہ انکو غور وفکر سے نہیں سنیں گے۔کفر پر اصرار اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکے قلوب ماؤف ہیں اور انکی آنکھوں پر پردے ہیں اور انکے کانوں میں ڈاٹیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تکذیب میں انتہا کو پہنچ جانے والے یہودیوں کو علم الیقین

ہے کہ انکی کتابوں میں جس نبی کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ یہی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ چونکہ یہ ان بہت سے لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں، گویا کہ انکو پیدا ہی دوزخ کیلئے کیا گیا ہے۔۔۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ بنیادی طور پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے، مگر اپنی قلبی شقاوت وقساوت اور تمرد وسرکشی کی وجہ سے یہ اپنے کو دوزخ کا مستحق بنالیتے ہیں اور پھر انکا انجام یہ ہوتا ہے کہ انھیں جہنم رسید کردیا جاتا ہے، جسکو دیکھ کر ہر ایک اپنے اپنے طور پر یہ سمجھ سکتا ہے کہ گویا اسے دوزخ کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

۔۔الختصر۔۔انکا مقصدِ تخلیق عبادتِ خداوندی ہے، لیکن انکے کفر وشرک کا انجام انھیں دوزخ ہی میں ہمیشہ کیلئے رہنے دینا ہے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات ظاہر ہے کہ وہ زندگی بھر کفر پراڑے رہیں گے، اور جب موت آئے گی، تو کفر وشرک ہی پر مرینگے، اسلئے کہ۔۔۔

(انکے دل ایسے ہیں جن سے وہ) کچھ (سمجھتے ہی نہیں) یعنی اپنے دلوں کو حق پہچاننے کی طرف بالکل متوجہ نہیں کرتے اور ان آئینوں کو انکار اور غفلت کے زنگار سے صاف کر کے تصدیق اور اقبال کی جلا نہیں دیتے، (اور انکی آنکھیں ایسی ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں) یعنی کسی صورت سے حق چیز دیکھتے ہی نہیں، اور نہ ہی عبرت کی نگاہ سے مخلوقات کو دیکھتے ہیں، (اور انکے کان ایسے ہیں) کہ کسی طرح (جن سے) حق بات (سنتے ہی نہیں)۔۔الغرض۔۔ہوش کے ساتھ قرآن کی آیتیں اور نصیحتیں نہیں سنتے۔

تو جو لوگ اپنے حواس، اسبابِ تعیش کی طرف متوجہ رکھتے ہیں، انھوں نے لذتِ فانی کو مقصود حیات بنا رکھا ہے۔۔چنانچہ۔۔اسی کے تصور میں گم رہتے ہیں اور اس خیال سے باہر آنا ہی نہیں چاہتے۔ (وہ ہیں گویا چوپائے) جنھیں اپنے کھانے اور سونے کے سوا کسی کی فکر نہیں۔۔چنانچہ۔۔اسی میں ان کی ہمت مصروف رہتی ہے، لذتِ باقی اور نعمتِ دائمی کی طرف انھیں کچھ التفات نہیں۔ (بلکہ وہ) جانوروں سے بھی (زیادہ گئے گزرے)۔ اسلئے کہ جانور کسی تکلیف شرعی کے مکلف نہیں، تو وہ اگر شریعت کی موافقت نہیں کرتے، تو اسکے کسی حکم کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ بیشک (وہی لوگ بے خبر محض ہیں) اور اپنی غفلت میں کامل ہیں۔۔۔

اس مقام پر یہ جاننا بھی فائدے سے خالی نہیں، کہ فرشتے صرف عقل والے ہیں، انکے

پاس نفس نہیں۔ جانور صرف نفس والے ہیں، انکے پاس عقل نہیں۔ لیکن انسان عقل والا بھی ہے اور نفس والا بھی۔ تو اگر نفس رکھتے ہوئے، انسان صرف عقل ہی کا کام کرے، تو وہ فرشتوں کا مرکزِ نگاہ بن جاتا ہے۔ اور اگر اسکے برعکس وہ عقل رکھتے ہوئے بھی نفس ہی کا تابع ہوجائے، تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔ جانور اگر صرف نفس کا کام کرتا ہے تو اسکی وجہ ظاہر ہے کہ اسکو عقل ہے ہی نہیں۔ اب عقل رکھتے ہوئے بھی اگر کوئی خواہشاتِ نفس کا تابع رہے، تو یقیناً وہ جانوروں سے بدتر قرار پائیگا۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ بہت سے جنات اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کیلئے پیدا کیا اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ اور اس آنے والی آیت میں فرمایا 'اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو انھیں ناموں سے اُسے پکارو'۔ اس میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ غفلت اور عذابِ جہنم سے نجات کا طریقہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اسکو یاد کرو۔

اصحابِ ذوق اور اربابِ مشاہدہ کا وجدان یہ ہے، کہ دل جب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو اور دنیا اور اسکی دلچسپیوں اور رنگینیوں کی طرف متوجہ ہو، تو وہ حرص کی آگ اور زمہریر کے بعد اور حجاب میں واقع ہوجاتا ہے، اور جب دل میں اللہ کی یاد اور اسکی معرفت ہوتی ہے، تو وہ آفتوں اور مصیبتوں کی آگ اور ناکامی اور نامرادی کے عذاب سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔۔ المختصر۔۔ اچھی طرح جان لو۔۔۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ

اور اللہ کیلئے ہیں سارے اچھے نام، تو اسے پکارو ان ناموں سے، اور ہٹاؤ انھیں جو کج روی کریں

فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اس کے ناموں میں۔ بہت جلد سزا دیئے جائینگے جو کرتوت کر رکھا تھا●

(اور) ہمیشہ کیلئے یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ ہی (کیلئے ہیں سارے اچھے نام، تو اُسے پکارو) اور یاد کرتے رہو (ان) ہی (ناموں سے) کسی نام سے، اور ابوجہل۔۔ یا۔۔ اس جیسے کسی بددماغ کی باتوں پر کان نہ دھرو۔

کہ ایک مرتبہ اس نے کسی اہل ایمان کو یا اللہ اور یا رحمٰن کہتے سن لیا، تو بکنے لگا کہ۔ محمد ﷺ 'اور انکے اصحاب کہنے کو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں، تو پھر یہ

مرد کیوں دو خدا کو یاد کرتا ہے۔۔۔اس بے عقل کو یہ سمجھ میں نہ آسکا۔۔یا۔۔سمجھ کرنا سمجھی دکھا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے، لیکن اسکے اسماء اور صفات کثیر ہیں۔ اسماء وصفات کے تعدد سے ذات میں تعدد نہیں پیدا ہوتا ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات اپنے اندر اچھا ہی معنی رکھتے ہیں۔ گو انکی تعداد متعین نہیں، لیکن ان میں ننانوے ۹۹ نام ایسے ہیں کہ انکی فضیلت حدیث میں وارد ہے، کہ جو کوئی انھیں یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ انھیں ناموں میں سے اللہ اور رحمٰن بھی ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جن اسماء اور صفات کا اذن شرعی ثابت ہے، انکا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز ہے اور جسکی ممانعت ثابت ہے، انکا اطلاق منع ہے اور جن اسماء کا شریعت میں اذن ہو: نہ ممانعت ہو، انکے اطلاق میں اختلاف ہے، بشرطیکہ وہ ان اسماء میں سے نہ ہوں، جو باقی دوسری لغات میں اللہ تعالیٰ کیلئے عَلَم یعنی بطور نام ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اسماء اعلام کا اطلاق کسی کے نزدیک محل نزاع نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔۔لہٰذا۔۔اس پر اجماع ہوگیا ہے۔

اب رہ گیا وہ نام جسکے اطلاق میں مذکورہ بالا اختلاف کا اشارہ کیا گیا ہے، اس میں اہل حق کا موقف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر انکا اطلاق نہ کیا جائے۔ اس بات کا پاس و لحاظ تو ہر صورت میں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے کوئی ایسا نام نہ استعمال کیا جائے، جس میں کوئی معنوی نقص ہو۔ ایسا بھی نہ ہو کہ اگر بالفرض اس میں کمال کی صورت بھی ہو، تو دوسری طرف کسی طرح کے نقص کا پہلو بھی نکلتا ہو۔۔الحتصر۔۔اپنے معبود برحق کو اچھے ناموں سے یاد کرتے رہو۔

(اور ہٹاؤ انھیں جو کج روی کریں اسکے ناموں میں)۔ یعنی ایسوں سے رخ موڑ لو اور انکو توجہ کے قابل نہ سمجھو۔۔نیز۔۔انکی باتوں کو اہمیت نہ دو، جو اللہ تعالیٰ کے نام کے تعلق سے کج فکری اور کج روی کا شکار ہیں۔

جان لو کہ یہ ملحد ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نام میں بھی الحاد سے کام لیتے ہیں۔ عزیز سے عزیٰ، منان سے منات اور اللہ سے لات، یہ خدا کے نام سے بتوں کا نام نکالنا یہ الحاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یونہی کافروں نے اپنے معبودوں کو جو نام دے رکھے ہیں ان میں سے کسی

نام سے اپنے معبود برحق کو یاد کرنا بھی الحاد ہی ہے۔اسی طرح خدائے برحق کو ایسے ناموں سے یاد کرنا جو اسکی شایانِ شان نہیں، بلکہ انسانوں ہی کیلئے وہ مناسب ہیں، یہ طرز عمل بھی اسماءِ الٰہیہ کے تعلق سے بے راہ روی ہی ہے۔۔مثلاً: خدا کو طبیب، رفیق، سخی، منشی خلق کی بجائے صرف منشی، جراح، مدرس، وغیرہ وغیرہ۔

۔۔الحاصل۔۔ایمان والو! تم ملحدین کی نقل سے بچتے رہو اور ذکر الٰہی میں ناموں کے تعلق سے چھوٹی بڑی کسی طرح کی بھی بے راہ روی سے اپنے کو بچاتے رہو، اور یاد رکھو کہ (**بہت جلد سزا دیئے جائینگے**) سبب اسکے (**جو کرتوت کر رکھا تھا**)۔

یہ تو رہے وہ لوگ آتش دوزخ کے واسطے جو پیدا کیے گئے، یعنی انجام کار جو دوزخ میں ڈالے جانے کا مستحق قرار پائے۔اب آؤ انکا ذکر سنو، جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے واسطے پیدا فرمایا، یعنی جو اپنے نظریات واعمالِ خیر کے نتیجے میں جنت کے حقدار قرار دیئے گئے۔۔تو سنو۔۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

ع ۲۲ ۱۰ ۱۲

اور ہم نے جنھیں پیدا کیا ان میں ایک جمہوریت ہے کہ حق بتائیں، اور حق ہی انصاف کریں●

(اور) یاد رکھو کہ (**ہم نے جنھیں پیدا کیا ان میں ایک جمہوریت**) اور فکر وعمل میں یک جہتی (ہے) انکی شان یہی ہے (**کہ حق بتائیں**) یعنی سیدھی راہ دکھاتے رہیں، (**اور حق ہی انصاف کریں**) یعنی وہ حق والے بھی ہیں اور عدل وانصاف والے بھی ہیں۔وہ اپنے تمام فیصلوں میں حق وراست کی پوری پاسداری کرتے ہیں اور یہ مہاجرین وانصار اور انکی متابعت کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو بہت جلد تھوڑا تھوڑا کر کے گرائینگے ہم انکو، کہ انھیں خبر ہی نہ ہو●

(اور) انکے برعکس (**جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو**) اور انکا مذاق اڑایا (**تو بہت جلد تھوڑا تھوڑا کر کے گرائینگے ہم ان**) کافروں (کو) ہلاکت کے گڑھے میں اور وہ اسطرح، (**کہ انھیں خبر ہی نہ ہو**) کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔اسکی شکل یہ ہے کہ وہ گناہ کرتے رہیں گے، اسکے باوجود ہم انھیں

دنیوی نعمت دیتے رہیں گے، بلکہ وقتاً فوقتاً ان پر نعمتیں اور بھی زیادہ کرتے رہیں گے، تاکہ وہ غفلت میں پڑے رہیں اور گناہ بھی زیادہ کریں یہاں تک کہ وہ عذابِ جہنم کے مستحق ہوجائیں۔

نعمت دینا اور شکر کی توفیق چھین لینا، یہی استدراج ہے، جوانھیں گناہوں میں ملوث رکھتا ہے۔۔الحاصل۔۔ارشادِ خداوندی ہے کہ میں انھیں چھوڑے رکھونگا۔۔۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

اور انکو مہلت دونگا۔۔ بیشک میری مکر توڑ تدبیر مضبوط ہے●

(اور انکو مہلت دونگا)۔اب اگر اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اور توبہ واستغفار کر کے ایمان والے نہیں ہوجاتے اور اپنی بے راہ روی پر قائم رہتے ہیں، تو پھر ہم انھیں لے لینگے اپنی پکڑ میں۔ پھر انکا کوئی مکر انکے کام نہ آسکے گا۔ اسلئے کہ **(بیشک میری مکر توڑ تدبیر)** بہت ہی **(مضبوط ہے)**۔میری خفیہ تدبیر پر، کسی کی بھی تدبیر غالب نہیں آسکتی۔

ان کافروں کی عقل ویسے بھی ماری گئی ہے۔غور وفکر کی صحیح راہ سے یہ دور ہٹ چکے ہیں، جبھی تو رسولِ خدا ﷺ کے افعال کی حکمتوں تک ان کے ذہن وفکر کی رسائی نہیں ہوتی۔۔

چنانچہ۔۔ایک رات آنحضرت ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش میں سے ایک ایک کو خدائے جلیل وجبار کے عذاب سے ڈرارہے تھے، تو قریش کے سرداروں میں سے ایک نے حضرت صدیق، حضرت فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھ کر کہا کہ یہ تمہارا یار دیوانہ ہوگیا ہے کہ تمام رات چلایا کرتا ہے۔ کافروں کی ان جاہلانہ، غیر عاقلانہ باتوں کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٨٤﴾

کیاان لوگوں نے غور نہیں کیا○ کہ انکے ہردم کے ساتھی مالک میں جنون نہیں ہے۔ وہ بس کھلے بندوں ڈرانے والے ہیں●

(کیا ان) معاندین **(لوگوں نے)** اس بات پر **(غور نہیں کیا کہ انکے ہردم کے ساتھی مالک میں جنون نہیں ہے)**۔سچی بات صرف یہ ہے، کہ **(وہ بس کھلے بندوں ڈرانے والے ہیں)** خدا کے عذاب، آخرت کی پکڑ اور دائمی ہلاکت سے۔اور یہ وہی مردِ عاقل ہے جسے اظہار دعوت سے پہلے ہی

معاندین امین کہتے تھے۔ تو جب اُسی مردِ عاقل نے راہ حق کی طرف بالاعلان دعوت کرنی شروع کی، تو اسکو دیوانہ کیوں کہتے ہیں؟

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا انھوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی مملکت میں، اور جو کچھ پیدا فرمایا اللہ نے

مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

اپنے چاہے سے۔ اور یہ کہ شاید نزدیک آچکی ہو اُن کی موت،

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تو کس کلام کو اس کے بعد مانیں گے؟●

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بیان فرمایا تھا اور چونکہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر موقوف ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی الوہیت اور توحید کا بیان فرمایا ۔۔ چنانچہ ۔۔ ارشاد ہوا کہ ۔۔۔

(کیا انھوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی مملکت میں اور جو کچھ پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے اپنے چاہے سے)، تا کہ اس دیکھنے سے اور ان میں غور وفکر کرنے سے صانع کی قدرت کا کمال اور مبدع کی وحدت کا جمال انھیں ظاہر ہو جاتا۔ **(اور)** ان اندھوں نے **(یہ)** بھی خیال نہ کیا **(کہ شاید نزدیک آچکی ہو انکی موت)**۔ اگر انھیں موت ہی کا خیال آجاتا، تو موت کے آنے سے پہلے ایسے کاموں کی پیش قدمی کرتے جو نجاتِ دوجہانی کا موجب اور فلاحِ جاودانی کا سبب ہوتا۔ لیکن انکی بے حسی بتا رہی کہ وہ موت کو بھی بھولے ہوئے ہیں۔ انکو راہِ راست پر لانے کیلئے جو باتیں ان پر اثر انداز ہوسکتی تھیں، ان سے تو وہ پورے طور پر غافل ہیں، **(تو)** پھر **(کس کلام کو اس)** کلام الٰہی یعنی قرآن کریم **(کے بعد مانیں گے)** جس میں دینی اور دنیوی حقیقتیں اور ظاہری باطنی برکتیں جمع ہیں۔

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کی گمراہی اللہ بتادے، تو اس کا ہادی نہیں۔ اور انھیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں اندھرایا کریں●

سچ ہے کہ **(جسکی گمراہی اللہ)** تعالیٰ **(بتادے)** اور ظاہر فرمادے، کہ اسکی تقدیر میں گمراہ ہونا

ہی ہے،اوراس وجہ سے وہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہا ہے،(تو) کوئی بھی (اسکا ہادی نہیں) جسکی ہدایت وہ قبول کر سکے۔تو اسکو تو گمراہ ہی رہنا ہے(اور) خدا کی بھی یہ سنت ہے کہ انھیں اور ان جیسے سب کو (چھوڑ دیتا ہے کہ) وہ سب (اپنی سرکشی میں اندھرایا کریں) اور گمراہی میں بھٹکتے رہیں۔۔۔

کفار ومشرکین اور یہودیوں کی یہ عجیب روش رہی کہ کافر تو اپنی جہالت میں اور یہودی جان بوجھ لینے کے بعد بھی نبی کریم کی نبوت کو آزمانے کیلئے عجیب وغریب اور غیر ضروری سوال کیا کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔یہود نے کہا،اے محمد ﷺ اگر تم پیغمبر ہو،تو ہمیں قیامت کی خبر دو،اس واسطے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ قیامت کب آئیگی۔

یہ سوال امتحانی تھا اسلئے کہ وہ اپنی کتابوں سے بخوبی جان چکے تھے کہ قیامت کا علم ان علوم الٰہیہ میں سے ہے،جسکو بتانا کسی بھی نبی کے فریضۂ نبوت میں سے نہیں، بلکہ اسکا اچانک آجانا ہی حکمتِ خداوندی کے نزدیک طے ہے۔تو اگر بالفرض رب قادر مطلق اپنی کسی حکمت۔۔یا۔۔نوازش کے تحت کسی رسول ونبی کو قیامت کا وقت بتا بھی دے،جب بھی وہ پیغمبر اس بات پر مامور ہوگا کہ وہ کسی اور کو نہ بتائے، اسلئے کہ رب نے فرمادیا ہے کہ قیامت اچانک آئیگی،تو اب اگر کسی نے اسکو ظاہر کردیا،تو پھر قیامت آنا اچانک نہ رہا،تو یہ سراسر کلامِ الٰہی کی تکذیب ہوئی۔اور ظاہر ہے کہ اللہ کا پیغمبر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تصدیق کیلئے آتا ہے،نہ کہ اسکی تکذیب کیلئے۔۔۔

یہودی اس صورت حال سے بخوبی باخبر تھے اور وہ سوچ رہے تھے کہ اس سوال کے جواب میں پیغمبر اسلام جو بھی صورت اختیار فرمائینگے،اس میں ہمارا ہی فائدہ ہوگا۔اگر وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اسکا علم نہیں،تو ہم کو اس پروپیگنڈہ کا موقع مل جائیگا کہ یہ کیسے نبی ہیں جنھیں قیامت کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہیں اور پھر یہ قیامت سے ڈرا بھی رہے ہیں؟۔۔۔اور اگر جواب میں کسی وقت کا نام لے لیا،تو پھر ہمیں اور بھی شور مچانے کا موقع مل جائیگا، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نہیں ہیں، اسلئے کہ ساری آسمانی کتابیں قیامت کے اچانک آنے ہی کی باتیں کررہی ہیں، انکے اس جواب نے تو سارے انبیاء کرام کی تکذیب کردی ہے اور ساری آسمانی کتابوں کو جھوٹا قرار دیدیا ہے۔۔الختصر۔۔یہودیوں کے سوال کے بعد ارشادِ خداوندی ہوتا ہے، کہ اے محبوب۔۔۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

تم سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں "کہ کب مقرر ہے"۔ جواب دے دو، کہ اسکا علم میرے پروردگار ہی کو ہے۔

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ

نہ ظاہر کریگا اسکو اسکے وقت پر۔۔۔ مگر وہ گراں گزر رہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہ آئے گی تمہارے پاس

اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ

مگر اچانک"۔ تم سے پوچھتے ہیں گویا تم کو خود اس کی کاوش ہے۔ جواب دیدو، "کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے"،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے●

(تم سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں کہ کب مقرر ہے۔ جواب دیدو کہ اسکا علم میرے پروردگار ہی کو ہے) اللہ تعالیٰ نے اسکو ظاہر فرمانے کی ذمہ داری نہ کسی نبی مرسل کو دی ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرب کو، اسی لئے (نہ ظاہر کریگا اسکو اسکے وقت پر، مگر وہ) اللہ تعالیٰ ہی۔ (گراں گزر رہی ہے آسمانوں اور زمین میں) یعنی قیامت کا علم اہل آسمان اور اہل زمین، یعنی ملائکہ وجن وانس، سب پر بھاری ہے اُسکی ہول اور ہیبت کی وجہ سے، گویا اسکے اخفاء میں یہی حکمت ہے۔ تو (نہ آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک)، تا کہ تم بے فکر نہ ہو جاؤ، بلکہ طاعات میں لگے رہو اور برائیوں سے بچتے رہو۔ توبہ میں عجلت کرو اور ہر وقت ہوش وگوش کے ساتھ اللہ ورسول کی اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔

اے محبوب! یہ سوال کرنے والے قیامت کے تعلق سے (تم سے پوچھتے ہیں، گویا تم کو خود اسکی کاوش ہے) یعنی انکے سوال کا انداز کچھ ایسا ہے، جیسے کہ خود تم خواہاں ہو اور چاہتے ہو کہ اسکا حال تم سے پوچھا جائے، حالانکہ آپ تو اسطرح کے سوالات کو ناپسند فرماتے ہیں، کہ قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ظاہر فرمانے والا ہے۔ جسکا اچانک آنا مقدر ہو، اسکے آنے کے تعلق سے سوال کوئی عاقل کیسے گوارا کرسکتا ہے۔ تو اے محبوب! انکو دوبارہ (جواب دیدو کہ اسکا علم اللہ) تعالیٰ (ہی کو ہے، لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے) کہ خدائے عزوجل کے سوا کوئی بھی، وقت قیامت کو ظاہر فرمانے والا نہیں۔

اس جواب کو سن کر یہودی اپنا سامنہ لیکر رہ گئے اور انکے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ یہودیوں کی طرح کفارِ مکہ بھی ازراہِ امتحان۔۔۔یا۔۔۔ ازراہِ تمسخر، نبی کریم سے مختلف

سوالات کرتے رہتے تھے ۔۔ چنانچہ ۔۔ ایک مرتبہ اہل مکہ نے رسولِ مقبول سے کہا، کہ اے محمد ﷺ خدا تجھے نرخ کی خبر کیوں نہیں کر دیتا، کہ کب ارزاں ہوگا؟ کب گراں؟ کہ ارزانی میں تو مول لے رکھا کر اور گرانی میں بیچ ڈالا کر اور فائدہ اٹھایا کر۔ کتنی گھٹیا سوچ تھی مکہ والوں کی، جو نبی کریم کو ذخیرہ اندوزی اور پھر دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر جس خرابی کو ختم کرنے آیا ہو، تو وہ خود اُسے کیسے اختیار کر سکتا ہے؟

بظاہر سوال کا انداز کچھ بھی ہو، لیکن اسکے باطن میں محمد عربی ﷺ کی نبوت کا انکار تھا۔ سوال کا حاصل یہ نکلتا ہے، کہ اگر آپ نبی ہیں، تو آپ کو غیب کا علم ہونا چاہئے اور آپ کو غیب کا علم ہے کہ نہیں؟ اسکی پہچان یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا کام انجام دیں، جس سے آپ کی غیب دانی کی نشاندہی ہو ۔۔ چنانچہ ۔۔ کافروں نے وقت سے پہلے ذخیرہ اندوزی کو اپنے طور پر اسکی علامت قرار دیدیا۔ اس سوال پر ارشادِ الٰہی ہوا، کہ اے محبوب! ۔۔۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُؕ وَ لَوْ كُنْتُ

کہہ دو" کہ نہیں مالک ہوں اپنے نفس ہی کے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر اللہ کے چاہے سے۔ اور اگر میں

اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚۛ

غیب ہی بتایا کرتا تو اکٹھا کر لیتا خوب مال تم لوگوں کا۔ اور مجھ کو چھو بھی نہ جاتی تمہاری ایذا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠ ﴿۱۸۸﴾

میں تو بس ڈرانے والا، اور خوش خبری سنانے والا ہوں، ان کو جو مانیں"●

(کہہ دو کہ) بذاتِ خود (نہیں مالک ہوں اپنے نفس) اور اپنی ذات (ہی کے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر اللہ) تعالیٰ (کے چاہے سے) ۔۔ الغرض ۔۔ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت، دونوں میں کسی پر بھی میرا ذاتی اختیار نہیں، مگر جو کچھ اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اور مجھے تعلیم کر دے۔ تو جب ان دونوں باتوں پر خود اپنے لئے میرا کوئی ذاتی اختیار نہیں، تو پھر میرے لئے دوسروں کو نفع پہنچانے ۔۔ یا ۔۔ ان سے تکلیف دور کرنے کا بذاتِ خود کہاں سے اختیار ثابت ہوتا ہے؟

اے کافرو! غور کرو (اور) سوچو کہ (اگر میں غیب ہی بتایا کرتا، تو) اسکے عوض میں (اکٹھا کر لیتا خوب مال تم لوگوں کا)، جس طرح کاہن وغیرہ وقتاً فوقتاً تم لوگوں کو چوستے رہتے ہیں۔ اور پھر میرے

پاس دنیا داروں کی طرح مال کی فراوانی ہو جاتی، (اور مجھ کو چھو بھی نہ جاتی تمہاری) طرف سے کسی طرح کی (ایذاء) اور تکلیف۔ اور میری ایسی حالت نہ ہوتی جسکی تعبیر کم نظر اور بے شعور لوگ تنگدستی اور محتاجی سے کرتے ہیں۔

مترجم علیہ الرحمہ نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ ارشادِ الٰہی کی جس توجیہہ کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ تفسیر اسی کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس آیت کریمہ کا عام طور پر جو ترجمہ کیا گیا ہے، آگے کی وضاحت اسکی روشنی میں ہے۔۔۔ ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ میں دو باتوں کا خصوصیت سے ذکر ہے، کہ اگر میرے پاس غیب کا علم ہوتا، تو ہر طرح کی منفعت حاصل کرلیتا اور ہر طرح کی مضرت سے اپنے کو بچا کے رکھتا۔

اب سوال یہ ہے کہ جلب منفعت ہو۔۔یا۔۔دفع مضرت، اسکے لئے کیا صرف علم ہی کافی ہے۔۔یا۔۔اسکے لئے قدرت و اختیار بھی چاہئے؟ ظاہر ہے کہ صرف علم سے نہ کوئی نفع حاصل کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی کسی نقصان سے بچا جاسکتا ہے۔۔مثلاً: اگر ہم کو اس بات کا صحیح علم ہو جائے، کہ ہمارے شہر پر کوئی بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے، جو سارے شہر کو تباہ و برباد کردیگی، لہٰذا تباہی سے بچنے کیلئے شہر سے باہر ہو جانا چاہئے۔ لیکن وقت کی تنگی اور اسباب و ذرائع کی عدم موجودگی کی وجہ سے فوراً شہر کے باہر ہو جانا اپنی قدرت و اختیار سے باہر ہے، ایسی صورت میں صرف مصیبت کا علم ہم کو تباہی سے بچانے سے قاصر رہا۔

۔۔یونہی۔۔اگر ہم کو صحیح طور پر علم ہو جائے، کہ فلاں جگہ دفینہ ہے مگر اس پر سخت پہرا ہے۔ ایسی صورت میں اس تک رسائی ہماری قدرت و اختیار سے باہر، تو صرف علم کی وجہ سے ہم اس سے کوئی نفع اٹھا نہیں سکتے۔ اس مختصر سی وضاحت کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ وہی علم جلب منفعت اور دفع مضرت کیلئے مفید ہے، لازمی طور پر جسکے ساتھ قدرت و اختیار بھی ہو۔ اور یہ علم وہی ہے جو ذاتی ہو، عطائی نہ ہو۔ اسی علم کی یہ شان ہے، کہ نہ ہی اس سے قدرت و اختیار جدا ہے، اور نہ ہی قدرت و اختیار سے یہ الگ ہے۔

یہ شان صرف علم الٰہی اور قدرتِ خداوندی ہی کی ہے، جہاں نہ علم سے قدرت و اختیار جدا، اور نہ ہی قدرت و اختیار سے علم۔ خدا کے سوا کسی کی بھی یہ شان نہیں۔ اگر کسی میں علم ہے، تو قدرت نہیں اور اگر قدرت ہے، تو علم نہیں۔ اور اگر کسی میں دونوں ہوں، تو مستقل نہیں۔۔المختصر۔۔کوئی بھی اپنی ذات و صفات میں غنی علی الاطلاق نہیں۔ خدائے وحدہ

لاشریک کے سوا کوئی نہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی کریم اپنی ذات سے جس علم کی نفی فرما رہے ہیں، یہ وہی ذاتی علم ہے جس میں کسی کی عطا کا دخل نہ ہو، اور جسکے لئے قدرتِ ذاتی لازم ہو، جبھی جلب منفعت ودفع مضرت کی صورت نکل سکتی ہے۔

تو اے محبوب! فرمادو کہ اگر ہوتی کوئی ایسی صورتِ حال، کہ میں بے خدا کے بتائے ہوئے بذاتِ خود غیب جانتا اور اسکی لازمی صفت ذاتی قدرت والا ہوتا، تو البتہ اپنی اس ذاتی قدرت سے جو چاہتا حاصل کرلیتا اور کسی طرح کے دکھ، درد اور رنج و تکلیف کو اپنے تک پہنچنے نہیں دیتا۔ تو لوگو! سن لو کہ میں ذاتی علم اور ذاتی قدرت و اختیار والا نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے، خدائی کا دعوی نہیں کیا ہے، کہ تم مجھ میں خدائی صفات تلاش کرو۔ (میں تو بس) جہنم سے (ڈرانے والا اور) جنت کی (خوشخبری سنانے والا ہوں انکو جو مانیں)۔ گو میری ہدایت سارے انسانوں کیلئے ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں۔

اس حساب سے دیکھئے تو یہ ساری ہدایتیں انہیں کیلئے ہیں، یعنی انھیں کیلئے مفید ہیں، جو ماننے والے ہیں۔۔الختصر۔۔'انذار' سارے مکلفین کیلئے ہے اور 'بشارت' صرف مومنین کیلئے ہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے کہ میں ایک بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میرا فریضہء نبوت یہی ہے کہ میں ڈرسناتا ہوں اور خوش خبری دیتا ہوں۔۔لہٰذا۔۔ جو علوم ان دونوں سے متعلق ہوں، خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہر لحاظ سے اسکے تعلق سے مجھ سے سوال کرسکتے ہو۔ اور سن لو کہ جب غیب کو ان دونوں سے تعلق نہیں، یا احکام و شرائع سے انھیں کوئی واسطہ نہیں، اسکا مجھ سے سوال نہ کرو۔

قیامت کے متعلق بھی جو علوم متعلقہ اس سے واسطہ رکھتے ہیں انھیں میں تمہیں بتاتا رہتا ہوں، یعنی اسکی ہولناکی کی خبریں اور اس دن میں مجرموں کی سزائیں۔۔یا۔۔اسکے وقوع کے متعلق یقین دلانا۔۔یا۔۔اسکا قریب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میرے ذمہ تھیں اور وہ میں نے بتادیں۔ باقی رہا اسکے وقوع کے وقت کا تعین، نہ اسے 'انذار' سے تعلق ہے، نہ میں بتاتا ہوں، بلکہ بتاؤں تو وہ 'انذار' کے خلاف ہے۔ اسلئے مجھ سے اسکا سوال ہی بے سود اور بے محل ہے۔ اسلئے کہ اگر تعین بتادیا جائے، تو پھر کون گناہوں سے بچتا ہے اور کسے توبہ کی طرف توجہ ہوسکتی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں نبوت کی اصل غرض و غایت کے منافی ہیں۔

--الختصر--سابقہ وضاحت سے بخوبی معلوم ہوگیا، کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتی، ازلی ابدی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا، اور یہ دونوں صفتیں خدائے وحدہ لاشریک ہی کی شایانِ شان ہیں۔خدا کے سوا کسی اور کیلئے انکا حصول عقلاً اور شرعاً ہر طرح سے محال ہے۔غیر خدا کا علم اور اسکی قدرت دونوں ہی عطائی ہیں اور دونوں میں یہ بھی لازم نہیں کہ ہمیشہ ایک ساتھ رہیں۔تو اسکے لئے دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں، یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم تو ہو، مگر حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے مطلوبہ چیز جہاں ہو وہاں سے نکال لینے کی قدرت ہو، مگر یہی معلوم نہ ہو کہ وہ چیز ہے کہاں؟---

'اب ایسی صورت حال میں کسی بندے کے عطائی علم اور اسکی عطائی قدرت کا بالکلیہ انکار کر دینا--یا--اعتراف نہ کرنا اور یہ بھی نہ سوچنا کہ بندے کی کوئی بھی صفت ہو اسکا ظہور مشیت خداوندی کا رہینِ منت ہے'۔کسی اچھی سمجھ والے سے ممکن نہیں۔یاد رہنا چاہئے کہ صفات کا ثبوت اور ہے، اور صفات کا ظہور اور ہے۔عدم ظہور کو عدم ثبوت کی دلیل قرار دینا غایت جہل کی بات ہے۔اور یہ بھی ایک جہالت ہے کہ کسی بندے سے ایسا مطالبہ کرنا جو علم ذاتی اور قدرت ذاتی والے ہی کے تحت قدرت ہو۔

بیشک نبی کریم نے اپنے ارشاد میں جلب منفعت اور دفع مضرت کو جس علم کا مرہونِ منت قرار دیا ہے، وہ وہی علم ذاتی ازلی ابدی ہے، قدرت ذاتی جسکی شریک ہے۔اور یہ اسی ذات عظیم وجلیل کا علم ہے، جو قادر مطلق اور خالق کائنات ہے۔کائنات میں جدھر بھی نظر ڈالئے اسی کی قدرت کاملہ کے جلوے نظر آتے ہیں۔اگر زیادہ نہیں تو کم از کم صرف تخلیق انسانی ہی پر غور کیجئے صاف ظاہر ہو جائیگا، کہ---

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ

وہ اللہ جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، اور نکالا اُسی جان سے اُس کا جوڑا، تا کہ سکون

اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ

ملے۔تو جب چھا گیا مرد عورت پر، تو وہ حاملہ ہوگئی ہلکی پھلکی، تو چلتی پھرتی رہے اس کو لئے، پھر جب بوجھل پڑی، تو دونوں

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَٮِٕنۡ اٰتَيۡتَـنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾

نے دعا کی اللہ اپنے پالنے والے سے، کہ "اگر تو نے ہم کو نیک اولاد دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے"

(وہ) خدائے وحدہ لاشریک یعنی (اللہ) تعالیٰ ہی ہے (جس نے پیدا فرمایا تم کو) حضرت آدم کی (ایک جان) یعنی ایک ذات (سے، اور نکالا اُسی جان) یعنی پیدا کیا اسکے جسم کی پسلی کی کسی ہڈی (سے) حضرت حوا کی شکل میں (اسکا جوڑا، تاکہ سکون ملے)۔ یعنی حضرت آدم اس سے راحت حاصل کریں اور اس سے الفت و محبت سے پیش آئیں۔

(تو جب چھا گیا مرد عورت پر)، یعنی حضرت آدم نے اسکے ساتھ خلوت اور صحبت کی، (تو وہ حاملہ ہوگئی، ہلکی پھلکی) یعنی ابتداءً رحم میں صرف نطفہ ہلکے پھلکے انداز میں رہا، (تو) ان کو کچھ گرانی محسوس نہیں ہوئی، اور وہ (چلتی پھرتی رہے اسکو لئے)۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اس حمل کے ساتھ چلا پھرا کرے۔ (پھر جب بوجھل پڑی) یعنی شکم میں حمل بڑھا اور حضرت حواء کو اسکا بوجھ محسوس ہوا اور ولادت کے قریب ہونے کے آثار نمایاں ہوگئے، (تو دونوں نے دعا کی اللہ) تعالیٰ (اپنے پالنے والے) پروردگار (سے، کہ اگر تو نے ہم کو نیک اولاد دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے) تیری اس عطا کردہ نعمت کے۔

حضرت آدم و حواء نے شکر گزاری کی یہ بات اپنی آنے والی پوری نسل کی طرف سے رکھی تھی، گویا اشارہ و کنایہ میں پوری نسل کو برنگ ہدایت وصیت فرمادی تھی، کہ تم بھی ہماری طرح شکر گزار بندے بنے رہنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں صالح اولاد عطا فرمائے، تو اسکا ضرور شکر ادا کرنا۔ آپ نے صالح کی قید لگا کر اشارہ فرمادیا، کہ آئندہ کی نسل میں غیر صالح افراد بھی ظاہر ہونگے۔

تو اے قریشیو! دیکھو تم بھی اسی نسل سے ہو اور قصی تمہارے مورث ہیں اور انکی زوجہ عربیہ اور قرشیہ ہی تھیں، ہم نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے ہمدم و دمساز اور باعثِ راحت و سکون بنایا۔ ان دونوں نے بھی ولد صالح کیلئے دعا کی تھی، ہم نے اپنے فضل سے یکے بعد دیگرے انھیں چار بیٹوں سے نوازا، مگر انھوں نے ان میں سے کسی کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ نہیں رکھا، بلکہ عبدعزی، عبد قصی، عبدمناف اور عبدالدار رکھا۔

۔۔الحاصل۔۔ عبدیت کی نسبت خود ذات باری تعالیٰ کی طرف نہیں کی، قصی نے حضرت آدم و حواء کی ہدایت کا خیال نہیں رکھا۔۔۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ

تو جب دیدی انکو نیک اولاد، تو بنانے لگے اس کے شریک اس کے دیئے میں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

تو بہت بلند ہے اللہ ان کے شرک سے●

(تو جب دے دی انکو) یعنی حضرت آدم وحواء کی نسل سے وابستہ دوفرد یعنی قصی اور انکی زوجہ کو انکی دعاؤں کے نتیجے میں (نیک اولاد، تو بنانے لگے اسکے شریک اسکے دیئے) یعنی عطا (میں)۔ اور نام رکھتے وقت عبدیت کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے لگے۔

۔۔الحاصل۔۔آیت کریمہ کے ظاہر سے جو معلوم ہوتا ہے، کہ 'حضرت آدم وحواء نے شریک بنایا'، یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت آدم وحواء کی 'آنے والی اولاد نے شریک بنالیا' جسکی تشریح اوپر گزری، اسلئے کہ حضرت آدم نبی ورسول تھے جو کفر وشرک کے ارتکاب سے معصوم ہیں، ان سے شرک کا وقوع ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے بھی قرآن کریم میں شرک کے مرتکبین کا ذکر جمع کے صیغے سے کیا ہے، جس سے واضح ہوگیا کہ جن ارتکاب کرنے والوں کی طرف قرآنی اشارہ ہے، وہ کثیر ہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قرآن وحدیث میں عبدیت بمعنی غلام، کی نسبت غیر خدا کی طرف جابجا کی گئی ہے، اسلئے عبد النبی اور عبد المصطفیٰ وغیرہ کہنا اگرچہ کفر وحرام نہیں ہے اور نہ ہی مکروہِ تحریمی ہے، لیکن اسطرح کا نام رکھنے سے احتراز بہتر ہے، تاکہ کوتاہ نظر اور فہم وادراک سے کورے لوگ جن کو اس میں شرک کا شائبہ نظر آتا ہے، انکی زبان بندی ہوجائے اور انھیں بلاوجہ عام لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

عبد کا ایک معنی عابد کے ہیں اور ایک معنی خادم کے ہیں، تو اگرچہ بولنے والے کا عقیدہ و نظریہ واضح دلیل ہے، کہ وہ اپنے کلام میں عبد المصطفیٰ سے مصطفیٰ ﷺ کا خادم اور پیروکار ہی مراد لے رہا ہے، لیکن سننے والے مختلف ذہن وفکر اور الگ الگ فکری سطح کے ہوتے ہیں، تو انھیں عبد اللہ اور عبد النبی میں مذکورہ لفظ عبد کی باریکیوں کو سمجھانے سے زیادہ آسان یہ ہے، ایسے لفظ کے استعمال سے احتراز برتا جائے، اور کم فہموں کو اپنی ذات سے بدگمان ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔۔۔اب جو لوگ غیر خدا کی طرف لفظ عبد کی نسبت کریں اور لفظ عبد سے عابد اور پجاری ہی مراد لیں۔۔۔

(تو) وہ سن لیں کہ (بہت بلند) اور بزرگ وبالا۔۔نیز۔۔پاک وصاف (ہے اللہ) تعالیٰ (انکے شرک سے)۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا شریک ٹھہراتے ہیں اسے، جو کچھ بھی پیدا نہ کرے، اور وہ خود پیدا کئے گئے ہوں●

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾

وہ شرکاء نہ انکی مدد کرسکیں، اور نہ اپنی مدد کریں●

یہ بے عقل (کیا شریک ٹھہراتے ہیں) میری عبادت میں (اسے جو کچھ بھی پیدا نہ کرے اور) انکی مجبوری و عاجزی کا حال یہ ہو کہ (وہ خود پیدا کئے گئے ہوں)۔اور ظاہر ہے کہ جو مخلوق ہو، وہ خالق ہو ہی نہیں سکتا۔۔نیز۔۔انکا حال یہ ہو کہ انکے نام نہاد۔۔۔

(وہ شرکاء نہ انکی مدد کرسکیں) یعنی نہ کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں اور نہ ہی کسی تکلیف کو دور کرسکیں، (اور نہ) ہی وہ خود (اپنی مدد کریں)، خواہ کوئی انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔۔یا۔۔انکو غلاظت آلودہ بنادے۔۔۔اے مسلمانو! تم ان مشرکین کو پکارو۔۔۔

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ

اور اگر انھیں بلاؤ ہدایت کی طرف، تو تمہارے ساتھ نہ چلیں۔ تمہارے لئے برابر ہے،

أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾

خواہ انھیں پکارو، خواہ خاموش رہو●

(اور اگر انھیں بلاؤ) دین اسلام اور (ہدایت کی طرف، تو تمہارے ساتھ نہ چلیں) مسلمانو! یہ ابوجہل اور اسکے پیچھے چلنے والے کبھی بھی تمہاری دعوت حق کو قبول کرنے والے نہیں، یہ ہمیشہ اس سے محروم ہی رہیں گے۔۔الغرض۔۔(تمہارے لئے برابر ہے خواہ انھیں پکارو خواہ خاموش رہو)، یہ کافروں کا مخصوص طبقہ راہ پر آنے والا نہیں۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے تمہیں انکو دعوت دینے اور ان تک حق پہنچانے کا ثواب ضرور ملے گا، اور تم اخروی اجر سے محروم نہ رہو گے۔اور ظاہر ہے کہ یہ فائدہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کیلئے تسلی ہے کہ وہ اپنا کام کئے جائیں اور دین حق کی دعوت پیش کرتے رہیں۔اب اگر کوئی نہ مانے، تو اس میں انکا کوئی قصور نہیں، بلکہ نہ ماننے والوں کی بدقسمتی اور بدنصیبی ہے۔آگے کی آیت میں بتوں کا کمال عجز ظاہر کرنے کیلئے، مشرکین سے کہا جارہا ہے، کہ اے مشرکو!۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ

بیشک جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر دہائی دیتے ہو، وہ تمہاری طرح سے بندے ہیں،

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾

"لو اب ان کو پکارو" پھر وہ تمہارا جواب دے دیں، اگر تم سچے ہو●

(بیشک جن کی تم اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر دہائی دیتے ہو) اور پوجتے ہو، اور تم نے انکا نام اللہ رکھا ہے (وہ تمہاری طرح سے بندے ہیں)، جیسے تم خود مختار نہیں اور تقدیر۔۔نیز۔۔قبضہء قدرت کے حضور مجبور ولاچار ہو، یہی حال انکا بھی ہے۔ اچھا (لو) تمہیں آزمالو، اور انکی بے کسی اور مجبوری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، اور (اب انکو پکارو، پھر وہ تمہارا جواب دیدیں) تو پھر تم کیوں نہیں انکو پکارتے اور ان سے اپنی پکار کا جواب حاصل کرتے، (اگر تم سچے ہو) کہ وہ تمہارے خدا ہیں۔ نادانو! خدائے برحق تو وہی ہے جو اپنے بندوں کی دعا قبول کرے، اور اپنے عبادت کرنے والے کی ندا کا جواب دے۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے تھامیں، یا ان کی

أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا

آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں، یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔ للکار دو "کہ بلاؤ

شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾

اپنے معبودوں کو، پھر داؤں چلو، مجھ کو مہلت ہی نہ دو●

بے عقلو! بتاؤ (کیا انکے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا انکے ہاتھ ہیں جن سے تھامیں) چیزوں کو، جیسے کہ تم اپنے ہاتھوں سے پکڑتے ہو، (یا انکی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں) جیسے تم دیکھتے ہو، (یا انکے کان ہیں جن سے سنیں) جس طرح تم سنتے ہو، آخر اے مشرکو! تم خود قائل ہو کہ انکے نہ چلنے والے پاؤں ہیں، نہ پکڑنے والے ہاتھ ہیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں ہیں اور نہ سننے والے کان ہی ہیں، اسکے برعکس تمہیں سب کچھ حاصل ہیں، تو تم ان پر افضل ہو۔ اور بڑی نادانی ہے کہ افضل اپنے مفضول کی پرستش کرے۔

یہ آیت کریمہ کافروں کی نادانی و جہالت کو اظہر من الشمس کردینے والی ہے۔۔۔کافر جب اس دلیل کے سبب لاجواب اور ساکت ہوئے، تو آنحضرت ﷺ کو اپنے بتوں سے ڈرانے لگے اور بولے، اے محمد ﷺ ہمارے خداؤں کی مذمت نہ کر، کہ مبادا کوئی آفت اور مصیبت تجھے پہنچائیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اے محبوب!۔۔۔

(للکاردو) اور کھلے لفظوں میں چیلنج کردو **(کہ بلاؤ اپنے معبودوں کو)** اور **پھر تم اور تمہارے** بنائے ہوئے خدا میری عداوت میں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہو جاؤ، **(پھر داؤں چلو)** اور **مجھے** برائیاں پہنچانے میں جہاں تک ہوسکے کوشش کرو، اور اس کام میں عجلت سے کام لو اور **(مجھ کو)** کسی طرح کی **(مہلت ہی نہ دو)**، کہ میں تمہاری خیالی اور مزعومہ آفت سے اپنے بچاؤ کیلئے کچھ کرسکوں۔ نادانو! غور سے سن لو، کہ۔۔۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ۖ

بیشک میرا مولیٰ اللہ ہے، جس نے اتاری کتاب

وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾

اور وہ نیکوں کا کارساز ہے●

(بیشک میرا مولیٰ اللہ) تعالیٰ **(ہے جس نے اتاری کتاب، اور وہ نیکوں کا کارساز ہے)**۔۔

الختصر۔۔میں اپنے خدائے وحدہ لاشریک کی حفاظت اور حمایت پر یقین رکھتا ہوں، اور تمہارے قصد اور مکر سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ ساری دنیا میری مخالف ہو جائے، لیکن جب قادرِ مطلق خدائے وحدہ لاشریک میرا نگہبان ہے، تو مجھے کسی کا خوف نہیں۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ بتوں کو حصول نفع اور دفع ضرر میں مطلقاً قدرت نہیں اور اس آیت میں یہ واضح فرمایا، کہ صاحب عقل کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، جو دین اور دنیا کے منافع پہنچانے کا ولی ہے۔ دین کے منافع اسطرح پہنچائے کہ اس نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا، جس میں معیشت اور آخرت کا مکمل اور جامع نظام ہے۔ اور دنیا کے منافع اسطرح پہنچائے کہ اس نے فرمایا وہ صالحین کا ولی ہے، یعنی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ

اور جن کی دہائی دیتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، وہ تمہاری مدد نہیں کرسکتے،

وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور نہ اپنی مدد کریں"●

اے کافرو! غور سے سنو (اور) یقین رکھو کہ تم (جن کی دہائی دیتے ہو) اور جن کی پرستش کرتے ہو اور انھیں خدا سمجھ کر پکارتے ہو (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)، اسکے باغی ہوکر، (وہ تمہاری مدد نہیں کرسکتے)۔ وہ تمہاری مدد کیا کریں گے ان میں تو اتنی بھی سکت نہیں (اور نہ) اتنی طاقت ہی ہے کہ خود (اپنی مدد کریں) اے ایمان والو! ان کافروں کا عجیب حال۔۔۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ

اور اگر انھیں راہ پر بلاؤ تو نہ سنیں۔ اور تم دیکھو گے کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں،

اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

حالانکہ وہ نہیں دیکھتے●

(اور) انکی عجب سمجھ ہے کہ (اگر) تم (انھیں راہ) ہدایت (پر بلاؤ) اور انھیں صراط مستقیم یعنی اس راستے پر آنے کی دعوت دو، جو انبیاء و اولیاء کی راہ ہے، (تو) اسکو قبول کرنے کے خیال سے (نہ سنیں۔ اور) انکا حال ایسا ہے کہ اگر (تم) انکو (دیکھو گے) یہ سوچ کر (کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں) یعنی بظاہر ایسا لگے گا کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں (حالانکہ وہ نہیں دیکھتے)۔ ظاہر ہے کہ جب دیدۂ بصیرت اور نگاہِ حقیقت آشنا سے آپ کو نہیں دیکھا، تو انکا ظاہراً دیکھنا، نہ دیکھنے ہی کی طرح ہے۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نبوت کے جو دلائل اور نشانیاں رکھی ہیں، جب یہ اسکا اثر قبول نہیں کرتے، تو ایسا ہی ہے کہ گویا وہ آپ کو نہیں دیکھتے۔ یہ تو آپکو عربی، قرشی، ابن عبداللہ، برادرزادۂ ابوطالب اور نبیرہ عبدالمطلب، وغیرہ کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ سمجھ کر اور تمام دنیوی رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر دیکھتے، تو ضرور ایمان قبول کرلیتے۔۔الغرض۔۔انکا دیکھنا نتیجہ کے لحاظ سے غیر مفید ہونے میں، نہ دیکھنے ہی کی طرح ہے۔ یہ تو بظاہر بالکل اپنے بتوں کی طرح ہیں، جن کو دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور نیک مسلمانوں کا حامی وناصر ہے اور بت اور اس کے پجاری کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے، کیونکہ صالح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ، مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے۔اور حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں کی رعایت کی جائے۔تو اے محبوب! حسب معمول۔۔۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

معاف کردیا کرو، اور نیکی کا حکم دیتے رہو، اور جاہلوں سے کنارے رہا کرو●

(معاف کردیا کرو) اور اپنے مکارمِ اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہو اور لوگوں سے وہی کام لو جو وہ کرسکیں، اور جنکا کرنا ان پر شاق نہ ہو۔۔یا۔۔لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لو اور گنہگاروں کو اپنی رحمت سے مایوس نہ کرو (اور نیکی کا حکم دیتے رہو)، یعنی اقوال و افعال کو سدھارنے کی ہدایت کرتے رہو، (اور جاہلوں سے کنارے رہا کرو)۔ان سے غیر مفید بحث وتکرار نہ کرو، بلکہ اپنے کو جاہلانہ روش سے دور رکھو۔لہٰذا جو آپ سے قطع کرے اس سے ملو، جو محروم رکھے اُسے عطا کرو، اور جو ظلم کرے اسکو معاف کردو۔درحقیقت مکارمِ اخلاق کے اصول یہی ہیں۔تو اے محبوب! ایمان والوں کو یہ ساری ہدایتیں فرماتے رہیں۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ظاہر ہے کہ جاہلوں کی جفا اور جہالت پر انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے، تو اے محبوب! اپنے تمام چاہنے والوں کو آگاہ فرمادیں کہ جاہلوں کی کسی جاہلانہ حرکت پر انھیں غصہ آئے، تو یہ غصہ دراصل شیطانی وسوسہ ہے۔۔۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

اور اگر شیطان کا کونچا تم میں سے کسی کو کونچے، تو اللہ کی پناہ مانگ لے۔

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور اگر) یہ صورت پیش آئے کہ (شیطان کا کونچا تم میں سے کسی کو کونچے)، یعنی شیطان میں سے کسی کو کسی وسوسے میں مبتلا کردے، (تو) اسکا علاج یہ ہے کہ وہ (اللہ) تعالیٰ (کی پناہ مانگ لے) شیطان کے شر سے۔ (بیشک وہ سننے والا) ہے جو بات تو زبان سے نکالتا ہے اور (جاننے والا ہے) جو بات تیرے دل میں ہے۔ یاد رکھو کہ جو خدا کی پناہ میں آجاتے ہیں اور ہر وقت خشیت الٰہی کے سایے میں رہتے ہیں، انکی شان یہ ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا

بیشک جو ڈر والے ہیں، جب لگا انھیں کوئی چرکا شیطان کا، چونک اٹھے،

فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾

فوراً وہ آنکھ والے ہوجاتے ہیں●

(بیشک جو ڈر) نے (والے ہیں) اور تقویٰ کی زندگی گزارنے والے ہیں انکی شان یہ ہے، کہ (جب لگا انھیں کوئی چرکا) وسوسہ کی صورت میں (شیطان کا)، تو وہ چوکنا ہوگئے اور (چونک اٹھے) پھر (فوراً وہ آنکھ والے ہوجاتے ہیں)، صواب کی راہ ان پر واضح ہوجاتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ دل سے شیطانی وسوسوں کو دور کردیتے ہیں اور راہِ حق پر آجاتے ہیں۔

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

اور شیطان کے بھائیوں کو شیاطین کھینچے چلے جاتے ہیں گمراہی میں، پھر تھمتے نہیں●

(اور) اسکے برعکس (شیطان کے بھائیوں) یعنی کافروں (کو شیاطین) انس (کھینچے چلے جاتے ہیں گمراہی میں، پھر تھمتے نہیں)۔ یعنی انکو گمراہ کرنے میں کوئی کور کسر باقی نہیں رکھتے اور دست تصرف ان سے کوتاہ نہیں کرتے، اور انکو اپنی گرفت میں رکھنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ شیاطین جن کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ شیاطین انس اور شیاطین جن، لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اب اگلی آیت میں انکے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوع کو بیان فرمایا

ہے، کہ وہ بطورِ سرکشی معجزاتِ مخصوصہ طلب کرتے ہیں، جنکا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۰ اور ۹۳ میں کیا جاچکا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اے محبوب! ذرا ان کافروں کی ضد، ہٹ دھرمی اور بے عقلی دیکھو تو، کہ۔۔۔

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ

جب نہ لائے تم ان کے پاس کوئی آیت، تو "بول پڑے کہ خود ہی کیوں نہ بنالیا" جواب دو، "کہ میں صرف

مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ؕ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى

وحی ربانی کی پیروی کرتا ہوں" یہ بصیرت افروز باتیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے،

وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

اور ہدایت ورحمت انکے لئے جو مان جائیں●

(جب نہ لائے تم انکے پاس کوئی) انکی مطلوبہ (آیت، تو بول پڑے) بطور تمسخر واستہزاء، (کہ خود ہی کیوں نہ بنالیا)۔ اگر کبھی آیت قرآنی کے نزول میں تاخیر ہوتی، تو یہی بک دیا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے، تو ان پر واضح ہوجاتا، کہ بیشک یہ رسول سچے رسول ہیں۔ اگر جھوٹے ہوتے، تو کیا عجب وہی کرتے، کفار جسکا مشورہ دے رہے تھے۔

تو اے محبوب! کافروں کو واضح لفظوں میں (جواب) دے (دو، کہ میں صرف وحی ربانی کی پیروی کرتا ہوں)، میں اپنی طرف سے قرآن نہیں بناتا۔ غور کرو کہ جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (یہ بصیرت افروز باتیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے)، یعنی ایسی دلیلیں ہیں کہ اس سے راہِ حق نظر آتی ہے اور راہِ صواب دریافت ہوجاتی ہے، (اور) ان میں منجانب اللہ (ہدایت ورحمت) ہے (انکے لئے جو مان جائیں) اور خدا اور رسول پر مخلصانہ ایمان لائیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی تھی، کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور اب اگلی آیت میں یہ بتایا جارہا ہے، کہ اسکی عظمت۔۔۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن، "تو اس کو کان لگا کر سنو، اور چپ رہو، کہ رحم کئے جاؤ"●

(اور) اسکی شان وشوکت کا یہ تقاضا ہے کہ (جب پڑھا جائے قرآن، تو اسکو کان لگا کر) پوری توجہ کے ساتھ (سنو اور چپ رہو)۔

سننے اور خاموش رہنے کے وجوب کا حکم اس صورت میں ہے، جبکہ نماز میں قرأت کی جارہی ہو۔۔لیکن۔۔عمومِ الفاظ کے پیش نظر، قرآن مجید کا مطلقاً سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، خواہ نماز سے خارج ہی کیوں نہ تلاوت کی جارہی ہو۔یہی نقطۂ نظر سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔ہاں۔۔اگر کوئی معقول عذر ہو، تو معاف ہے۔ایسی صورت میں جبکہ کوئی سننے سے شرعاً معذور ہو، تو ایسے کے پاس تلاوت کرنے والا ہی گنہگار قرار دیا جائیگا۔

۔۔المختصر۔۔قرآن کی تلاوت نماز میں ہو۔۔یا۔۔خطبہ میں۔۔یا۔۔ان دونوں سے باہر، ہر حال میں اُسے سنو اور خاموش رہو، تا (کہ رحم کئے جاؤ) اور قرآن کریم کے احترام کے اجر وثواب کے مستحق بنا دیئے جاؤ۔۔۔

قرآن کریم میں ذکر الٰہی کرنے اور اسکو غور سے سننے کی ہدایت کرنے کے بعد، اب عام طور سے ذکر الٰہی کی ترغیب دی جارہی ہے۔۔۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کرو اپنے پروردگار کو، اپنے دل میں، گڑگڑا کر، اور ڈر کر، اور چلاّہٹ سے،

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

کم آواز سے، صبح وشام، اور غفلت والوں میں نہ رہا کرو●

(اور) فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! (یاد کرو اپنے پروردگار کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر) یعنی زاری وعاجزی کے ساتھ، فضل الٰہی سے امید رکھتے ہوئے، اور عدل خداوندی سے ڈرتے ہوئے، (چلاّہٹ سے کم آواز سے)، یعنی ایسی آواز سے جو چلاّہٹ سے کم ہو اور اُسے چلاّہٹ اور شور مچانا نہ کہا جاسکے۔۔الغرض۔۔وہ آہستہ اور بلند آواز کے درمیان ہو (صبح وشام)، کیونکہ یہ دو وقت دن کے اوقات میں زیادہ شرف رکھتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صبح وشام فرما کر، ذکر کی ہمیشگی کی طرف اشارہ کیا جارہا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ذکر الٰہی کرتے رہو (اور غفلت والوں میں نہ رہا کرو) یعنی اپنی روش ایسی نہ بناؤ

جو ذکر خدا سے غافل رہنے والوں کی روش ہے۔۔۔رہ گئے کفار، جو سب سے بڑے غفلت والے ہیں اور خدا کے سجدے سے سرکشی کرتے ہیں، اور خدا کا سجدہ کرنے سے ازراہِ تکبر تنفر کرتے ہیں، تو اے محبوب! آپ کافروں کی سرکشی سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔اگر یہ ہماری بارگاہ میں نہیں جھکتے، تو اس سے ہماری شان وشوکت میں کیا کمی آجاتی ہے۔اے محبوب! آپ کو تو معلوم ہی ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

بیشک جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں، نہیں بڑے بنتے اسکے پوجنے سے،

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾

اور اسکی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا سجدہ کرتے ہیں●

(بیشک جو) ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ (تمہارے پروردگار کے پاس ہیں) وہ تو (نہیں بڑے بنتے اسکے پوجنے سے اور) یہ سارے بارگاہِ عزت کے مقرب (اس) رب قدیر ہی (کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا سجدہ کرتے ہیں)۔تو ان نادان کافروں کے سجدہ نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

اس آیت میں مشرکوں پر تعریض ہے اور مومنوں کو تنبیہ ہے۔اسی لئے اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کرنا چاہئے۔قرآن کریم میں چودہ ۱۴ سجدۂ تلاوت ہیں، ان چودہ ۱۴ کا پہلا یہی ہے۔سجدۂ تلاوت، پڑھنے والے اور سننے والے پر، خواہ نماز میں۔۔یا۔۔غیر نماز میں، واجب ہے۔اُس وقت اگر فوت ہوجائے، تو قضا لازم ہے۔دراصل اِس سجدہ کو سجدۂ ملائکہ کہا جاتا ہے۔

کیا ہی خوش نصیب ہیں، وہ سجدہ کرنے والے، جو اس خاص سجدے سے خصائص ملکی کا فیض حاصل کرتے ہیں۔۔المختصر۔۔سجدہ ایک خاص اطاعت ہے، بلکہ اِس سجدہ کے تاج سے اہل اخلاص کے سروں کو زیب وزینت ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ، اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ اعراف
کی تفسیر آج مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قرآن کریم
کے باقی حصوں کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے،
آمین یا مجیب السائلین بحرمة حبیبك ونبیك سیدنا محمد ﷺ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۹ء
بروز چہار شنبہ۔۔بوقت۔۔پونے ایک بجے دن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج

۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۳۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ بوقت دس بجے دن

سورۂ انفال کی تفسیر کا آغاز ہوگیا۔

مولیٰ تعالیٰ اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحرمة حبيبه ﷺ

سورۂ الانفال

۸ مدنیہ ۸۸ آیات ۷۵ رکوع ۱۰

اس سورۂ مبارکہ کا مختصر تعارف یہ ہے، کہ یہ پوری سورۂ مبارکہ غزوۂ بدر کے معاملات پر نازل فرمائی گئی۔ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے، جو سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ جسکی شکل یہ تھی کہ سورۂ بقرہ کے نزول کے درمیان اسکا بھی نزول شروع ہوگیا، لیکن سورۂ بقرہ کے نزول کی تکمیل سے پہلے ہی اسکا نزول مکمل ہوگیا۔ چونکہ سورۂ بقرہ کا نزول شروع ہوجانے کے کافی بعد اسکے نزول کا آغاز ہوا، اسلئے یہ سورۂ بقرہ کے بعد کی سورت قرار پائی۔

چونکہ سورۂ انفال میں صرف ایک قسم کے احکام کثیر ہیں، یعنی مال غنیمت اور جہاد سے متعلق احکام نسبتاً زیادہ اور سورۂ بقرہ میں عبادات اور معاشرتی اور تمدنی مسائل سے متعلق انواع واقسام کے احکام ہیں۔ اسی لئے سورۂ انفال سورۂ بقرہ کی تکمیل سے پہلے ہی مکمل ہوگئی۔ 'نفل' کا معنی مال غنیمت ہے اور کفار سے چھینے ہوئے سامان سے جو چیزیں الگ کرلی جاتی ہیں، انکو بھی 'نفل' کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں 'نفل' جس معنی میں استعمال ہوا ہے، وہ ان دونوں معنوں کو شامل ہے، اسلئے کہ سرکارِ رسالت سے دونوں کے تعلق سے سوالات ہوئے اور سرکار نے جو جواب عطا فرمائے، وہ دونوں کو شامل ہے۔

نفل اور غنیمت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر غنیمت نفل ہے لیکن ہر نفل کو غنیمت نہیں کہا گیا، اسلئے کہ مال غنیمت وہی مال ہے جو کافروں سے جہاد کے نتیجے میں

حاصل ہوا ہو۔۔المختصر۔۔ایسی مجاہدانہ، غازیانہ اور سرفروشانہ احکام پر مشتمل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر، کہ ان سب کو ہدایت ونجات کے راستے کی رہنمائی فرمائی اور انکے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا۔اور مومنین کے گناہوں کو (بخشنے والا) ہے، اور انھیں مال غنیمت کا خصوصی عطیہ مرحمت فرمانے والا ہے، اس طور پر کہ مالِ غنیمت کو امت محمدیہ کیلئے حلال فرما دیا ہے۔تو اے محبوب! تمہارے شیدائی لوگ۔۔۔

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ

تم سے پوچھتے ہیں اموالِ غنیمت کے بارے میں، جواب دیدو "کہ اموالِ غنیمت کے مالک اللہ ورسول ہیں"۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ

تو ڈرتے رہو اللہ کو اور آپس میں صلح رکھا کرو۔ اور کہا مانو اللہ کا

وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ①

اور اس کے رسول کا اگر تم اس کے ماننے والے ہو●

(تم سے پوچھتے ہیں اموال غنیمت کے بارے میں) کہ اس پر جوانوں کا حق ہے۔۔یا۔۔ بوڑھوں کا؟ اسکے متولی مہاجرین ہونگے۔۔یا۔۔انصار؟ تو انکو (جواب دیدو کہ اموال غنیمت کے مالک اللہ) تعالیٰ (ورسول) ﷺ (ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لیکر پہلے اپنی حقیقی ملکیت کا ذکر فرمایا، اور پھر اپنے رسول کو اپنا نائب وخلیفہ ظاہر فرما کر اس تعلق سے فیصلے کا حق، آنحضرت ﷺ کو تفویض فرما دیا، کہ اب جو فیصلہ یہ فرمائینگے، وہ خدائی فیصلہ ہے۔۔لہٰذا۔۔اب رسول کریم کو اختیار ہے، کہ جسے چاہیں گے، جتنا چاہیں گے اور جب چاہیں گے، خدا کے حکم سے عطا فرما دینگے۔

(تو) اے ایمان والو! اس مسئلے میں بحث وتکرار سے باز آؤ اور ہر وقت (ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو، اور) باہم جھگڑا اور نزاع نہ کرو، بلکہ (آپس میں صلح رکھا کرو) اور تم میں آپس میں یاری و

غمخواری کا جو نیک جذبہ ہے اسکو برقرار رکھو اور ختم نہ ہونے دو، (اور کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور اسکے رسول کا)۔ غنیمتوں وغیرہ کے باب میں جو وہ حکم فرمائیں، اسکے آگے سرِ تسلیم جھکا دو (اگر تم اسکے ماننے والے ہو) اسواسطے کہ ایمان اور تقویٰ کا یہ مقتضٰی ہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا، کہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔ اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کمالِ ایمان، کمالِ اطاعت کو مستلزم ہے۔ اور کمال ایمان اس وقت حاصل ہوگا، جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مسلمان کا دل خوف زدہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر اسکا ایمان قوی ہو، اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کر کے نماز قائم کرے اور صدقہ وخیرات ادا کرے۔ سو ایسے لوگوں کا ہی ایمان کامل ہے اور وہ ہی برحق مومن ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ درحقیقت کامل۔۔۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا

ماننے والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا گیا، ڈر گئے ان کے دل، اور جب

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾

تلاوت کی گئی ان پر اللہ کی آیتیں، بڑھا دیا ان کے ایمان کو، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں●

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾

جو نماز قائم رکھیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کریں●

(ماننے والے وہی ہیں) انکے سوا نہیں، (کہ جب) ان کے روبرو (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کیا گیا) تو اس کے جلال کی ہیبت اور اسکی عظمتِ لایزال کے تصور سے۔۔ یا۔۔ اسکے انعام اور افضال کے مقابلے میں، اپنے اعمال کی کمی سے (ڈر گئے انکے دل، اور جب تلاوت کی گئی ان پر اللہ) تعالیٰ (کی قرآنی (آیتیں)، تو (بڑھا دیا) ان آیتوں نے (انکے ایمان کو)۔ اسلئے کہ اس سے پہلے سنی ہوئی آیتوں پر یہ ایمان لا چکے ہیں، تو اب جب ان آیتوں کو سنتے ہیں، تو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور پھر پہلی آیتوں پر ایمان جب دوسری آیتوں کے ایمان کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے، تو زیادہ ہو جاتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اس صورت میں ایمان نسبتاً اور بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

(اور) ان ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ (اپنے پروردگار) ہی (پر بھروسہ رکھیں)، دنیا اور

اہل دنیا پر نہیں۔ اسواسطے کہ جو کوئی غلبہ نورانیت حق کے حملوں کے تحت مضمحل اور مقہور ہوا، سے ماسوی اللہ کی پرواہ نہیں رہتی، بلکہ اسکے دیدہ شہود میں غیر حق آتا ہی نہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ مومن کامل الایمان وہ لوگ ہیں۔۔۔ (جو) خالصاً لوجہ اللہ (نماز قائم رکھیں) اور تمام آداب و شرائط کے ساتھ اسکو ادا کرتے رہیں، (اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے) مقاصدِ خیر میں (اس سے خرچ کریں)۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وہی ہیں ٹھیک ماننے والے۔ انھیں کیلئے درجے ہیں ان کے پروردگار کے یہاں۔

وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ﴿۴﴾

بخشش ہے اور باعزت رزق ہے●

(وہی ہیں) وہ لوگ جنھوں نے اعمالِ قلب، یعنی خوف و توکل و یقین کو اعمالِ جوارح، یعنی نماز و زکوٰۃ کے ساتھ اکٹھا کیا، تو پھر وہی ہیں (ٹھیک ماننے والے)، یعنی اپنے ایمان میں راست اور درست۔ (انھیں کیلئے درجے ہیں) یعنی کرامت و منزلت ہے۔۔۔ یا۔۔۔ درجاتِ بہشت ہیں (انکے پروردگار کے یہاں) اور (بخشش ہے) انکی تقصیروں کی (اور باعزت رزق ہے)۔ یعنی ایسی پاک روزی جو بغیر محنت حاصل ہو جاتی ہو، اور زوال کے اندیشے اور حساب کے خوف سے خالی رہتی ہو۔۔۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ آپس میں رائے کا اختلاف انسانی فطرت ہے اور اگر یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہو، تو باعثِ رحمت بھی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے تعلق سے اصحابِ رسول ﷺ میں جو اختلاف ہوا، چونکہ وہ نیک نیتی پر مبنی تھا، اسلئے وہ ہوا بھی اور بآسانی فرمانِ رسول سے ختم بھی ہو گیا۔ تو انکا یہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں اختلاف کرنا، بالکل اسی طرح کا اختلاف ہے۔۔۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا

جس طرح کہ تم کو برآمد کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ، اور بیشک

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿۵﴾

اہل ایمان کے ایک گروہ کو ناپسند تھا●

(جس طرح) کا اختلاف تم نے پہلے کیا تھا، اس وقت جب (کہ تم کو برآمد کیا تمہارے

پروردگار نے تمہارے گھر سے) یعنی مدینہ منورہ سے کافروں سے لڑائی کے واسطے (حق) وراستی (کے ساتھ، اور بیشک اہل ایمان کے ایک گروہ کو) کافروں سے جنگ کیلئے مدینے سے بدر کا یہ سفر اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے (ناپسند تھا)۔

چونکہ ابتداءً وہ مدینے سے کافروں سے جنگ کے ارادے سے نکلے ہی نہ تھے، اسلئے جنگ کیلئے جوضروری تیاریاں کرنی چاہئے تھیں، نہیں کی تھیں۔ وہ تو صرف شام سے واپس ہونے والے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے خیال سے نکلے تھے، اور اسی حساب سے تیاری کی تھی۔ اسطرح کی تیاری باضابطہ ایک بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کیلئے نہیں کی جاتی۔۔ الغرض۔۔ انھیں خود حکم رسول سے کراہت نہ تھی، اور نہ ہی پیغمبر کے حکم سے ذرّہ برابر مخالفت تھی۔۔ ہاں۔۔ صرف اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے۔۔۔

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ

وہ الجھتے تھے تم سے امر حق میں بعد اس کے کہ وہ روشن ہو چکا، گویا وہ ہانکے جا رہے ہیں موت کی طرف،

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۹﴾

اور وہ دیکھ رہے ہیں●

(وہ الجھتے تھے تم سے امر حق) یعنی جہاد کیلئے بدر کی طرف رخ کرنے (میں)، یعنی بطورِ خود انھوں نے جو سمجھ رکھا تھا اور جو رائے بنا رکھی تھی، اسکو پیش کرنے میں مبالغہ وصاف گوئی سے کام لیا۔ (بعد اسکے کہ) اے محبوب! تیرے بیان سے جو ہونے والا تھا (وہ روشن ہو چکا) اور انھوں نے یہ بات جان لی کہ دشمن پر فتح پائینگے۔ پیغمبر نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ یہ جہاد ان پر واجب ہے، جو تجارتی قافلوں کو لوٹنے سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب انکی نظر اس بات پر پڑتی تھی کہ تمام لشکر میں تقریباً تین سو پچاس۔۔ یا۔۔ تین سو تیرہ[۳۱۳] آدمی تھے، اور ستر[۷۰] اونٹ اور صرف دو[۲] گھوڑے اور محض آٹھ[۸] تلواریں تھیں۔ اور انکے مقابل میں کم وبیش ایک ہزار[۱۰۰۰] افراد، تمام آلات حرب وضرب سے لیس ہو کر اور جنگی ساز وسامان سے آراستہ ہو کر موجود تھے، تو ان میں سے بعض افراد اپنی بے سروسامانی کے سبب شکستہ دل ہو گئے، گو انھوں نے حکم رسول کی جان ودل کے ساتھ پوری تعمیل کیلئے اپنے کو تیار کر لیا، لیکن بشری

تقاضے سے انکوایسا لگا (گویا وہ ہانکے جارہے ہیں موت کی طرف، اور وہ) موت کی علامتوں کو اپنی کھلی آنکھوں سے (دیکھ رہے ہیں)۔اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ

اور جب کہ وعدہ فرمارہا ہےتم سے اللہ، دونوں گروہِ دشمن میں سے ایک، کہ وہ تمہارا ہے، اور تمہاری خواہش یہ، کہ بے

ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

خطر گروہ تمہارا ہو جائے۔ اور اللہ کا ارادہ یہ، کہ اپنے حق کلموں کو حق

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَۙ۝۷

کردکھائے، اور کافروں کو جڑ سے کاٹ دے●

(اور) سب کو یاد کرادو (جبکہ وعدہ فرمارہا ہےتم سے اللہ) تعالیٰ (دونوں گروہ دشمن میں سے ایک) کا، (کہ وہ تمہارا ہے) یعنی قافلے والے اور مکہ والے، ان دو میں سے ایک پر تمہارا غلبہ ہو جائیگا ۔۔الغرض۔۔ جدھر بھی تم رخ کرو تمہاری فتح یقینی ہے۔تو اب بتاؤ تم کدھر جانا چاہتے ہو۔قافلہ پر قبضہ آسان ہے، مگر دین اسلام کے فروغ کیلئے زیادہ سودمند نہیں۔اسکے برعکس ملکی فوج سے مقابلہ دشوار ہے، مگر اعلاءِ کلمۃ الحق کا ثمرہ اُسی سے حاصل ہوتا ہے۔

تمہاری گفتگو (اور) تمہارے اندازِ فکر سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ (تمہاری) قوم کے بعض افراد کی (خواہش یہ) ہے (کہ بے خطر گروہ) جو بے شوکت و بے ہتھیار ہے، پر قبضہ (تمہارا ہو جائے) اور انکا مال واسباب بآسانی تمہارے ہاتھ آجائے۔ یہ تو رہی تمہاری خواہش، (اور) اسکے برخلاف (اللہ) تعالیٰ (کا ارادہ یہ) ہے (کہ اپنے) لوح محفوظ میں محفوظ (حق کلموں کو حق کردکھائے) اور نبی کریم سے فتح کے جو وعدے فرمائے گئے ہیں۔۔یا۔۔کفار کے قتل اور انکے قید کرنے کی پیغمبر کے ذریعہ جو خبریں دی گئیں ہیں، ان سب کی حقانیت واضح فرمادے، (اور کافروں کو) اس مقابلے کے ذریعہ (جڑ سے کاٹ دے)، اور معاندین کو نیست ونابود کردے۔۔۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَۚ۝۸

تاکہ حق کو حق، اور ناحق کو ناحق فرمادے، گو برا مانیں مجرم لوگ●

(تا کہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق فرمادے)، یعنی دین اسلام کو غالب فرمادے اور اپنے محبوب کو کامیاب فرمائے اور کفر کو نمایاں کردے اور مشرکین کو کمزور و ناتواں کردے، تا کہ وہ اہل حق کے مقابلے میں سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائیں (گو برا مانیں) اور ناپسند کریں (مجرم لوگ)۔ ظاہر ہے کہ کافر کب چاہیں گے کہ وہ ذلیل و خوار ہوں اور اسلام کو غلبہ واستیلاء حاصل ہو۔ مگر ایمان والو! تمہاری تو پہلی خواہش یہی ہونی چاہئے کہ دین و اسلام کا بول بالا ہو اور مسلمان قوم ساری قوموں پر غالب و قاہر رہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ حق کو ثابت کریگا اور ناحق کو باطل فرمائیگا۔ اب آگے ارشاد فرمارہا ہے، جو لوگ دین حق پر قائم ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مصیبت ۔۔یا۔۔امتحان کے موقع پر فریاد کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ انکی مدد فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اے محبوب! یاد کرواور اپنے صحابہ کو یاد کرادو اس واقعہ کو۔۔۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ

جبکہ کہ تم لوگ فریاد کر رہے ہو اپنے پروردگار سے، چنانچہ اس نے قبول فرمالی تمہاری، کہ بیشک میں مدد فرمانے والا ہوں

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے لگا تار●

(جبکہ تم لوگ فریاد کر رہے ہو اپنے پروردگار سے) اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کناں ہو اور عرض کر رہے ہو، کہ اے فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والے، ہماری فریاد کو پہنچ، اور اے ہمارے رب ہمیں ہمارے دشمن پر فتح عطا فرما اور کامیاب فرما۔

نبی کریم یہ دعا فرما رہے تھے اور سب آمین کہہ کر اس دعا میں شریک تھے۔۔یا۔۔یہاں فریاد سے مراد نبی کریم کی بارگاہِ خداوندی میں وہ خصوصی عرض ہے، جسے مسلمانوں کی طرف سے ان کے وکیل اور نگہبان ہونے کی حیثیت سے آپ نے پیش فرمائی تھی، 'کہ اے خدا! اگر مومنوں کے اس گروہ کو تو ہلاک کردیگا، تو کوئی نہ ہوگا جو تیری عبادت کرے'۔

(چنانچہ اس نے قبول فرمالی تمہاری) دعا اور وعدہ فرمالیا (کہ بیشک میں مدد فرمانے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے لگا تار) ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔

یہ ان ہزار فرشتوں کا ذکر ہے جو لشکرِ ملائکہ کے آگے تھے۔۔یا۔انکے افسر و سردار تھے۔
غزوۂ بدر میں جن بعض مقتولین کے قاتل کی نشاندہی نہیں ہوسکی، ممکن ہے انھیں انہی ہزار فرشتوں میں سے کسی نے قتل کردیا ہو۔ ویسے فرشتے بنیادی طور پر قتال کرنے کیلئے نہیں نازل فرمائے گئے تھے۔ اس پر سورۂ ال عمران میں گفتگو ہوچکی ہے، جہاں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کے بھی نازل ہونے کا ذکر ہے۔۔۔آخر ان فرشتوں کو رب تبارک وتعالیٰ نے کیوں نازل فرمایا؟ تو لوگو! سنو۔۔۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ

اور نہیں کیا یہ اللہ نے، مگر خوش خبری، اور تاکہ اطمینان پاجائیں اس سے تمہارے دل،

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۠ ﴿۱۰﴾

اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے●

(اور) یاد رکھو کہ (نہیں کیا یہ اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل نہیں فرمایا (مگر) اسلئے کہ مسلمانوں کو (خوشخبری) حاصل ہوجائے، اور وہ سمجھ لیں کہ انکی فتح یقینی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کی مدد انکے ساتھ ساتھ ہے۔ تو مسلمانو! یہ نوازش اسی لئے (اور) اسی مقصد کیلئے تھی (تاکہ اطمینان پاجائیں اس سے تمہارے دل)۔ خدا نے مدد کا جو وعدہ فرمایا اُسے تم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لو، اور تمہاری قلت اور بے سروسامانی کا خوف تمہارے دلوں سے دور ہوجائے، اور تم اچھی طرح سے سمجھ لو، (اور) جان لو کہ (مدد نہیں مگر اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)، یعنی فتح وظفر منجانب اللہ ہے، ملائکہ وغیرہ کے سبب سے نہیں۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) جو اپنے دوستوں کو فتح دیتا ہے اور (حکمت والا ہے) یعنی کام کو درست فرمانے والا ہے، اور دشمنوں کو مغلوب ومقہور فرمانے والا ہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد تھی۔ اب اللہ تعالیٰ تفصیل سے اس امداد کو بیان فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔پہلی مدد تو اس وقت فرمائی۔۔۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ

جب کہ چھائے دے رہا ہے اونگھ تم پر اپنی طرف سے امن کیلئے، اور گرا رہا ہے تم پر

ع ۱۵

السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ

آسمان سے پانی، کہ باطہارت کردے تم کو اس سے اور دور کردے تم سے شیطان کی ناپاکی،

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

اور تاکہ ڈھارس بندھائے تمہارے دلوں کی، اور تمہیں ثابت قدم کردے●

(**جبکہ چھائے دے رہا ہے اونگھ تم پر اپنی طرف سے امن کیلئے**)، یعنی مسلمانوں پر غنودگی طاری فرمادی۔

ظاہر ہے کہ غنودگی کے عالم میں انسان بالکل مطمئن ہوجاتا ہے، اور اسکو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں پر یہ غنودگی اس رات طاری ہوئی، جسکی صبح کو انھیں کفار کے خلاف جنگ کرنا تھا۔ انکی تعداد کم تھی، صبح کو اپنے سے تین گنا لشکر کا سامنا کرنا تھا۔ بظاہر اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے انکو نیند نہیں آنی چاہئے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں کو مطمئن اور مضبوط کردیا۔

اگر مسلمان رات جاگ کر گزارتے، تو صبح کو وہ لڑنے کیلئے تازہ دم نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور انکی یہ امداد کی کہ ان پر نیند طاری کردی، اسی لئے جمعہ کی صبح کو جس دن جنگ ہونی تھی، وہ بالکل تازہ دم اور جنگ کیلئے تیار تھے۔ اس موقع پر رب کریم اپنی دوسری مدد کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمارہا ہے، کہ اے محبوب! یاد کرو کہ مذکورہ بالا نیند کے سوا تمہیں بارش عطا فرمارہا ہے۔۔۔

(**اور گرارہا ہے تم پر آسمان سے پانی، کہ باطہارت کردے تم**) میں سے ان (**کو**) جنھیں غسل جنابت کی ضرورت ہوگئی ہے (**اس**) پانی (**سے، اور دور کردے تم سے شیطان**) کے وسوسوں (**کی ناپاکی**)۔

اسوقت کا قصہ یہ تھا کہ کفارِ قریش نے بدر میں پہلے پہنچ کر پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمان خوفزدہ اور پیاسے تھے اور بعض جنبی تھے، انھیں پینے کیلئے پانی میسر تھا، نہ غسل کیلئے۔۔ علاوہ ازیں۔۔ ریت میں انکے پاؤں دھنس رہے تھے اور ہوا سے ریت اڑ رہی تھی، اور شیطان انکے دل میں وسوسے ڈال رہا تھا، کہ اگر یہ دین سچا ہوتا، تو تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس سے ریت جم گئی اور انکی پیاس بجھ گئی اور انھوں نے غسل کرلیا۔

انھوں نے زمین کو کھود کر ایک حوض بنالیا تھا، جس میں انھوں نے بارش کا پانی اکٹھا کرلیا

۔۔المختصر۔۔اس بارش کے ذریعہ انھوں نے غسل کرلیا اوران سے نجاست دور ہوگئی۔۔نیز۔۔
اس سے شیطان کا ڈالا ہوا یہ وسوسہ باطل ہوگیا، کہ اگر تم دین حق پر ہوتے، تو اسطرح پیاسے
اور جنبی نہ رہتے۔اس بارش کے نازل فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔۔۔

(اور) اس میں یہ حکمت بھی تھی، (تاکہ ڈھارس بندھائے تمہارے دلوں کی) اور تمہارے دلوں کو عنایتِ حضرت باری کی امیدواری سے مربوط کردے، (اور تمہیں ثابت قدم کردے)، یعنی جب ریت کی زمین پر پانی برسا، تو ریت کو جما کر مضبوط کردیا، تو مسلمانوں کے قدم رکھنے کی جگہ مضبوط ہوگئی اور سخت زمین پر کافروں کا پڑاؤ تھا، وہاں بہت زیادہ کیچڑ ہوگئی۔زمین بدر پر تمہاری یہ ثبات قدمی، میدانِ جنگ میں معرکہ کے وقت تمہاری ثبات قدمی کی تمہید بن گئی۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
جبکہ پوشیدہ حکم بھیج رہا ہے تمہارا پروردگار فرشتوں کی طرف، کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، تو مضبوط رکھوانکو جو ایمان لاچکے،

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ
بہت جلد میں ڈالے دیتا ہوں کافروں کے دلوں میں رُعب، تو مارو گردن سے اوپر،

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾
اور مارو ان کی ہر ہر پور●

اے محبوب! یاد کرو (جبکہ پوشیدہ حکم بھیج رہا ہے تمہارا پروردگار فرشتوں کی طرف، کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں) امداد و اعانت میں، (تو) فتح و نصرتِ خداوندی کی خوشخبریوں کے ذریعہ اور انکے لشکر کی افرادی طاقت ان کی نگاہوں میں زیادہ دکھا کر (مضبوط رکھو ان کو جو ایمان لاچکے)۔

۔۔چنانچہ۔۔فرشتے مسلمانوں کی صف کے آگے آگے بردایتے آدمیوں کی صورت میں
چلتے اور کہتے جاتے کہ تمہیں خوشخبری ہو، کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہے۔۔المختصر۔۔
تمہاری فتح یقینی ہے۔

اے فرشتو! انکو یہ بشارت دیدو، کہ (بہت جلد میں ڈالے دیتا ہوں کافروں کے دلوں میں رعب) اور ان لوگوں کے دلوں میں خوف و ڈر جنھوں نے حق چھپایا۔المختصر۔۔ان سب کو مومنین سے ایسا مرعوب کردیا جائیگا، کہ انکے حوصلے پست ہوجائینگے۔اے فرشتو! مومنین کی حوصلہ افزائی اور انکی

دلداری کیلئے اور اس حقیقت کو انکا چشم دید بنانے کیلئے، کہ خدائے کریم کی فتح ونصرت انکے ساتھ ہے، تم بھی بعض غیر معروف کافروں کے ساتھ ہی سہی، مسلمانوں کی نظر میں اپنے کو شریک قتال دکھانے کیلئے، کچھ عملی مظاہرہ بھی کرو، (تو مارو) کافروں کو ان کی (گردن سے اوپر اور مارو) یعنی زبردست چوٹ لگاؤ (ان) کے ہاتھوں اور پیروں (کی ہر ہر پور) پر۔

۔۔الختصر۔۔سر سے پیر تک ضرب شدید سے انھیں چور چور کردو۔ گو تمہارا یہ عملی مظاہرہ بعض غیر معروف کفار ہی کے ساتھ ہوگا، لیکن جو مومنین اس منظر کو دیکھیں گے، ان کو اپنی فتح ونصرت اور اپنے ساتھ نصرت الٰہی کی شرکت کا علم الیقین، عین الیقین سے بدل جائیگا۔ اور پھر اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں اور انھیں سے انکے چشم دید منظر کو براہِ راست اپنے کانوں سے سننے والوں کے قلبی اطمینان کا عالم یہ ہو جائیگا، کہ شیطان کا کوئی وسوسہ انھیں مضمحل نہ کر سکے گا۔۔۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ

یہ اس لئے کہ انھوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

اور اس کے رسول کی، تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے●

(یہ) ضرب شدید انھیں پہنچانا (اسلئے) ضروری ہے، کیوں (کہ انھوں نے مخالفت کی اللہ) تعالیٰ (کی اور اسکے رسول کی، اور) یہ عدلِ خداوندی کا تقاضا اور اسکا ضابطہ ہے، کہ (جو مخالفت کرے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کی، تو اللہ) تعالیٰ اسے (سخت عذاب دینے والا ہے)، دنیا میں گرفتاری اور آخرت میں ذلت وخواری کے ساتھ۔ تو اے کافرو! دنیا میں تمہیں جو۔۔۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ شکست کا مزہ تو چکھو، اور بے شک کافروں کیلئے جہنم کا عذاب ہے●

(یہ شکست) دی جارہی ہے، فی الحال اس (کا مزہ تو چکھو)، مگر اس خیال میں نہ رہو کہ سزا اسی پر ختم ہو جائیگی، تو سنو (اور) یاد رکھو کہ (بیشک کافروں کیلئے) اسی پر بس نہیں، بلکہ (جہنم کا عذاب ہے) جس میں وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے رہنے والے ہیں۔۔۔

چونکہ کفر و اسلام کی جنگ اور حق و باطل کا تصادم ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور صبح قیامت تک ہمیشہ ہوتا رہیگا، لہٰذا ضرورت تھی کہ اہل ایمان کیلئے ایک ضابطہ بنا دیا جائے، تا کہ جنگ کی حالت پیش آنے کی صورت میں وہ اسپر عمل کریں، اور اس میں رب تعالیٰ کی خوشنودی بھی ہو۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا

اے وہ جو ایمان لاچکے! جب مڈبھیڑ تمہاری ہو کافروں سے لڑائی میں،

فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾

تو اُدھر پیٹھ نہ کرو●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) اور اللہ و رسول سے مخلصانہ وفاداری و اطاعت شعاری کا عہد کرچکے، (جب مڈبھیڑ تمہاری ہو کافروں سے لڑائی میں، تو اُدھر پیٹھ نہ کرو) یعنی بھاگو نہیں۔

ظاہر ہے کہ بھاگنے کی صورت میں پشت مدمقابل کی طرف ہوجاتی ہے، اسلئے اُدھر پیٹھ نہ کرنے کے حکم میں دراصل انھیں کافروں کو پس پشت رکھ کر فرار ہونے سے روکا گیا ہے۔

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا

اور جو اس دن پیٹھ پیچھے پھرا، مگر لڑنے ہی کیلئے پینترا بدلتے ہوئے، یا اپنے جتھا میں جاملنے کیلئے،

إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ

تو بے شک وہ ہوگیا اللہ کے غضب میں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾

اور وہ بری جگہ ہے●

(اور) یادرکھو کہ (جو) کوئی بھی (اس دن) بھاگنے کیلئے (پیٹھ پیچھے پھرا) اور پھرنے کی نیت بھی اچھی اور حسن نہیں تھی۔۔مثلاً: پھرا تو ضرور، (مگر) بھاگنے کیلئے نہیں، بلکہ (لڑنے ہی کیلئے پینترا بدلتے ہوئے) مدمقابل کو چکمہ دیا، (یا) پھر (اپنے جتھا میں جاملنے کیلئے) گھوم گیا، تو یہ قابل گرفت نہیں۔لیکن اگر وہ فرار ہونے کیلئے پھرا، (تو بیشک وہ ہوگیا اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں)۔اسلئے کہ اس نے 'اکبرالکبائر' کا ارتکاب کیا، تو اسکا (اور اس) جیسے (کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔۔الغرض۔۔اس نے اپنے

کو جہنم میں رہنے کا مستحق بنالیا۔ (اور وہ) یعنی جہنم، پھرنے کی بہت (بری جگہ ہے)۔
اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ مذکورہ بالا فرار نہ ہونے کا حکم اسی صورت میں ہے، جبکہ کفار تعداد کے لحاظ سے دو گنے سے زیادہ نہ ہوں۔۔ الغرض۔۔ فوج کے ضعف، قوت اور عدد کی رعایت کی جائیگی۔۔ چنانچہ۔۔ اگر کفار تین گنے زیادہ ہوں، پھر مسلمان ان سے پیٹھ موڑ کے بھاگیں، تو پھر یہ حرام اور ناجائز نہیں ہے۔۔ یونہی۔۔ بعض علماء کے نزدیک اگر کافر فوج کی تعداد ایک سو ہو اور مسلمان بھی ایک سو ہوں، لیکن وہ بہت ہٹے کٹے، قوی اور توانا ہوں، اور مسلمان دبلے پتلے اور کمزور ہوں، تو عدد میں برابر ہونے کے باوجود، مسلمانوں کا ایسے کافروں کے مقابلے سے بھاگنا جائز ہے۔
مگر جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا، دو سو کافروں سے کسی حال میں بھی بھاگنا جائز نہیں۔ اور اگر کافر دو سو سے زیادہ ہوں، تو ان سے بھاگنا اگرچہ جائز، لیکن صبر واستقامت سے انکے مقابلے پر جمع رہنا اور ڈٹے رہنا احسن اور افضل ہے۔۔۔ غزوۂ موتہ میں تین ہزار مسلمان، دو لاکھ کافروں کے مقابلہ پر تھے۔۔ ایسے ہی۔۔ اندلس میں حضرت طارق بن زیاد نے صرف سترہ سو مسلمانوں کے ساتھ عیسائی حکمران، ذریق کا مقابلہ کیا جو ستر ہزار سواروں کے ساتھ آیا تھا۔ حضرت طارق صبر واستقامت کے ساتھ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح یاب کیا اور ذریق شکست کھا گیا۔
دراصل حقیقت یہی ہے کہ اہل حق کی کامیابی صرف نصرتِ الٰہی کے سبب سے ہوتی ہے۔ یہ نصرت خداوندی صابرین کے ساتھ ہوتی ہے۔ خود معرکۂ بدر پر گہری نظر ڈالی جائے، تو ایک طرف تین سو تیرہ نفوس قدسیہ والے اور وہ بھی حالتِ بے سروسامانی میں، اور دوسری طرف کم وبیش ایک ہزار افراد جو آلاتِ جنگ کی فراوانی کے ساتھ مقابلے پر آئے۔ انجام یہ ہوا کہ اہل حق کامیاب ہوئے، کفار ذلیل وخوار ہوگئے، جن میں ستر قتل ہوگئے اور ستر ہی قید کر لئے گئے۔ کہیں کوئی اس کامیابی کو درحقیقت اہل بدر کا اپنا کارنامہ نہ سمجھنے لگے، اسکے تدارک کیلئے ارشادِ خداوندی ہوا، کہ اے بدر والو! بدر میں جو قتل ہوا ہے۔۔۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

تو تم نے ان کو نہیں مارا۔ ہاں اللہ نے انھیں قتل فرمایا۔ اور تم نے خاک نہیں پھینکی جب کہ تم نے پھینکی،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ

لیکن اللہ نے پھینکی۔ اور تاکہ جانچ کا انعام دے اس سے ایمان والوں کو اچھے نتیجہ کا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(تو تم نے انکو) اپنی قوت سے (نہیں مارا۔ ہاں اللہ) تعالیٰ (نے) تمہیں نصرت عطا فرمائی اور ملائکہ کی مدد سے تم کو ان پر غالب کر دیا، اسطرح خدائے قادرِ مطلق نے (انھیں قتل فرمایا)، یعنی اگرچہ تم نے انھیں ظاہراً قتل کر دیا، مگر حقیقتاً انھیں اللہ تعالیٰ ہی نے قتل کیا۔

چونکہ قتل کرنا کوئی اس قدر مستبعد اور محیر العقول کام نہیں تھا، اسلئے عام اصول کے مطابق فرمایا، کہ تم نے حقیقتاً ان کو قتل نہیں کیا، جبکہ تم نے انھیں ظاہراً قتل کیا تھا۔ رہ گیا نبی کریم کا خاک پھینکنا اور اسکا سارے کافروں کی آنکھوں میں پڑ جانا، یہ فعل عام افعالِ بشر کے منافی تھا، اسلئے پہلے اس کی آپ سے مبالغۃً نفی فرمائی اور پھر اسکو حقیقتاً آپ کیلئے ثابت کیا۔ اور چونکہ آپ نے حقیقتاً یہ فعل اللہ ﷻ کی دی ہوئی قدرت سے کیا تھا، اسلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خاک پھینکی تھی۔

--چنانچہ--ارشاد ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا، یہ لوگ روسیاہ ہو جائیں، تو وہ خاک سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول کریم کے اصحاب بڑھ کر انکو قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے۔--الغرض-- انکی شکست کا اصل سبب، خاک کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے پھینکی تھی--چنانچہ-- ارشادِ ربانی ہوا۔۔۔

(اور) آیت کریمہ نازل فرما دی گئی، کہ اے محبوب! (تم نے خاک نہیں پھینکی جبکہ تم نے پھینکی، لیکن اللہ) تعالیٰ (نے پھینکی)۔ گو خاک تمہاری مٹھی سے نکلی، لیکن فنا فی اللہ ہونے کے ناطے تمہارے ہاتھ میں قدرتِ الٰہیہ کے جو جلوے ہیں، اسی قدرتِ خداوندی نے اس ایک مٹھی خاک کو ہر کافر کی آنکھوں تک پہنچا دیا۔

اوپر جو کچھ مذکور ہوا، اور خدا نے جو کچھ کیا، اسواسطے کیا کہ دین کو ظاہر کر دے (اور تاکہ جانچ

کا انعام دے اس سے ایمان والوں کو، اچھے نتیجہ کا)۔۔نیز۔۔عطا فرمائے ایمان والوں کو اپنی طرف سے عطائے جمیل، یعنی غنیمت کے ساتھ ساتھ نصرتِ خاص۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے تمہارا استغاثہ اور تمہاری دعائیں اور (جاننے والا ہے) تمہاری نیتیں لاجرم اس نے تمہاری دعا قبول ہی فرمائی۔ تو یہ ہے کام جو تم نے دیکھا، یعنی یہ ہے تمہارے ساتھ کا معاملہ۔۔تو۔۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

تم یہ لو، اور بے شک اللہ کافروں کی چال کو کمزور کردینے والا ہے●

(تم یہ لو) اور اس سے مطلب رکھو۔ اب رہ گیا کفار و مشرکین کے ساتھ سلوک (اور) انکے تعلق سے کارروائی، تو (بیشک اللہ) تعالیٰ (کافروں کی چال کو کمزور کردینے والا ہے) اور انکے مکر و حیلہ کو باطل کردینے والا ہے۔

کافر جب بدر کیلئے مکہ شریف سے نکلے تو حرم کے پردے پکڑ کر بولے، کہ اے اللہ، محمد ﷺ کی قوم کی طرف ہم جاتے ہیں، تو ان دونوں قوموں میں جو ہدایت یافتہ ہوں اور جن کا دین افضل ہو، اور جو تیرا بڑا دوست ہو، اُسے فتح دیدے۔۔۔لڑائی کے دن بھی ابوجہل نے یہی دعا کی تھی، کہ اُے اللہ مدد کر دونوں گروہوں میں سے اس ایک گروہ کی جو تجھے بہت دوست ہو، تو حق تعالیٰ اپنے حاکمانہ غلبہ وقوت کو ظاہر فرماتے ہوئے، اہل مکہ سے خطاب فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے، کہ اے کافرو!۔۔۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ

اگر تم کافر لوگ حق کی فتح مانگتے تھے، تو بے شک فتح آ گئی۔ اور اگر رک جاؤ تو یہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

بہتر ہے۔ اور اگر پھر ایسا کیا، تو ہم پھر یہی کریں گے۔ اور تمہارے کام نہ آئے گا تمہارا اسنگھٹن کچھ،

شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

گو اکثریت ہو۔ اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے●

ع ۲/۹ ۱۶

(اگر تم کافر لوگ حق کی فتح مانگتے تھے، تو) اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لو، کہ (بیشک فتح آ گئی)

اور اُسی دین کی فتح ہوئی، جو مجھے بہت پیارا ہے۔ اب تو خود تم پر تمہارے ہی نظریہ وخیال کے مطابق ظاہر ہوگیا، کہ اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، تو اے وہ کافرو! جو غزوۂ بدر میں قتل ہونے سے بچ گئے ہو، اپنے ہوش (اور) سمجھ سے کام لیتے ہوئے اب (اگر) تم (رک جاؤ) اور کفر اور عداوتِ رسول سے باز آجاؤ، (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اس جہاں کے قتل اور اُس جہاں کے عذاب سے۔ (اور اگر پھر) تم نے (ایسا کیا) اور مسلمانوں سے لڑنے کیلئے پلٹ آئے، (تو ہم) بھی (پھر یہی کرینگے) اور مسلمانوں کو فتح ونصرت عطا فرمائینگے (اور) اے کافرو! اس وقت (تمہارے کام نہ آئیگا تمہارا سنگٹھن کچھ، گو اکثریت ہو)۔

اس میں مستقبل میں مسلمانوں سے جنگ کے تعلق سے کافروں کے ہونیوالے عزم وارادہ کی طرف اشارہ بھی ہے اور پھر اسکا انھیں کیا انجام جھیلنا ہوگا، اسکے تعلق سے پیش گوئی بھی ہے۔

۔۔الختصر۔۔اچھی طرح سن لو (اور) یاد رکھو، کہ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ (**ایمان والوں کے ساتھ ہے**) نصرت فرمانے اور مدد دینے میں۔

سابقہ آیتوں میں غزوۂ بدر اور جہاد کا ذکر آرہا تھا۔ اور جہاد میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں انسان پر بہت دشوار ہیں، تو انکے تعلق سے جو حکم ہوگا وہ بھی نفس پر گراں گزرنے والا ہوگا۔ اسی لئے اگرچہ نبی کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے، مگر آپ جب جہاد کا حکم دیں تو نفس پر شاق گزرنے کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔۔تو۔۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ

اے وہ جو ایمان لاچکے! کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، اور مت پھرو اُس سے

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾

جب کہ تم سن چکے●

(**اے وہ جو ایمان لاچکے کہا مانو اللہ**) تعالیٰ (**کا اور اسکے رسول کا**)، وہ خواہ جہاد کا حکم ہو۔۔یا ۔۔کسی اور بات کا۔۔الختصر۔۔کسی بھی صورت میں رسول کریم کے کسی بھی حکم کی مخالفت نہ ہو، اور دل وجان سے اسکی تعمیل میں لگ جاؤ۔ اور جان لو کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ تو اب رسول کی

اطاعت سے منہ پھیرنا، خود خدا کی اطاعت سے منہ پھیرنا ہے۔ تو جان لو (اور) یاد رکھو کہ کسی حال میں بھی (مت پھرو) اور روگردانی نہ کرو (اس سے)، یعنی رسول کریم کی اطاعت سے، (جبکہ تم سن چکے) کہ حکمِ رسول ہی حکمِ خدا ہے، اور اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ خدا ہے۔ مسلمانو! غور سے سنو۔۔۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾

اور مت ہو جاؤ ان کی طرح، جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے●

(اور) ہمیشہ کیلئے یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز (مت ہو جاؤ ان) کافروں۔۔یا۔۔کتابیوں۔۔یا۔۔ منافقوں (کی طرح، جنھوں نے کہا ہم نے سنا، حالانکہ) انکی حالت بتا رہی ہے کہ (وہ نہیں سنتے)۔ ایسا سننا جو انکے لئے نفع بخش ہو۔ انکا حال زمین پر چلنے والے جانوروں کی طرح ہے۔۔الغرض۔۔ اگرچہ جان رکھنے کی وجہ سے اور زمین پر چلنے کے سبب، یہ جانور و دابّہ کی جنس میں تو ہو گئے، لیکن نوعِ انسانی کی خوبیوں سے اپنے کو خالی کر لیا ہے، اسلئے ان میں انسانیت نہیں رہ گئی۔ اور جب ان میں انسانیت نہیں رہ گئی، تو وہ بدترین جانوروں میں شامل ہو گئے۔۔ چنانچہ۔۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾

بے شک جانوروں میں خراب، اللہ کے نزدیک بہرا گونگا ہے، جسے عقل نہیں●

(بیشک جانوروں میں خراب اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک بہرا گونگا ہے، جسے عقل نہیں)۔ ایسے بہرے کہ حق سنتے ہی نہیں، ایسے گونگے کہ حق بات کہتے ہی نہیں، اور ایسے بے عقل کہ حق سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں، تو وہ جانور سے بدتر ہیں۔ اسلئے کہ عقل جسکے سبب انسان سب حیوانوں سے افضل ہے، اس سے انھوں نے منھ پھیر لیا ہے اور طبیعت کی پیروی کی طرف دوڑتے ہیں۔ سچ ہے جو علمِ الٰہی میں گونگے بہرے ہیں، انھیں گونگا بہرا ہی رہنا ہے، کیونکہ یہ حقیقت بالکل واضح۔۔۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ؕ

اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھی خیر، تو ان کو سننے والا کر دیتا۔

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

اور اگر کان والا کر دیتا، تو وہ ضرور پھر جاتے روگردانی کرتے ہوئے●

(اور) ظاہر ہے کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (جانتا ان میں کچھ بھی خیر) کا مادہ ہے، (تو ان کو سننے والا کر دیتا) اور انھیں سننے کی توفیق عطا فرما دیتا اور وہ ایسی شئے کی توفیق جو انکے لئے فائدہ بخش ہوتی عنایت فرما دیتا، مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے (اور) وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ (اگر) وہ انھیں (کان والا کر دیتا)، یعنی ایسا کان دے دیتا، جو سنے اور قبول بھی کرے، (تو) بھی (وہ) اس قبول کر لینے والی حالت پر نہ ٹھہرتے، اور (ضرور) بالضرور (پھر جاتے) حق سے (روگردانی کرتے ہوئے)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ کے کافر کہتے تھے، کہ اے محمد ﷺ قصی بن کلاب کو ہمارے واسطے زندہ کردو، وہ متبرک تھا، پھر وہ تیرے صدق پر گواہی دے اور تجھ پر ایمان لائے، تو اس صورت میں ہم بھی ایمان لے آئینگے۔ تو اس پر حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اگر خدا انکو قصی کا کلام سنا دے، تو بھی وہ ایمان نہ لائینگے۔ جب یہ خدائے عز وجل کی بات نہیں مانتے، تو یہ قصی کی بات کیا مانیں گے۔ یہ سب دفع الوقتی کی باتیں اور حق بات کو نہ ماننے سے گریز کا ایک طریقہ ہے۔

خیر، یہ تو کافروں کا حال رہا، کہ وہ گونگے اور بہروں کی طرح ہو گئے اور اللہ کے رسول کی بات سننے، قبول کرنے، اور آپ کی آواز پر لبیک کہنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ مگر۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! اپنی حاضری سے جواب دو اللہ اور رسول کا، جب پکاریں تم کو رسول، اسکے لئے

لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

جو تم کو زندہ کر دے۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ کا درمیان ہے، آدمی اور اسکے قلب کے درمیان،

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور بیشک اسی کی طرف ہانکے جاؤ گے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے)۔ تمہاری شان ہی کچھ اور ہے، تو تم اپنے معمول کے مطابق، جب رسول کریم تمہیں طلب کریں تو بارگاہِ رسول میں تعمیل ارشاد کیلئے حاضر ہو جاؤ اور نبی کریم کی آواز پر لبیک کہنے میں دیری نہ کرو، بلکہ۔۔۔ (اپنی) فوری (حاضری سے جواب دو اللہ) تعالیٰ (اور رسول کا،

جب پکاریں تم کو رسول) اور یقین کرلو، کہ رسول کریم کی آواز پر لبیک کہنا ہی خدا کی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ اور بارگاہِ رسول کی حاضری ہی بارگاہِ خداوندی کی حاضری ہے۔۔نیز۔۔رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔

۔۔الختصر۔۔جب پکاریں تم کو رسول (اسکے لئے جو تم کو زندہ کردے)، تو فوراً حاضر دربار ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اگر حاضر بارگاہ ہونے کا کوئی معقول عذر بھی ہو، جب بھی اسکا خیال نہ کرو۔

جیسے کہ ایک بار ایک موقع پر حضرت ابوسعید بن معلیٰ اور دوسرے موقع پر حضرت ابی بن کعب کو سرکار ﷺ نے ایسے وقت میں طلب فرمایا، کہ دونوں حالت نماز میں تھے، تو انھوں نے سوچا کہ نماز ختم کرلوں پھر حاضر ہو جاؤں۔۔چنانچہ۔۔انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب نماز پوری کرلی، تو فوراً حاضر ہو گئے۔ پھر سرکار ﷺ نے جب ان سے حاضری میں دیری کی وجہ دریافت کی، تو دونوں نے نماز میں مشغول رہنے کا عذر پیش کیا، تو سرکار ﷺ نے دونوں سے یہی ارشاد فرمایا، کہ تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں دیکھی، کہ۔۔۔

اے ایمان والو! جب تمہیں رسول کریم آواز دیں، تو فوراً بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جاؤ۔

۔۔۔تو دونوں حضرات نے اپنی اجتہادی بھول کا اعتراف کیا، اور آئندہ کیلئے ہوشیار ہو گئے۔ یہیں سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا، کہ اگر کوئی فرض نماز میں بھی ہو اور اس درمیان میں رسولِ کریم اسکو آواز دیدیں، تو نماز توڑ کر رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونا اس پر فرض ہوگا۔ اور اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کوئی بات بھی نہیں، اسلئے کہ اسکا یہ عمل خدا کی ایک اطاعت سے خدا ہی کی دوسری اطاعت کی طرف لیجاتا ہے، اور خدا ہی کے حکم پر عمل کراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسولِ کریم تم کو تمہارے ہی فائدے کیلئے آواز دیتے ہیں، اور جن باتوں کیلئے تمہیں طلب فرماتے ہیں اس میں تمہاری حقیقی زندگی مضمر ہے۔

۔۔مثلاً: علوم دینیہ کیلئے طلب فرمانا، دل کی زندگی اسی سے ہے۔۔یا۔۔عقائد صحیحہ اور اعمال فاضلہ کیلئے طلب کرنا، تو انکے سبب سے جنت میں حیات ابدی حاصل ہوگی۔۔یا۔۔ جہاد کیلئے بلانا، جو تمہاری بقا کا سبب ہے، اسواسطے اگر جہاد نہ کروگے، تو دشمن غلبہ کرکے تم کو ہلاک کردینگے۔۔یا۔۔شہادت کیلئے آمادہ کرنا، کیونکہ خدا کے نزدیک شہید زندہ ہی رہتا ہے ۔۔یا۔۔قرآن شریف کے ارشادات سنانے کیلئے پکارنا، اسلئے کہ قرآن کریم مسلمانوں کے دل کو زندہ فرمانے والا ہے۔

اوراس مقام پرسب سے جامع بات یہ ہے، کہ جس حیات بخش چیز کاذکرہورہاہے،اس سے مراد 'حق' لے لیا جائے، اورظاہر ہے کہ حق کو قبول کرنے ہی میں قبول کرنے والے کی حیات ہے۔اس 'حق' کے دائرے میں وہ ساری باتیں آجاتی ہیں، جنکا الگ الگ اوپر ذکر ہوا، بلکہ نبی کریم جس غرض سے بلائیں اورجس مقصد سے بلائیں، وہ سب حق ہی ہے۔ویسے بھی حق باطل کے مقابلے میں بولا جاتا ہے،توہرہرباطل کے مقابل میں جوخوبی آئیگی وہ سب حق کے دائرے میں شامل ہوجائیگی۔

۔۔الختصر۔۔اے ایمان والو! نبی کریم اپنے پیش کردہ حیات بخش پیغام کیلئے جب جب تمہیں طلب کریں، بعجلت لبیك وسعدیك کہتے ہوئے، بارگاہِ نبوی میں حاضرہوجاؤ(اورجان رکھو کہ بیشک اللہ)تعالیٰ(کادرمیان ہے آدمی اوراسکے قلب کے درمیان)۔یعنی اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ انکے دلوں کا مالک ہے، اورجب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں، تووہ انکے ارادوں کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لاسکتا ہے، نہ کفر کرسکتا ہے۔نیک کام کرسکتا ہے اورنہ گناہ کرسکتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ومصرف الاحوال ہے، جوچاہے، جب چاہے اور جسکے لئے چاہے کرے، توبارگاہِ رسول میں آپ کی پکارپربہ عجلت حاضری، یہ بھی اُن فیروز بختوں اورخوش نصیبوں ہی کا حصہ ہے، جوعنایاتِ خداوندی کے سایے میں رہنے والے ہیں۔

وہ خدائے عظیم وجلیل، دنیامیں جسکی مشیت وارادہ کے تحت رہناہی ہے،(اور)آخرت میں بھی(بیشک اسی کی طرف ہانکے جاؤگے)اوروہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزادیگا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کواس بات سے ڈرایا تھا کہ بنوآدم اور انکے دلوں کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے اوراب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں، آزمائشوں اورعذاب سے ڈرارہاہے، کہ اگرظالموں پرعذاب نازل ہوا، تووہ صرف ظالموں تک محدودنہیں رہیگا، بلکہ تم سب پرنازل ہوگا، اورنکوکاراوربدکارسب اسکے شکار ہونگے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے۔۔۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ

اوربچواس شورش سے جونہیں پہنچتی صرف انہیں کوجنھوں نے اندھیر کیا،

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝۲۵

اور جان رکھو، کہ بے شک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

(اور بچو اس شورش سے، جو نہیں پہنچتی صرف انھیں کو جنھوں نے اندھیر کیا)۔

اس مقام پر نکوکاروں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ اپنے درمیان بدکاروں کو نہ رہنے دیں، ورنہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائیگا۔

(اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب فرمانے والا ہے) اس پر جسکے ظلم اور گناہ کا اثر غیر کو پہنچنے والا ہو۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ اسکے رسول کی اطاعت کریں۔ پھر انکو یہ حکم دیا گیا کہ اسکے رسول کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید موکد فرمایا ہے۔۔۔

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِيۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ

اور تم لوگ یاد کرو جب کہ تم تھوڑے، ملک میں کمزور، ڈرتے رہے،

اَنۡ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰٮكُمۡ وَاَيَّدَكُمۡ بِنَصۡرِهٖ وَرَزَقَكُمۡ

کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ، تو ٹھکانہ دیا تم کو اور مضبوط کیا تم کو، اپنی مدد سے، اور روزی فرمائی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۲۶

تم کو پاکیزہ چیزیں، کہ تم شکر گزار ہو●

(اور) بتایا کہ اے مہاجرو! (تم لوگ یاد کرو جب کہ تم تھوڑے) تھے (ملک میں کمزور) ہجرت سے پہلے (ڈرتے رہے، کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ) یعنی مکہ والے شہر بدر کردیں۔۔یا یہ کہ۔۔ اگر مکہ سے نکلوگے، تو عرب والے تم پر حملہ آور ہوکر تم کو فنا کردینگے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کہ جب تم پر ایسا خوف وہراس اور ضعف وکمزوری کا عالم ہوا، (تو) اللہ تعالیٰ نے (ٹھکانہ دیا تم کو) مدینہ شریف میں (اور مضبوط کیا تم کو اپنی مدد سے)، یعنی اپنی تائید ویاری ومددگاری سے، جسکا ظہور انصار کی معاونت اور بدر میں ملائکہ کی امداد سے ہوا، (اور روزی فرمائی تم کو پاکیزہ چیزیں)، یعنی پاکیزہ غنیموں سے، جو اگلی امتوں پر حلال نہ تھیں، تا (کہ تم شکر گزار ہو) کر رہو۔۔تو۔۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ خیانت کرو اللہ کی اور نہ رسول کی، اور نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں،

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

جان بوجھ کر●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) تم شکرگزار بندے بنے رہو اور شکر گزاری کیلئے یہ ضروری ہے، کہ **(نہ خیانت کرو اللہ)** تعالیٰ (کی) فرائض کو ترک کرکے، **(اور نہ رسول)** ہی (کی) سنت میں تقصیر کرکے۔۔یا یہ کہ۔۔ اللہ ورسول کا راز کھول کر اللہ ورسول کی خیانت نہ کرو، یعنی جس بات کو راز میں رکھنے کی ہدایت اللہ ورسول کی جانب سے ملے، اُسے راز ہی میں رکھو اور اشارے وکنایے سے بھی اُسے ظاہر نہ کرو، جس طرح بے خیالی میں حضرت ابولبابہ سے ہوگیا۔

جسکا مختصر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ابولبابہ کو بنی قریظہ کے حصار پر بھیجا اور حصار سے اتر آنے کے باب میں یہود نے ان سے مشورہ کرکے کہا، کہ محمد ﷺ ہمارے ساتھ کیا کرینگے اگر ہم اُتر آئیں۔ حضرت ابولبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا، یعنی سب کو قتل کرڈالینگے۔ اور یہ کہتے ہی انھیں احساس ہوا، کہ میں نے خیانت کی۔ پس حصار سے اتر کر مسجد نبوی میں آئے اور اپنے تئیں ستون میں باندھ دیا، یہاں تک کہ انکی توبہ قبول ہوگئی اور یہ آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! صرف یہی نہیں اللہ ورسول کی خیانت نہ کرو، بلکہ تم پر لازم ہے کہ **(نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر)** جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے اور تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ امانت کی حفاظت تم پر واجب ہے۔۔ الختصر۔۔ اپنے کو ہر طرح کی بددیانتی، لوٹ کھسوٹ، چوری وغبن اور مکروفریب کے ذریعہ دوسروں کا مال ہڑپ کرلینے سے بچاتے رہو۔ اب اگر تم خیانت کرتے ہو، تو تم صرف اپنے بھائی کے حق میں خائن نہ ہوئے، بلکہ تم اللہ ورسول کے بھی خائن ہوئے، اسلئے کہ تم نے دونوں کی نافرمانی کی اور دونوں کے احکام سے روگردانی کی۔۔ سنو۔۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ

اور جان رکھو کہ تمہارا مال، تمہاری اولاد، فتنہ ہی ہے۔ اور بے شک اللہ

عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۸﴾

کے یہاں بڑا اجر ہے●

(اور) ہمیشہ کیلئے (جان رکھو کہ تمہارا مال) خواہ صحیح طریقے سے حاصل کرو۔۔یا۔غلط طریقے سے۔اور (تمہاری اولاد) جن کیلئے تم مال جمع کرنے کی دردِسری مول لیتے ہو، وہ خواہ اچھے ہوں۔۔یا۔۔برے، یہ سب کچھ ہر حال میں (فتنہ ہی ہے)، یعنی خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش ہی ہے، تو چاہئے کہ مال اور اولاد کی محبت تمہیں گناہ واقع ہونے میں نہ رکھے۔ ذرا عقل سے کام لو، کہ جب یہ دونوں فتنہ وآزمائش ہیں، تو ان سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے؟۔۔یا۔۔انکی محبت میں ہر اچھا برا کام انجام دینے کی؟ اے ایمان والو! سنو (اور) یادرکھو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (کے یہاں بڑا اجر ہے) تو تم اجر طلب کرنے کی کوشش کرو اور بلاضرورت مال کی جمعیت اور اولاد کی بے جامحبت سے باز آجاؤ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا وَّ یُكَفِّرۡ

اے وہ جو ایمان لاچکے! اگر ڈرا کرو اللہ سے، تو بنادے تمہارے لئے چھانٹنے والا نور، اور کفارہ فرمادے

عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۹﴾

تمہاری جانب سے تمہارے گناہوں کا، اور تمہیں بخش دے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے اگر) تم اپنی حالت ایسی بنالو کہ (ڈرا کرو اللہ) تعالیٰ (سے، تو بنادے) گا وہ (تمہارے لئے چھانٹنے والا نور) یعنی ایسی نصرت عطا فرمائیگا، جسکے سبب باطل حق سے جدا ہو جائے۔۔یا۔تمہارے دلوں کو ایسی ہدایت کردیگا، کہ اسکی وجہ سے تم بآسانی حق و باطل میں فرق کرلوگے۔۔یا۔۔تم سے تمہارے دین کے مخالفین کو دور فرمادیگا۔۔یا۔۔خطروں والی اور شبہوں والی چیزوں سے نجات حاصل کرنے کی راہ کی ہدایت فرمادیگا۔۔یا۔۔تمہیں ایسا ظہور عطا فرمائیگا جسکے سبب سے تم مشہور ہو جاؤ گے، اور سب طرف تمہارا ہی شہرہ اور تمہارا ہی ذکر خیر ہوگا۔

(اور) مزید برآں وہ رب کریم (کفارہ فرمادے) گا (تمہاری جانب سے تمہارے گناہوں کا) یعنی تمہاری برائیوں کو دور فرمادیگا اور انھیں چھپادیگا (اور تمہیں بخش دے) گا، یعنی تمہاری توبہ کے سبب۔۔یا۔۔اپنی غفاریت کی وجہ سے تمہارے گناہوں سے درگزر کریگا۔ جان لو (اور) یادرکھو کہ بیشک

(اللہ) تعالیٰ (بڑے فضل والا ہے)۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا، کہ وہ رب کریم ہر حال میں تقویٰ والوں اور ایمان والوں کا حامی وناصر ہے، اور انھیں دشمنوں کے شر سے بچانے والا اور شر پسندوں کے فتنوں سے دور فرمادینے والا ہے۔ اگلی آیت میں اپنے محبوب کو مخاطب فرما کر اسکی ایک واضح مثال ارشاد فرمارہا ہے۔

اسکا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب ہجرت کی اجازت ہوئی اور صحابہء کرام نے مدینہ منورہ کا قصد کرلیا اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی نہ رہا، تو قریش اس حال سے متردد ہوکر 'دارالندوہ' میں جمع ہوئے اور ابلیس شیخ نجد کی صورت میں اس مجمع میں داخل ہوا، اور آنحضرت ﷺ کے باب میں مشورہ معلوم کیا۔ ایک کافر بولا کہ محمد ﷺ' کو ایک گھر میں قید کردینا چاہئے اور دروازہ مضبوط بند کر کے پیالے سے کھانا پانی دینا چاہئے، یہاں تک کہ انھیں موت آجائے۔

ابلیس نے یہ صلاح پسند نہ کی کہ مدینہ کے بہت لوگ ایمان لاچکے ہیں اور انکے یار وہاں جاپہنچے ہیں اور بنی ہاشم بھی اس شہر میں بہت ہیں، سب متفق ہوکر تم سے لڑینگے اور انھیں چھڑا لینگے۔ دوسرا بولا انھیں اس ملک سے نکال دینا چاہئے، جہاں انکا جی چاہے چلے جائیں۔ ابلیس بولا کہ وہ جہاں جاتے ہیں تو لوگ انکے گرویدہ اور فریفتہ ہوجاتے ہیں تو بہت لوگوں کو فریب دینگے اور پھر آکر تم سے مقاتلہ کرینگے۔

ابوجہل بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ قریش اور انکے حلفاء کے ہر قبیلے میں سے ایک ایک آدمی کو چن لیا جائے، جو سب کے سب اکٹھا مل کر ایک ہی ساتھ انھیں قتل کردیں۔ اسطرح اسکا خون سب قبیلوں میں پھیل جائیگا اور بنی ہاشم سب قبیلوں سے نہیں لڑسکتے تو ضرور بالضرور دیت پر راضی ہوجائینگے۔ ابلیس بولا کہ یہی رائے درست ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ ابوجہل نے ہر قبیلہ سے ایک ایک فرد کو جمع کیا اور طے کردیا کہ آج ہی رات میں آپ ﷺ' کو قتل کردیا جائے۔ جسکی خبر حضرت جبرائیل نے آنحضرت ﷺ تک پہنچادی ۔۔چنانچہ۔۔ آپ نے اس رات اپنے بستر شریف پر حضرت علی کو آرام کرنے کی ہدایت فرمادی، اور خود حضرت صدیق اکبر کے ساتھ غار میں تشریف لے گئے۔ ارشادِ الٰہی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔۔۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

اور جبکہ فریب دیتے رہے تم کو کافر، تا کہ تم کو جیل میں کر دیں یا ختم کر دیں، یا ملک سے نکال دیں، اور وہ اپنا داؤں کھیلتے ہیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور اللہ داؤں کو توڑتا ہے۔ اور اللہ داؤں کا جواب دینے میں بہتر ہے●

(اور) فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب! یاد کرو (جبکہ فریب دیتے رہے تم کو کافر) لوگ، یعنی تمہارے قتل کا مکر و فریب سے آلودہ مشورہ کرتے رہے، (تا کہ تم کو جیل میں) قید (کر دیں) یہاں تک کہ اسی میں تمہاری موت آ جائے، (یا ختم کر دیں) تا کہ تمہاری دعوت و تبلیغ اور تحریک کا سارا قصہ ہی تمام ہو جائے، (یا) تمہیں ملک بدر کر دیں اور اپنے (ملک سے) باہر (نکال دیں) تا کہ انکے ملک میں آپ کوئی عملی مظاہرہ نہ کر سکیں۔

۔۔الختصر۔۔کفار 'دار الندوہ' میں مشورہ کیلئے جمع ہیں (اور وہ اپنا داؤں کھیلتے ہیں) اور جسکی سمجھ میں جو آ رہا ہے، وہ مشورہ دے رہا ہے اور شیطان بھی شیخ نجدی کی صورت میں انکے مشورے میں شریک ہے۔ جس نے سب کی رائے کو مسترد کر کے ابوجہل کی رائے کو پسند کیا اور پھر یہ طے ہو گیا کہ آج رات ہی کو یہ کام انجام دیدینا ہے۔ اُدھر کفار اپنی سازش اور اپنے داؤں پیچ میں لگے ہوئے تھے (اور) اِدھر (اللہ) تعالیٰ انکے (داؤں کو توڑتا ہے)، یعنی انکے مکر کا ایسا جواب عطا فرماتا ہے، جو انکے وہم و گمان سے بھی باہر تھا، جس نے شیطانی اسکیم کو ناکام و نامراد کر دیا۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ بیشک (اللہ) تعالیٰ شیطانی (داؤں) پیچ (کا جواب دینے میں) بہت ہی (بہتر ہے)۔

ان کافروں کا بھی عجیب حال تھا کہ جب وہ اپنی مذکورہ بالا سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اپنے مکر کا خود ہی شکار ہوتے گئے اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی راہ میں کوئی روڑا نہ ڈال سکے۔ نبی کریم کھلے عام اپنی دعوت پیش کرتے رہے اور لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے، تو کفار بوکھلا گئے۔ یہاں تک کہ نضر بن حارث نے یہ سوچا کہ فارس کے شہروں سے اپنے تجارتی سفر کے دوران رستم اور اسفندیار کے قصے خرید لئے جائیں اور پھر انھیں عربی میں ترجمہ کر کے مکہ والوں کو سنایا جائے، اور انکو یہ سمجھایا جائے کہ محمد ﷺ جو قرآن کریم سناتے ہیں وہ دراصل قصوں اور کہانیوں کی کتاب ہے اور

ہم جو فارس کے شہروں سے لائے ہیں، وہ اس سے بہتر قصوں کی کتاب ہے۔

نضر بن حارث کی یہ خام خیالی بھی، سابقہ آیت میں مذکور کافروں کے مکر ہی کا ایک حصہ ہے۔ جب پہلے مکر میں وہ رسوا ہو گئے، تو دوسرے مکر کا دامن تھام لیا اور قرآن کریم کو جھوٹی اور گڑھی ہوئی کہانیوں کی کتاب قرار دینے لگے۔۔ چنانچہ۔۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا

اور جب پڑھی گئیں ان پر ہماری آیتیں بولے "سن لیا، اگر ہم چاہیں تو

مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾

ایسا ہی کہہ لیں۔ یہ صرف اگلوں کے قصے ہیں"●

اللہ تعالیٰ صاف (اور) واضح لفظوں میں ارشاد فرماتا ہے، کہ (جب پڑھی گئیں ان پر ہماری آیتیں، بولے سن لیا) ہم نے یہ کلام، (اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کہہ لیں، یہ صرف اگلوں کے قصے ہیں)۔

نضر نے عناداً تو یہ بک دیا اور دعویٰ کر دیا، کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کہہ لیں، مگر مرتے دم تک اس میں، بلکہ آج تک کسی بھی کافر میں جرأت نہ ہوسکی، کہ اس قرآن کریم کی کسی ایک سورت کا بھی جواب لا سکے۔ کہنے کو تو کہہ دیا، کہ اگر چاہیں تو اسکی مثال لے آئیں، مگر مرتے دم تک چاہ نہ سکے۔ اور نہ کوئی قیامت تک اسطرح کے چاہنے کی جسارت کرسکتا ہے۔۔ لگے ہاتھ نادانوں کو بے وقوف بنانے کیلئے نضر اور اسکے موافقین، ایک مکر یہ بھی کھیل گئے۔۔۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب انھوں نے دعا کی "کہ خداوندا، اگر یہی حق ہے تیرے یہاں سے،

فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾

تو ہم پر برسادے آسمان سے پتھر، یا دے دے ہم کو دکھ دینے والا عذاب"●

(اور) ایک عجیب فریب آمیز حرکت کی (جب انھوں نے دعا کی، کہ خداوندا اگر یہی حق ہے) یعنی یہ صحیح و درست ہے، کہ یہ قرآن نازل ہوا ہے (تیرے یہاں سے، تو ہم پر برسادے آسمان سے پتھر) جس طرح اصحابِ فیل پر تو نے برسائے تھے، (یا دے دے ہم کو دکھ دینے والا عذاب) جو ہمیں ہلاک کر دے۔ اس دعا سے انکا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں پر قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین

کو ظاہر کر دیں۔ ان بے خبروں کو کیا خبر کہ تم دعا میں جو چاہتے ہو، رب قدیر اس پر قادر ہے وہ جو چاہے کرے، لیکن اس نے ایک ضابطہ رحمت بنا دیا ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اور اللہ عذاب بھیجنے والا نہیں، جب کہ تم ان میں ہو۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ عذاب کرنے والا نہیں، جبکہ استغفار والے استغفار کر رہے ہیں●

(اور) فیصلہ فرما دیا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (عذاب بھیجنے والا نہیں، جبکہ) اے محبوب! (تم ان میں ہو)۔ اگرچہ کفار دعا کر کے وہ عذاب مانگتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں۔ سنت الٰہیہ یہ جاری ہے، کہ جب تک پیغمبر اپنی قوم میں رہے، اس وقت تک اسکی پوری قوم کو ہلاک نہیں کرتا، خصوصاً آپ تو اے محبوب! رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں، تو آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی پوری قوم کو تباہ کرنا رب تعالیٰ کو منظور نہیں۔ خدائے علیم وقدیر نے جب بھی کسی پیغمبر کی قوم پر عذاب نازل فرمانا چاہا، تو اس پیغمبر کو اسکی قوم سے دور فرما دیا اور الگ کر دیا۔۔۔

اے محبوب! آپ کی شان تو بڑی ہے، اپنے فضل (اور) اپنے کرم سے (اللہ) تعالیٰ اس وقت بھی ان پر (عذاب کرنے والا نہیں جبکہ) ان میں موجود (استغفار) کرنے (والے) ایمان والے آپ کے غلام (استغفار کر رہے ہیں)۔۔یا۔ کفار اسلام میں داخل ہو رہے ہوں۔ یہی اسلام لانا انکا استغفار ہے۔۔الحتصر۔۔ کافروں پر عذاب اللہ تعالیٰ خود انکے مطالبے پر نہیں کریگا، بلکہ جب چاہے گا اپنی مرضی سے اپنے مذکورہ بالا ضابطہ عدل ورحمت کے تحت کریگا۔

مذکورہ بالا ارشاد میں رب کریم نے اپنی دو[۲] امانوں کا ذکر فرمایا۔ ایک ہے نبی کریم کا ظاہری وجود مسعود اور دوسری امان ہے استغفار۔ نبی کریم کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد، یہ امان تو اب نہ رہی۔۔لیکن۔۔ دوسری امان قیامت تک کیلئے ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے۔ بلفظ دیگر وہ نبی کریم کے غلاموں کا وجود مسعود ہے۔ کوئی زمانہ، نہ ایمان والوں سے خالی ہوگا اور نہ ہی استغفار کرنے والوں سے۔ اور جب ایسی صورت حال ہو جائیگی کہ دنیا میں کوئی ایمان والا ہی نہ رہے، پھر تو قیامت ہوگی۔۔یونہی۔ اگر کوئی علاقہ ایمان والوں اور استغفار کرنے والوں سے بالکل خالی ہو گیا، تو پھر اس علاقے والے خدائی امان۔۔۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور انھیں کوئی حق نہیں، کہ اللہ ان پر عذاب نہ فرمائے، جبکہ وہ روکتے ہیں مسجد

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

حرام سے اور وہ اس کے اہل نہیں۔ اسکے لئے اہل، صرف اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

لیکن ان کے زیادہ بے علم ہیں ●

(اور) پناہ کے دائرے سے باہر ہوگئے، جیسے کہ مکہ والے مسلمانوں کے مکہ سے نکل جانے کے بعد، تو اب (انھیں کوئی حق نہیں) پہنچتا (کہ اللہ) تعالیٰ (ان پر عذاب نہ فرمائے)۔ اور وہ بھی اس صورت حال میں (جبکہ وہ) رسول کریم اور مومنین کو (روکتے ہیں مسجد حرام سے، اور) حال یہ ہے کہ (وہ اس) روک لگانے (کے اہل نہیں) انھیں اسکا کوئی اختیار نہیں۔ انکا اپنے لئے مسجد حرام کی تولیت کا دعویٰ باطل ہے۔ اسلئے کہ مسجد حرام اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ (اسکے لئے اہل) اور اسکی نگہبانی و حفاظت و تولیت کے حقدار (صرف اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) اور شرک و کفر سے پرہیز کرنے والے (ہیں، لیکن انکے زیادہ بے علم ہیں) جنھیں خبر ہی نہیں کہ ولایت انکا حق نہیں۔ بیت اللہ کی ولایت کا حق صرف 'اہل اللہ' ہی کو ہے، نہ کہ 'عدو اللہ' یعنی مشرکین کو۔ یہ کفار و مشرکین کہاں سے بیت اللہ کے حقدار ہوگئے، انھیں تو یہ بھی سلیقہ نہیں کہ خدا کے گھر میں خدا کی عبادت کس طرح کرنی چاہئے۔ انھوں نے تو عبادت کو بھی کھیل تماشہ بنالیا ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ

اور نہ تھی ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر سیٹی، اور تالی۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو چکھو عذاب، جو کفر کیا کرتے تھے ●

(اور) ایک مذاق ٹھہرالیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (نہ تھی انکی نماز بیت اللہ کے پاس، مگر سیٹی اور تالی)۔ بعضے کافروں کی عادت یہ تھی مرد اور عورتیں ننگے طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ اسی کو وہ نماز سمجھتے اور عبادت قرار دیتے۔

(تو) اے کافرو! اپنی ان ناکردنیوں کے نتیجے میں بروز بدر (چکھو) قتل وقید کا (عذاب) اور تیار ہو جاؤ حشر کے دن جہنم کے عذاب کیلئے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے اسکا، (جو) تم (کفر) اور سرکشی (کیا کرتے تھے)۔

ان کافروں نے غزوۂ بدر کے موقع پر مقابلے کیلئے کافی تیاری کرلی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جب بدر کے ارادے میں کفار، مکہ سے نکلے، تو اس سے پہلے بارہ اشراف عرب کو مقرر کرلیا تھا، جو باری باری لشکریوں کے کھانے پینے کا انتظام کریں۔۔ الغرض۔۔ اشراف میں سے ہر ایک اپنی باری پر اپنے پیسوں سے خرید کر، نو۔ دس اونٹ کاٹتا تھا۔ علاوہ ازیں۔۔ جنگ بدر کے بعد جنگ اُحد کیلئے ابوسفیان نے تقریباً دو ہزار عرب کو مزدوری پر مقرر کیا۔ یہ لوگ اس لشکر کے علاوہ تھے جو خود آیا تھا۔۔ یا۔۔ جس قافلہ کو ابوسفیان بہکا لایا تھا۔ اسکے لوگوں نے اپنے مال کا نفع یعنی پچاس ہزار مثقال سونا لشکر پر خرچ کیا اور جنگ احد میں گئے۔۔ تو۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

بیشک جنھوں نے کفر کیا، خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو، تاکہ روک دیں اللہ کی راہ سے۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ

تو اب اس کو خرچ کرلیں، پھر ان پر پچھتاوا کریں، پھر ہرا دیئے جائینگے۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾

اور جنھوں نے کفر کیا، جہنم کی طرف ہانکے جائینگے●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو تاکہ روک دیں) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی رسول کریم کی متابعت کرنے سے، (تو اب اسکو خرچ کرلیں) اور اپنے مال و دولت کی طاقت دیکھ لیں، (پھر) اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوگا، کہ (ان پر) یعنی سارا مال خرچ ہو جانے پر اور مقصود نہ حاصل ہونے پر (پچھتاوا کریں) اور ہاتھ مل لیں۔ خرچ بہت کچھ کر ڈالا، مگر جس لئے خرچ کیا وہ حاصل نہ ہو سکا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (پھر) وہ (ہرا دیئے جائینگے) فتح مکہ کے دن۔

یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ قبل وقوع ایک چیز کی خبر دیدی۔

(اور) اب رہ گئے وہ (جنھوں نے کفر کیا)، اور اسی کفر پر تاحیات ثابت رہے، تو وہ سب حشر

کے دن (جہنم کی طرف) جانوروں کی طرح (ہانکے جائینگے) اور یہ کافروں کا مغلوب ہونا اسلئے ہے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَى

تاکہ الگ کردے اللہ گندے کو ستھرے سے، اور کردے گندے کو تلے اوپر،

بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

پھر اس سب کا ڈھیر لگادے، پھر اس کو جہنم میں پھینک دے۔ وہی ہیں گھاٹے میں●

(تاکہ الگ کردے اللہ) تعالیٰ (گندے کو ستھرے سے)، یعنی کفر والے کو ایمان والے سے ممتاز کردے۔ (اور کردے گندے کو تلے اوپر) یعنی سارے کافروں کو اکٹھا کر کے ایک دوسرے پر گرادے، (پھر اس) میں ہر ہر بعض کو جمع کر کے (سب کا ڈھیر لگادے، پھر) ایک ساتھ (اسکو جہنم میں پھینک دے)۔ انکے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک اسلئے ہے، تاکہ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ (وہی ہیں گھاٹے میں)۔ جان بھی گنوائی، دولت بھی لٹائی، اور سوائے دائمی رسوائی کے، کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ ان حالات کو دیکھ کر جواب تک کفر پر ہیں، انھیں ہشیار ہوجانا چاہئے اور سمجھ سے کام لینا چاہیے، تو اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ

کہہ دو کافروں سے، "اگر وہ باز آگئے تو بخش دیا جائے گا ان کا جو کچھ کر گزرے تھے"۔

وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

اور اگر پھر بھی کفر کریں، تو اگلوں کا طریقہ گزر چکا ہے●

(کہہ دو کافروں سے) بالخصوص ابوسفیان اور انکے یاروں سے کہ (اگر وہ) اپنی کفریہ حرکتوں سے (باز آگئے) اور دل سے ایمان قبول کرلیا، (تو بخش دیا جائیگا انکا جو کچھ کر گزرے تھے)، یعنی انکے سابقہ گناہ سب کے سب بخش دیئے جائینگے اور ان گناہوں کے تعلق سے ان سے پرسش نہ ہوگی۔ (اور اگر) بالفرض ان میں سے بعض (پھر بھی کفر کریں) اور رسول کریم کی عداوت اور آپ سے جنگ کرنے کو سوچنے لگیں، (تو) انکو سمجھ لینا چاہئے کہ (اگلوں کا طریقہ گزر چکا ہے)۔ اگلوں کے ساتھ سنت الٰہی یہی رہی ہے، کہ جنھوں نے پیغمبروں پر لشکر کشی کی، وہ بالآخر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ تو پھر انکا بھی وہی حشر ہوگا۔۔ المختصر۔۔ اے ایمان والو! جب ایسے شرپسندوں سے سامنا ہو۔۔۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ

اور قتل کرڈالوان کو، یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی شورش اور ہوجائے دین سارا اللہ کا۔

فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾

تو اگر وہ باز آئے، تو بے شک اللہ جو وہ کرتے ہیں اس کا دیکھنے والا ہے●

(اور) ان سے جنگ کرنا ہی پڑ جائے، تو تم بھی پیچھے مت ہٹو، بلکہ (قتل کرڈالوانکو یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی شورش اور ہوجائے دین) سارے کا (سارا اللہ) تعالیٰ (کا)۔یعنی صرف خدا کی ہی عبادت کی جائے، اور کوئی شورش پسند مشرک اور بت پرست باقی نہ رہے۔(تو اگر وہ باز آئے) کفر سے۔۔یا۔۔مسلمانوں سے لڑنے سے۔۔یا۔۔جزیہ قبول کرکے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (جو وہ کرتے ہیں اسکا دیکھنے والا ہے)، وہ اسکے موافق جزا دیگا۔

وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

اور اگر بے رخی برتی، تو جان لو کہ بے شک اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔کیسا اچھا مولیٰ، اور کیسا اچھا مددگار!●

(اور اگر بے رخی برتی)، یعنی حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور لڑائی پر آمادہ نظر آئے، (تو) اے مسلمانو! تم کچھ باک نہ رکھو اور اس سے خوفزدہ نہ ہو، بلکہ (جان لو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (تمہارا مولیٰ) اور مددگار (ہے)۔اور غور تو کرو، کہ (کیسا اچھا مولیٰ) ہے، جو اپنے دوستوں کو ضائع نہیں چھوڑتا اور انھیں بے یار و مددگار نہیں فرماتا۔(اور کیسا) ہی (اچھا مددگار) ہے، کہ مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کرتا ہے۔اور دوستوں کو ہمیشہ عزت و عظمت عطا فرماتا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ نویں پارہ کی تفسیر آج بتاریخ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔ ۷ جنوری ۲۰۱۰ء
بروز پنج شنبہ مکمل ہوگئی۔
مولیٰ تعالیٰ باقی پاروں کی تفسیر کو مکمل
کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یا مجیب السائلین بحرمة حبیبك سیدنا محمد ﷺ الذی توسل به سیدنا آدم علیہ السلام فاجبت دعوته برحمتك یاارحم الراحمین۔

تشریحِ لغات

-- ﴿ ا ﴾ --

اَبطال: باطل کرنا۔۔غلط قرار دینا۔۔جھوٹا کرنا۔

اَتباع: پیروی کرنے والے۔۔پیروکار۔

اِحتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔اجتناب۔۔علیحدگی۔

احقاق: کسی کا حق قائم یا ثابت کرنا۔۔ثبوت دینا۔

اِرتداد: پھر جانا۔۔مرتد ہونا۔۔اسلام چھوڑ دینا۔

اَرزانی: کثرت۔۔زیادتی۔۔بہتات۔

اِزار: تہبند۔

اِستدراج: خلافِ معمول کام کرنا۔۔خارقِ عادت عمل۔

اِستدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

اِستراحت: آرام چاہنا۔۔سکھ۔۔چین۔

اِستعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔۔آمادگی۔

اِستفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔

اِستفسار: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔۔پوچھ گچھ۔

اِستماع: غور سے سننا۔

اِستیصال: بیخ کنی۔۔جڑ سے اکھیڑنا۔

اِستیلاء: غالب ہونا۔

اَسلم: نہایت سالم۔۔سب سے بہتر۔

اِشتباہ: گمان۔۔شبہ۔۔شک۔

اِضطرار: بےقراری۔۔بےاختیاری۔۔بےبسی۔

اَغلاق: کلام کو مشکل کرنا۔۔پیچیدہ کرنا۔۔مغلق کرنا۔

اِفتراء: تہمت۔۔بہتان۔۔جھوٹا الزام۔

اَکبرالکبائر: بڑے گناہوں میں کا بڑا گناہ۔

اِلتباس: مشکوک ہونا۔۔شبہ پڑنا۔

اُم الولد: اصطلاحِ فقہ میں وہ لونڈی، جس نے اپنے مالک کے نطفے سے اولاد جنی ہو۔ مالک اولاد کو یا لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ البتہ آقا کے مرنے کے بعد وہ خود آزاد ہو جاتی ہے۔ ترکے میں ورثہ کو نہیں مل سکتی۔

اِمتنانیہ: احسان کرنے والی۔

اِنبساط: خوشی۔۔شادمانی۔۔کھلنا۔۔پھیلنا۔

اِنتساب: لگاؤ۔۔تعلق۔۔واسطہ۔۔رشتہ۔۔منسوب کرنا۔۔نسبت دینا۔

اَنذار: تنبیہ کرنا۔۔آگاہی۔

اِنقضاء: تکمیل۔۔اختتام۔۔مدت پوری ہونا۔گزرنا۔

اوسان: ہوش وحواس۔۔جرأت۔۔ہمت۔۔حوصلہ۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بادی: ہوائی۔۔ہوا پیدا کرنے والا۔

باک: خوف۔۔ڈر۔۔اندیشہ۔

بالاستیعاب: اوّل سے آخر تک۔

بالمشافہ: آمنے سامنے۔

بخت: نصیب۔۔بھاگ۔۔قسمت۔

بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔

بعث ونشور: روزِ قیامت۔۔جس روز انسان قبروں سے اٹھائے جائینگے اور پھر پھیلا دیے جائینگے۔

بُعد: دوری۔۔فاصلہ۔۔مسافت۔

بیّنہ: روشن۔۔دلیل۔۔گواہ۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پابجولاں: مقید۔۔محبوس۔۔پابہ زنجیر۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تحریم: حرام کرنا۔۔ممانعت کرنا۔۔حرمت کرنا۔

تحکم: زبردستی۔۔زبردستی کی حکومت۔
تخصیص: خصوصیت۔
تدبر: دوراندیشی۔۔عاقبت اندیشی۔
تدریجی: درجہ بدرجہ۔۔زینہ بہ زینہ۔۔رفتہ رفتہ۔
تذکیر: یاددلانا۔
ترہیب: ڈرانا۔۔دھمکانا۔۔خوف دلانا۔
تزھد: زھد اختیار کرنا۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔
تضرع وزاری: رونا۔۔گڑگڑانا۔
تعدد: تعداد میں زیادہ ہونا۔۔بہتات۔۔کثرت۔
تعریض: اعتراض کرنا۔
تعمیم: عام کرنا۔۔عمومیت۔
تعنت: عیب جوئی۔۔نکتہ چینی۔۔بدگوئی۔
تفضیل: ترجیح۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔
تقریب فہم: سمجھ کے قریب کرنے کیلئے۔۔
آسانی سے سمجھانے کیلئے۔
تقشف: درویشی۔۔فقیری۔۔سخت زندگی گزارنا۔
تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔سہو۔۔بھول چوک۔
تقلید ضالین: گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کی پیروی کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔
تمامی: انجام۔۔تکمیل۔
تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تنزیہہ: پاکی۔۔صفائی۔
تنظیف: پاک ہونا۔۔پاکیزگی۔
تنقیص: نقص نکالنا۔۔کم کرنا۔۔گھٹانا۔۔کمی۔
تہدید: تنبیہہ۔۔ڈرانا۔۔دھمکانا۔
تہنیت: مبارک باد دینا۔۔مبارک باد۔
تیرگی: سیاہی۔

-- ﴿ ٹ ﴾ --

ٹیکرا: ٹیلا۔۔پہاڑوں کی ڈھلواں سطح۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: پائیداری۔۔مضبوطی۔۔ثابت قدمی۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جفتی: نر اور مادہ کا ملنا۔
جلب منفعت: نفع حاصل کرنا۔
جنبی: وہ آدمی جسے جماع یا احتلام کی وجہ سے غسل کی حاجت ہو۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاجب: پردہ۔
حانث: قسم توڑنے والا۔
حظ نفس: حیوانی مزہ۔۔بدنی خوشی۔
حَکَم: ثالث۔۔پنچ۔۔فیصلہ کرنے والا۔۔منصف۔
حلت: حلال ہونا۔۔روا ہونا۔۔مباح ہونا۔۔حرمت کی ضد۔
حلفاء ﴿حلیف کی جمع﴾: دو فریق جنھوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خدم وحشم: نوکر چاکر وملازمان وخادمین۔
خذلان: مدد نہ کرنا۔۔درماندگی۔
خصائل مرضیہ: بری سیرت۔۔خراب عادات۔
خفیف الحرکاتیوں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔

-- ﴿ د ﴾ --

دابۃ: زمین پر چلنے والا جانور۔۔چوپایہ۔
دارالسلام: سلامتی کی جگہ۔۔امن کی جگہ۔۔بہشت۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی۔
درازگوش: لمبے کانوں والا۔۔گدھا۔
درکات ﴿درکہ کی جمع﴾: دوزخ کا ایک طبقہ۔
دفع مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں کو دور کرنا یا ہٹانا۔
دفینہ: دفن کیا ہوا مال۔۔گڑا ہوا خزانہ۔
دوہا: تھن سے دودھ نکالنا۔

دیار وامصار: گھروں اور شہروں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔پسندیدہ۔
رفع وثبات: بلندی وثابت قدمی۔
رفیع القدر: اونچی شان والا۔۔بڑی بزرگی والا۔
رکیک: ناچیز۔۔ادنیٰ۔۔گھٹیا۔
روسیاہ: کالے منہ کا۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجروتوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زنگار: زنگ۔۔وہ مسالا جو آئینے کی پشت پر لگاتے ہیں۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساعی: کوشش کرنے والا۔۔دوڑ دھوپ کرنے والا۔
سبکسار: ہلکا۔
سعید: نیک۔۔بھلا۔۔مبارک۔۔خوش نصیب۔
سماع قبول: ماننے والا سننا۔
سن: عمر۔۔مقدارِ عمر۔۔سال۔۔برس۔
سن بلوغت: جوانی کی عمر۔۔سیانا ہونا۔
سہل الحصول: آسانی سے حاصل ہونے والا۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شقی: بدبخت۔۔بدنصیب۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صامت: چپ۔۔خاموش۔
صانع حقیقی: دنیا بنانے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔
صخرہ: بڑا پتھر۔۔چٹان۔
صراحت: تشریح۔۔وضاحت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن وتخمین: وہم وگمان واندازہ واٹکل۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عاجلانہ: جلد بازی سے۔۔جلدی میں۔
عاریتاً: قرضے کے طور پر۔۔مانگ کر۔
عُجب: غرور۔۔تکبر۔۔گھمنڈ۔۔خود بینی۔
عزم بالجزم: مصمم ارادہ۔۔پکا ارادہ۔
عزیمت: ارادہ۔۔قصد۔
عفاریت: عفریت کی جمع: دیو۔۔بھوت پریت۔
عِقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقوبت: دکھ۔۔عذاب۔۔سزا۔۔تکلیف۔
علی الفور: فوری طور پر۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غوایت: زیاں کاری وگمراہی۔
غیر مترقبہ: جسکی توقع نہ ہو۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فردانیت: یکتا وبے مثل ہونے میں۔
فرع: شاخ۔۔وہ جسکی اصل کوئی اور چیز ہو۔
فروتن: عاجز۔۔مسکین۔۔خاکسار۔
فضیحت: ذلت۔۔بدنامی۔۔رسوائی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔۔نقص۔۔عیب۔۔برائی۔
قبائح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح ﴿مدح کی ضد﴾: اعتراض۔۔برا بھلا کہنا۔
لعنت وملامت کرنا۔
قرص: گھیرا۔۔گول چیز۔۔ٹکیا۔
قساوت: سنگدلی۔۔بے رحمی۔

قصص ﴿قصہ کی جمع﴾: کہانی۔۔داستان۔۔افسانہ۔

--﴿ ک ﴾--

کثرت محاصل: آمدنی کی زیادتی۔۔نفع کی زیادتی۔
کثیف: دبیز۔۔گاڑھا۔
کورکسر: کمی بیشی۔
کیچل: سانپ کی سفید جھلی جو اسکے جسم سے اترتی ہے اور سانپ اس سے باہر آجاتا ہے۔

--﴿ گ ﴾--

گراں بار: بھاری۔۔بوجھ سے لدا ہوا۔
گندم گوں: گندمی رنگ کا۔۔سانولا۔
گوسالہ: گائے کا ایک سالہ بچہ۔۔بچھڑا۔

--﴿ ل ﴾--

لایزال: لازوال۔۔جسے کبھی فنا نہ ہو۔۔ابدی۔
لرزہ براندام: وہ جس پر کپکپی طاری ہو۔۔کانپنے والا۔
لواطت: اغلام۔۔لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

--﴿ م ﴾--

ماذون الشفاعہ: جسکو شفاعت کی اجازت دیدی گئی ہو۔
مُبدِع: نئی چیز پیدا کرنیوالا۔۔بے مادّہ بنانیوالا۔۔اللہ تعالیٰ۔
مبرم: مضبوط۔۔مستحکم۔۔نہ ٹلنے والی۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متانت: سنجیدگی۔۔پختگی۔۔خیالات کی آراستگی اور درستی۔
متبعین: اتباع کرنے والے۔۔پیروی کرنے والے۔۔پیچھے چلنے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔پریشان۔۔مضطرب۔۔پس وپیش کرنے والا۔
متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔
متمرد: تمرد کرنے والا۔۔سرکشی کرنے والا۔۔نافرمان۔۔سرکش۔۔باغی۔

متمیز: الگ ہونے والا۔۔جدا۔
متواضعانہ: تواضع کرنے والا۔۔عاجزی کرنے والا۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
محارم ربانیہ: اللہ کی طرف سے حرام کی گئی چیزیں یا باتیں۔
محرف: تحریف کیا گیا۔۔مطلب سے پھیرا ہوا۔۔بدلا ہوا۔
محزون: غمگین۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔۔دلگیر۔۔ملول۔
محل نزاع: بحث وتکرار کا موقع۔۔تنازعہ کا موقع۔
محیر العقول: عقل کو حیرانی میں ڈالنے والا۔۔تعجب میں ڈالنے والا۔۔عجیب وغریب۔
مداومت: ہمیشگی۔۔قیام۔۔ثبات۔۔دوام۔
مدبر: وہ غلام جسکی آزادی کو مالک اپنی موت سے متعلق کرے مدبر کہلاتا ہے۔۔مدبر نہ تو بک سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جاسکتا ہے، البتہ مالک کا اس سے خدمت لینا جائز ہے۔
مذبوح: ذبح کیا گیا۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔
مربوب: جسکی پرورش کی جائے۔۔پروردہ۔۔بندہ۔۔مملوک۔
مرجع: لوٹنے کی جگہ۔۔رجوع کرنے کی جگہ۔
مرزوق: رزق دیا گیا۔۔جسکو رزق دیا جاتا ہے۔
مزروعات: کھیتی۔۔کھیت میں بوئی ہوئی چیزیں۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔زعم کیا ہوا۔
مستبعد: دور از قیاس۔۔دشوار۔
مستجاب الدعوات: جسکی دعائیں قبول ہوں۔۔جسکی دعائیں درگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت پائیں۔
مستزاد: بڑھایا گیا۔۔زیادہ کیا گیا۔
مستغنی: بے پرواہ۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔۔لازمی ہوجانا۔
مستمر: ہمیشہ رہنے والا۔۔دائم۔۔مستقل۔
مستولی: غالب۔۔چھا جانے والا۔۔قابو میں رکھنے والا۔
مسدود: رکا ہوا۔
مسموع: سنا گیا۔۔قبول کیا گیا۔

مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مصاحبین ﴿مصاحب کی جمع﴾: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصادیق: وہ شئے جن پر کسی معنیٰ کا اطلاق ہو۔
مصنوع: صنعت کیا ہوا۔۔بنایا ہوا۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضمحل: اداس۔۔دلگیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مضمر: پوشیدہ۔۔مخفی۔
مطاعم وثمرات: کھانے کی چیزیں وپھل وغیرہ۔
معارضہ: جھگڑا۔۔ٹنٹا۔۔مناقشہ۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معاندین: عناد رکھنے والے۔۔دشمن۔۔مخالفین۔
معتوب: جس پر عتاب کیا جائے۔
مغضوب: غضب کیا گیا۔۔جس پر غصہ یا عتاب ہو۔
مفاتیح الغیب: غیب کی کنجیاں۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفتری: افتراء پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مفقود: کھوئی ہوئی۔۔غائب۔۔ناپید۔۔ندارد۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔چاہا گیا۔
مقتضی: جسکا تقاضا کیا گیا۔
مقر: معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔
مقصور: کم کیا گیا۔۔چھوٹا کیا گیا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔
مکابرہ: غرور۔۔گھمنڈ۔۔مقابلہ۔
مکاتب: وہ غلام جسے کچھ معاوضہ لیکر آزاد کر دیا گیا ہو۔
مکارم خصال: خوبیاں۔۔محاسن۔۔اچھے اوصاف۔۔
قابل تعریف کام۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔
ملل ﴿ملت کی جمع﴾: مذاہب۔۔ادیان۔
ملول خاطر: اداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
منتہی: نتیجہ۔۔انجام۔

منصوص: کمال تحقیق کو پہنچا ہوا۔۔قرآن مجید کی وہ آیت
جو قابل تاویل نہ ہو، بالکل ظاہر ہو۔
منعم حقیقی: حقیقی نعمت دینے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔
منفعل: نادم۔۔شرمندہ۔۔شرمسار۔
منقاد: تابع فرمان۔۔فرمانبردار۔
مواظبت: ایک کام ہمیشہ کئے جانا۔۔کام میں لگے رہنا۔
موضع: جگہ۔
موعود: وعدہ کیا گیا۔
مؤکد: تاکید کیا گیا۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراؤنا۔۔بھیانک۔

-- ﴿ ن ﴾ --

نجس العین: وہ چیز جو کلیۃً نجس ہو۔۔جسکا کھانا، پینا، چھونا،
لگانا ممنوع اور ناجائز ہو۔
نزاع: فساد۔۔تکرار۔۔تنازعہ۔
نزع روح: روح کا نکلنا۔۔جاں کنی۔۔دم ٹوٹنا۔
نفخہ اولیٰ: پہلی صور جو پھونکی جائیگی قیامت کے دن۔
نقض: توڑنا۔۔پھوڑنا۔۔بگاڑنا۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہیئت کذائیہ: موجودہ حالت۔۔جیسی کہ حالت ہے۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یمین: قسم۔۔حلف۔
یمین لغو: جھوٹی قسم۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،
'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾
('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾
('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت و تبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد سوئم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفیکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھٰذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط
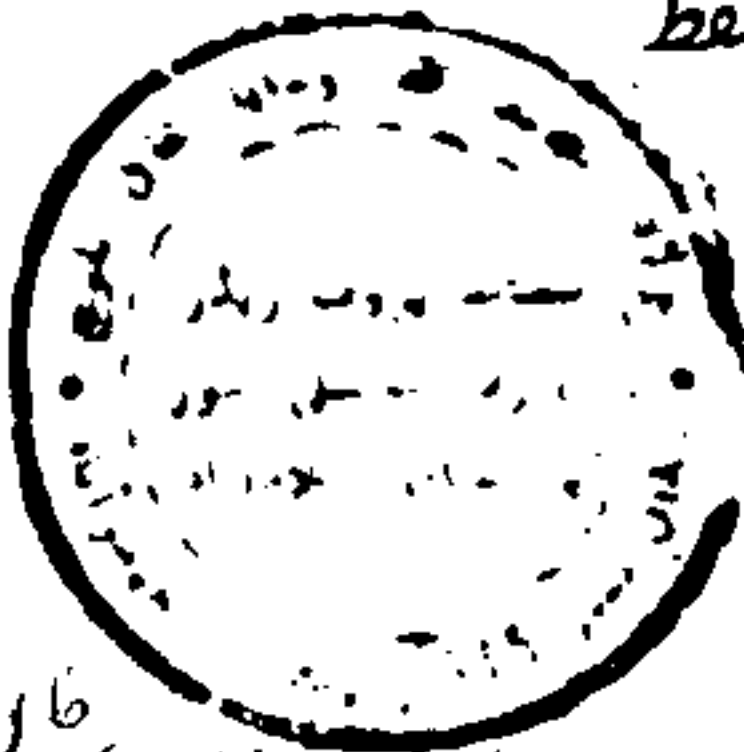
المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ، اوقاف، سندھ) کراچی
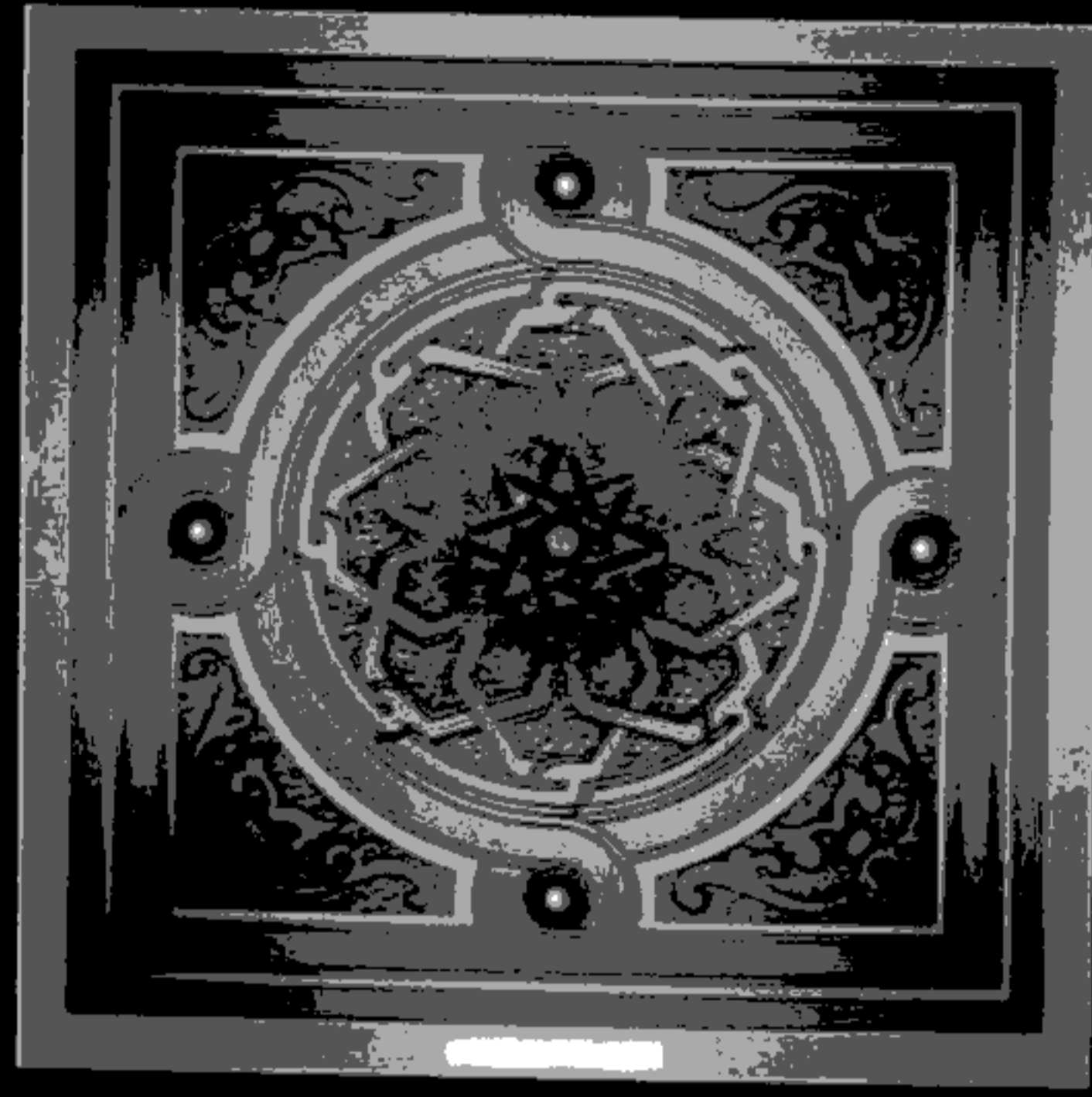
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان